مُسافت

طارق اسمٰعیل ساگر

پیش لفظ

مئی 2003ء کی ایک تپتی دوپہر کو جب امریکی فوجیں بغداد کو تاخت وتاراج کر کے قریباً ہر قابل ذکر عمارت کو کھنڈرات کا ڈھیر بنا چکی تھیں، بغداد شہر آشوب دکھائی دے رہا تھا اور امریکن افواج کے مسلح جوان بڑے بڑے ٹرکوں اور جیپوں میں فاتحانہ انداز میں سارے شہر میں دندناتے پھر رہے تھے۔ عزت، جان و مال سب کچھ غیر محفوظ تھا۔ کوئی قانون کسی پر لاگو نہیں رہا تھا۔ اندھیر نگری مچی تھی اور صرف طاقت کی زبانی بولی اور سمجھی جارہی تھی۔ عین ان لمحات میں اپنے کرم فرما صاحبزادہ میجر (ر) ابراہیم شاہ صاحب کے ساتھ میں شہنشاہ بغداد امام ربانی محبوب سبحانی حضرت سیدنا غوث الاعظمؒ کے حضور میں اپنی تمام تر بداعمالیوں، سیاہ کاریوں کے ساتھ مجز گزار رہا تھا۔ میرے ہم سفر کے جذبات مجھ سے الگ نہیں تھے ہم دونوں سسکیاں لے کر روتے ہوئے نذرانہ عقیدت پیش کر رہے تھے۔ احساس عدم تحفظ نے بغداد پر آسیب پھیلا رکھا تھا۔ ہر کوئی وحشت زدہ اور غیر محفوظ دکھائی دے رہا تھا۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے مزار مبارک پر صرف پندرہ بیس لوگ موجود تھے جن میں سے صرف ہم دو غیر ملکی تھے اور وہاں موجود باقی مقامی نمازی یا پھر مزار شریف کے متولی تھے جو ہم دونوں کی یہاں موجودگی کو "معجزہ" سمجھ رہے تھے کیونکہ ان حالات میں جب بغداد چرند پرند کیلئے بھی ظالموں نے غیر محفوظ کر دیا تھا اور مقامی لوگ بھی سہم کر اپنے گھروں تک محدود ہو گئے تھے ہم دو پاکستانی وہاں پہنچے کیسے؟

اس سوال کا جواب ہمیں ہی معلوم نہیں تھا انہیں کیا بتاتے۔ بس دربار غوثیہ میں حاضری کے احساس سے سارا جسم سرور وانبساط اور عجز و نیاز سے سرشار تھا۔ جی چاہتا تھا وصال کی یہ گھڑیاں کبھی ختم نہ ہوں لیکن خادمین نے بتایا کہ دربار پاک کا تالا آج اس وقت صرف ہمارے لیے کھولا گیا ہے ورنہ تو موجودہ حالات کے پیش نظر ملحقہ مسجد میں لوگ نماز پڑھنے کے فوراً بعد چلے جاتے ہیں اور صرف مخصوص اوقات میں ہی دربار شریف کے دروازے کا تالا کھولا جاتا ہے۔

ہم انہیں کیا بتاتے کہ یہ تالا کس کے حکم سے کھلا ہے؟ بس دل ہی دل میں شکر گزار ہو رہے تھے کہ ایک عمر سے جو خواہش نہاں خانہ دل میں کروٹیں لے رہی تھی آج وہ اللہ نے پوری کردی۔

سیدنا غوث پاکؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابراہیم ادھمؒ اور درجنوں دیگر اولیائے کرام کے علاوہ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے میزائل سے چھلنی مزار مبارک پر آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے جب اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو دل کا عجب عالم تھا کہ ایک پل ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔

بغداد کے مختصر قیام میں بار بار یہ سوال میرے دل و دماغ کو جھنجھوڑتا رہا کہ آخر اولیاء کے اس مدفن کو کس نے شہر آشوب میں تبدیل کردیا؟ اور بغداد میں کیا سارا عالم اسلام ہی اس کیفیت سے گزر رہا ہے۔ کہیں طاغوتی طاقتیں خود موجود ہیں اور کہیں ان کے مسلط کردہ حکمران محکوم مسلمانوں پر دائسرائے بن کر بیٹھے ہیں۔

یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اور ہمارے ہی ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس دنیا میں صرف مسلمان ہی نہیں بستے اور بھی مذاہب کے پیروکار بھی موجود ہیں۔ وہ بھی امریکہ کی وجہ ''دہشت گردی'' کی تعریف پر پورے اترتے ہیں لیکن ان کے ہنستے بستے گھر نہیں اجڑ رہے۔ ان کی بستیوں پر آتش و آہن نہیں برسایا جارہا۔ ان سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جارہا۔ ان کی دہشت گردی کو 'عالمی امن'' کیلئے خطرہ نہیں سمجھا جارہا۔

یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

کیا اسرار ہے؟ کیا بھید ہے؟

بہت غور وخوض کے بعد دماغ نے دل کی یہ بات تسلیم کرلی کہ ہم دراصل اسلام کی روح کو سمجھ نہیں سکے، اپنے اپنے انداز سے مختلف توجیہات کرتے رہے اور اس حال کو پہنچ گئے۔ ہم نے اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی تعلیمات کو جو بغداد میں آسودہ خاک ہیں کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی حالانکہ ان کا بتایا ہوا راستہ ہی ہماری نجات کا راستہ ہے کیونکہ جس اسلام کی وہ تبلیغ کرتے تھے وہ علم، امن، آشتی، بھائی چارے اور اپنے اعمال صالحہ سے دلوں کو مسخر کرلینے والا اسلام تھا۔ ہم صرف تیر وتفنگ کی باتیں کرتے ہیں۔ تب مجھے چھ سات سال پہلے امریکہ میں دوران قیام وہ ''کالے مسلمان'' یاد آئے جو حضرت بلال حبشیؓ کے اسودہ کی جیتی جاگتی تصویر اور ایک زندہ مثال اسلام کی حقانیت کا ثبوت بنے میرے سامنے موجود تھے۔ ان لوگوں نے خود پر ''اسلام کو نافذ'' کیا تھا اور

قرون اولیٰ کے مسلمان دکھائی دیتے تھے۔ یہ لوگ آج لاکھوں کی تعداد میں امریکہ اور بلاد یورپ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے پیامبر بنے موجود ہیں جس مرد درویش کے دست حق پرست پر ''بیعت'' ہوئے تھے اس کا تعلق بھی سیدنا غوث اعظمؒ سے تھا اور سلسلہ قادریہ کی نمائندگی کرتا تھا۔

راہ سلوک کے اس مسافر کا احوال جاننے کیلئے میں نے اس سے درجنوں ملاقاتیں کیں اور بالآخر اس اسرار کو پالیا کہ اس صوفی منش درویش خدامست کے پاس وہ کون سی کرامت ہے جس نے لاکھوں دلوں کو مسخر کر رکھا ہے جبکہ وہ خود کسی کو مرید کرنا پسند نہیں کرتا، کسی سے ملنے کا روادار نہیں، جلوت کے بجائے خلوت پسند ہے اور شہر کی رونقوں سے دور پہاڑوں، جنگلوں اور بیابانوں کو اپنا مسکن بنائے رکھتا ہے۔ بعد از خرابی بسیار یہ بات سمجھ آئی کہ پیر، فقیر، ولی، قطب ہونے کے تو بہت سے دعوے دار موجود ہیں لیکن اصل میں ''فقیری'' تب ہی نصیب ہوتی ہے جب اس کی سند دربار رسالت مآب ﷺ سے جاری ہو اور آقائے نامدار اپنی غلامی میں لے کر ''بادشاہی'' عطا فرمائیں۔

''مسافت'' اسی راہ سلوک کے مسافر کی کہانی ہے جس میں ہمارے آج کے مسائل کا حل اور لاینحل سوالوں کا جواب بھی موجود ہے اور ہمارے تمام دکھوں کا مداوا بھی۔

طارق اسماعیل ساگر

اگست 2004ء لاہور

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنے جلا رہا ہے
وہ مرد درویش حق نے جس کو دیے ہیں انداز خسروانہ

علامہ اقبال

مسافروں میں بے چینی پیدا ہونا فطری بات تھی۔ قریباً پون گھنٹہ پہلے پائلٹ کی طرف سے جہاز لینڈ کرنے کی اطلاع دی گئی تھی اور تب سے اب تک فضائی عملہ بھی اپنی اپنی سیٹوں سے بندھا بیٹھا تھا لیکن جہاز ابھی تک فضا میں چکر کاٹ رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے بھئی؟''

ایک خاتون جس کا بچہ بندھی بیلٹ سے آزاد ہونے کیلئے مسلسل بضد تھا، قدرے اونچی آواز سے بڑبڑائی!

''مذاق بنا رکھا ہے ان لوگوں نے۔''

دوسری سیٹ سے کسی پروفیسر نما بزرگ نے عینک کے شیشوں کے اوپر سے جھانکتے ہوئے کہا کیونکہ وہ اپنی سیٹ کے سامنے رکھے رسالوں کی ورق گردانی کرتے کرتے اب تنگ آچکے تھے۔

''ان لوگوں کی عادت ہے جی۔ دو گھنٹے پہلے سے پسنجرز کو باندھ کر بیٹھا دیتے ہیں۔ بے چارے سارے راستے خدمت کر کے تنگ آچکے ہوتے ہیں ناں.....''

ایک اور نوجوان نے طنز کی۔

''بھائی صاحب پریشان نہ ہوں یہ تو معمول کی کارروائی ہے.....ابھی تو اگلے اعلان کیلئے تیار رہیں۔''

ایک گھاگ قسم کے مسافر نے جس کی آنکھیں ماتھے کے اندر دھنسی محسوس ہو رہی تھیں، قدرے اونچی آواز میں کہا تو اکانومی کلاس کے مسافر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا بیٹا؟''

اس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے مولوی صاحب نے دریافت کیا۔

''حضرت جی یہ تو کچھ بھی نہیں.....دو ماہ میں ایک چکر تو میرا ضرور لگتا ہے امریکہ کا.....اکثر یہ لوگ نیویارک کا اعلان کر کے جہاز واشنگٹن پر اتار دیا کرتے ہیں۔ اوجی! انہیں وہ سمجھتے کیا ہیں.....جگہ خالی ہوگئی تو اترنے کی اجازت دے دیں گے ورنہ لگاتے رہیں چکر فضا میں۔''

نوجوان کے اس انکشاف نے کم از کم ان مسافروں کو جو پہلی مرتبہ امریکہ آرہے تھے

قدرے بے چین کر دیا۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔ کیونکہ ان کے رشتہ دار تو نیویارک کے جے ایف کے ایئرپورٹ پر ہی انہیں لینے آئے ہوں گے۔ نوجوان کی بات ختم ہوتے ہی اکانومی کلاس کے ان مسافروں نے اپنا اپنا احتجاج ریکارڈ کروانا شروع کر دیا۔

پیرس سے پاکستانی ایئرلائن کی اس پرواز میں سوار ہونے والے مائیکل کیلئے سوائے خاموشی سے ان باتوں کو سنتے رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اردو اسے آتی نہیں تھی لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ لوگ کس بات پر ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ واقعی پون گھنٹہ پہلے لینڈنگ کیلئے کمر کس کر بیٹھے تھے اور ابھی تک کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بھی اپنے جذبات شیئر کرنا چاہتا تھا لیکن سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس سے کرے؟

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ایئرلائن کے فضائی عملے نے باقی ایئرلائنوں کے مقابلے میں ان کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ مائیکل کا تعلق نیوجرسی سے تھا۔ وہ کالے مسلمانوں کا ہمسایہ اور خود بھی نیگرو ہونے کے ناطے گزشتہ دو ماہ سے اسلام میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ آج کل ابھی ایک انگریزی ترجمے والا قرآن اس کے زیر مطالعہ تھا۔ جب اس کی دلچسپی اسلام میں بڑھنے لگی تھی اس کے نشست و برخاست کے انداز بھی بدلنے لگے تھے۔ اپنے ہمسایہ مسلمانوں کے گھروں میں پکنے والا حلال میٹ اس کی عادت بن چکا تھا۔ پی آئی اے کے ذریعے سفر کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کیونکہ اس ایئرلائن پر اسے پاکستانی کھانے ملتے تھے جو اب اس کی عادت بن چکے تھے۔ پندرہ بیس روز میں اسے اپنی کمپنی کی طرف سے ایک مرتبہ ضرور پیرس جانا ہوتا تھا۔ وہ ایک بڑے ملٹی نیشنل میں سیلز ایگزیکٹو کی نوکری کر رہا تھا۔ معقول مشاہرہ اور وی آئی پی سہولیات اس کی خصوصی تعلیم اور دن رات کی محنت کی مرہون منت تھیں۔ اس نے مارکیٹنگ کی دنیا میں ایسے ایسے کمالات دکھائے تھے جنہوں نے کمپنی کے اعلیٰ حکام کو اس کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ یوں بھی وہ شاندار تعلیمی ریکارڈ کا حامل تھا۔

پی آئی اے سے سفر میں سوائے اس کے اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی کہ اکثر اس پرواز کو دنیا کی دوسری بڑی لائنوں جیسا پروٹوکول نہیں ملتا تھا۔ مائیکل جانتا تھا اس کی وجہ ایئرلائن کی نالائقی نہیں بلکہ یورپ اور امریکہ کے ایئرپورٹس پر موجود زمینی عملے کا تعصب ہے جو انہیں جان بوجھ کر زچ کرتے تھے لیکن بعض مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے ایئرلائن اس پر احتجاج نہیں کر سکتی تھی۔

ایسا اکثر ہوتا تھا لیکن آدھ گھنٹے سے پہلے وہ لینڈ کر جایا کرتے تھے جبکہ آج خلاف معمول پون گھنٹہ گزر چکا تھا اب تو اسے بھی غصہ آنے لگا تھا۔

اس نے اپنے ہمسفر پر نظر ڈالی جو آنکھیں بند کئے شاید کچھ بڑبڑا رہا تھا اس بڑبڑاہٹ کا

اندازہ اسے اپنے ہمسفر کے ہونٹوں کی حرکات سے ہوا۔ مائیکل کو اپنا ہمسفر بڑا پراسرار لگنے لگا تھا۔ پیرس سے نیویارک تک وہ ایک انگریزی کتاب کا مطالعہ کرتا آیا تھا۔ یا نال جو اس نے نظر اٹھا کر بھی کسی اور طرف دیکھا ہو۔ بس کبھی کبھی وہ اپنے دائیں ہاتھ میں پہلے سے موجود تسبیح پر آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنے لگتا یہی دراصل اس کے آرام کا وقفہ ہوتا تھا۔

مائیکل کو شروع ہی سے وہ شخص کچھ پراسرار لگا۔

لیکن..... خدا جانے اس کی آنکھوں میں کیا اسرار تھا کہ جب بھی دونوں کی آنکھیں آپس میں ٹکراتیں مائیکل کو اپنے سارے بدن میں نامعلوم سی طمانیت کا احساس ہونے لگتا۔ ایک گداز سا اس کے احساسات پر طاری ہو جاتا۔

ڈھلتی عمر کے اس بھاری جسم والے شخص کی ڈاڑھی قدرے گھنی تھی جس میں سے کچھ سفید بال اس کی بزرگی اور عظمت کی چغلی کھا رہے تھے جبکہ اس کا چہرہ بہت پرسکون تھا۔

ایک دم گہرے سمندر کی طرح شانت۔

پیرس سے یہاں تک اس نے بمشکل دو مرتبہ پانی اور ایک مرتبہ کافی پی تھی۔ اس کے علاوہ وہ کتاب کا مطالعہ کرنے یا پھر دوران مطالعہ اچانک آنکھیں بند کر کے کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے پڑھ پڑھ کر پھینکتا آیا تھا۔

کتنی ہی مرتبہ مائیکل کا دل چاہا کہ اس سے کوئی بات کرے کیونکہ اسے اس بات کا بخوبی اندازہ ہونے لگا تھا کہ شکل سے saint (صوفی) نظر آنے والا یہ شخص انگریزی اچھی طرح سمجھتا ہے لیکن جب بھی اس نے کچھ کہنا چاہا نجانے کیوں مناسب الفاظ ہی میسر نہ آ سکے۔

اسے اپنے ہمسفر کا نام تو معلوم نہیں تھا لیکن اس کے دماغ میں مسلسل "صوفی" لفظ کی تکرار ہو رہی تھی۔ یہ صوفی کا لفظ بھی اس کے دماغ میں شاید اس لیے آ گیا تھا کہ جن مسلمانوں کا وہ ہمسایہ تھا ان کے گھروں میں اسے کسی مسلمان صوفی کی ایک تصویر اکثر دکھائی دیا کرتی تھی جو بالکل اس کے ہمسفر جیسا لگتا تھا۔ اس کی تصویر کی مناسبت سے ہی اس نے اسے Saint سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

مائیکل کو امید تھی کہ موجودہ صورتحال جس کا اکانومی کلاس کے قریباً سب ہی مسافر شکار دکھائی دے رہے تھے پر صوفی صاحب کی طرف سے بھی کوئی Comment (تبصرہ) ضرور آئے گا لیکن حیرت انگیز طور پر اس کا ہمسفر صبر و تسلیم کا مجسمہ بنا دکھائی دے رہا تھا۔ کیا مجال جو ایک لمحے کیلئے اس کے چہرے کی کیفیت ہی بدلی ہو۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر کسی اور ہی دنیا کا مسافر بنا یہاں موجود تھا۔

''جہاز لینڈ ہی نہیں کر رہا..... کافی دیر سے پہیے کھل چکے ہیں۔''

مائیکل نے یہ فقرہ بڑی ہمت سے ادا کیا تھا۔ الفاظ اس کے حلق سے پھنسے پھنسے ہونٹوں تک پہنچے تھے۔ اب وہ کن انکھیوں سے صوفی صاحب کی طرف دیکھ رہا تھا جنہوں نے پہلی مرتبہ اپنا چہرہ اس کی طرف گھمایا۔

مائیکل کی نظریں صوفی صاحب سے ٹکرائیں تو ایک زوردار جھٹکا اس کے سارے بدن میں ہوا۔ لیکن اس کا ردعمل اس کی زندگی کا لطیف ترین تجربہ تھا۔ مائیکل کو یوں لگا جیسے صوفی صاحب کی آنکھوں سے ایک دودھیا روشنی براہ راست اس کے دل پر اتر رہی ہے جس نے مائیکل کے سارے بدن میں ایک عجیب وغریب گداز پیدا کر دیا تھا۔ اسے اپنا جسم ہلکا ہو کر فضاء میں تیرتا محسوس ہونے لگا۔ گرد و پیش کی ساری آوازیں چہ میگوئیاں، سب کچھ دور پیچھے رہ گیا تھا اور اس کا جسم بہت دور فضاؤں میں معلق ہو کر رہ گیا۔

صوفی صاحب کے ہونٹوں پر ایک ملکوتی حسن بیدار ہوا۔ ان کے ہونٹوں نے جنبش کی اور مائیکل کے کانوں میں ایک پرسکون سی سرگوشی تیرنے لگی۔

''میرے عزیز! وقت سے پہلے اور قسمت سے زیادہ نہ کچھ ہوتا ہے نہ ہی کسی کو ملتا ہے جب میرے اللہ کا حکم ہوگا جہاز زمین اتر جائے گا۔''

مائیکل حیرت اور سرور کی عجیب وغریب کیفیت سے دوچار صوفی صاحب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں جلترنگ سی بجنے لگی تھی۔ اس کے لئے اپنے سوال کا یہ جواب بڑا عجیب اور چونکا دینے والا تھا۔ صوفی صاحب مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنا چہرہ دوبارہ کھڑکی کی طرف کر لیا اور ہاتھ میں پکڑی تسبیح پر کچھ بڑبڑانے لگے۔

☆☆☆

اس کے ساتھ ہی مائیکل کو جھٹکا لگنے کا احساس ہوا۔

''یہ کیا؟''

اچانک ہی اس کے منہ سے نکلا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ جہاز زمین پر لینڈ کر چکا تھا۔

''ناممکن! ناممکن! یہ کیسے ہوا؟ کیسے ہو گیا؟''

اس نے خود کلامی شروع کر دی.....

واقعی یہ اس کیلئے بہت بڑا المیہ تھا۔ اچانک جہاز آسمان کی وسعتوں سے زمین پر آ گیا۔

''یہ کک کیسے ہو گیا۔''

اس نے قدرے بوکھلاہٹ میں دوبارہ صوفی صاحب کی طرف دیکھا۔

''بس! ایسے ہی ہوتا ہے! جب میرا اللہ چاہتا ہے ایسے ہی ہو جاتا ہے۔ میرے عزیز! دنیا کا نظام صرف انسانی سکنلز کا محتاج نہیں ہے۔ یہ نظام ہستی کوئی اور چلا رہا ہے۔''

صوفی صاحب نے اتنے اطمینان سے سوال کا جواب دیا کہ مائیکل کو اپنے دل کی رفتار گھٹتی محسوس ہوئی۔

جہاز اب ٹیکسی کرتا رن وے کی طرف جا رہا تھا۔ مائیکل حیرت سے کبھی صوفی صاحب کی طرف دیکھتا کبھی اپنا جائزہ لیتا اور کبھی جہاز کے اندر کے ماحول سے خود کو آشنا کرنے کی کوشش میں جت جاتا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ جہاز کو جیسے نادیدہ قوت نے ہاتھوں سے پکڑ کر چند سیکنڈ میں زمین پر اتار دیا تھا۔

یہی تھی وہ توجیہہ جو اس کے دل و دماغ نے پیش کی۔ اسے اپنا سر گھومتا محسوس ہوا لیکن جلد ہی وہ سنبھل گیا۔

جہاز رک گیا تھا۔ انجن بند ہو گئے تھے اور مسافر بڑی افراتفری کے عالم میں اپنے سروں پر موجود سامان کے بکس کھول کر اپنا اپنا سامان نکال رہے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں دوبارہ وہ فضا میں نہ پہنچ جائیں یا جہاز کو اچانک دوبارہ اڑنے کا حکم نہ مل جائے۔

صوفی صاحب اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ مائیکل نے ان کی طرف دیکھا اور نہ چاہتے ہوئے پوچھ لیا۔

''آپ کہاں جائیں گے شیخ؟''

''معلوم نہیں''

جواب ملا۔

''میرا مطلب ہے آپ نیویارک سے کہاں جائیں گے؟''

مائیکل پھر الجھ گیا۔

''جہاں تقدیر لے جائے۔ جس نے یہاں بھیجا ہے وہی اگلی منزل بھی جانتا ہوگا۔''

صوفی صاحب نے یہ الفاظ اتنی طمانیت سے ادا کیے تھے کہ مائیکل کو اپنا وجود ٹھنڈا پڑتا

محسوس ہوا۔

وہ ہکا بکا صوفی صاحب کی طرف عجیب وغریب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

شاید "شیخ" کو اس کی حالت پر رحم آ گیا۔ اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور مائیکل کو شیخ کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دی۔

"میں بے اختیار ہوں۔ "صاحب اختیار" وہ ہے جس نے مجھے یہاں بھیجا۔ میں تو اس کا اطاعت گزار ہوں۔ میرے قدم میری مرضی کے تابع نہیں۔ مجھے تو اگلے لمحے کا بھی علم نہیں۔ اگلی منزل کا کیا معلوم؟"

سحر زدہ مائیکل اٹھ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ اس کے اردگرد خاصی جگہ خالی ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے سر پر دھرا بریف کیس اٹھایا۔ شیخ کی طرف دیکھا اور کسی غیر مرئی قوت کے تابع اپنا سر سینے کی طرف جھکاتے ہوئے اطاعت گزار کر مسافروں کی اس قطار میں شامل ہو گیا جو جہاز کے کھلے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

رینڈی کیلئے یہ سب معمول کی کارروائی تھی حالانکہ اس کے تمام ساتھی بڑی ٹینشن محسوس کر رہے تھے۔ پاکستان سے آنے والی فلائیٹ پر جن لوگوں کی ڈیوٹی لگتی تھی انہیں یوں تو پہلے ہی سے خاصا بریف (Brief) کیا ہوتا تھا لیکن کچھ دنوں سے بطور خاص ان فلائٹوں کی امیگریشن بڑی سختی سے کی جاتی تھی۔

رینڈی کی عمر تو 40 سال سے زیادہ تھی لیکن پہلی نظر میں وہ کبھی 25 سال سے زیادہ محسوس نہیں ہوئی۔ اس کا تعلق نوجوانوں کے اس گروپ سے تھا جسے ایف بی آئی کے خصوصی کورس کروانے کے بعد امیگریشن ڈیپارٹمنٹ میں بھیجا گیا تھا۔ رینڈی کو اس کے تجربے، تربیت اور سب سے بڑھ کر ذاتی تعصب نے جو ایک یہودی ہونے کے ناطے وہ مسلمانوں کیلئے رکھتی تھی، اس بات کا قائل کر دیا تھا کہ پاکستان سے آنے والی فلائیٹ کا ہر دوسرا مسافر مشکوک ہے۔ امریکن پاسپورٹ اور گرین کارڈ رکھنے والوں کی قطاریں الگ سے لگائی جاتی تھیں جبکہ رینڈی کی ڈیوٹی "others" والے کاؤنٹر پر ہوتی تھی۔

اس کے کاؤنٹر کے سامنے مسافروں کی قطار میں یوں تو بمشکل پچیس تیس مسافر ہی کھڑے تھے لیکن سب سے زیادہ سست رفتاری کا مظاہرہ یہیں ہو رہا تھا۔ ان بے چاروں کو ویزہ حاصل کرنے کیلئے اتنے سخت سوالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جو رینڈی ان سے کر رہی تھی۔ ہر

مسافر کو بہت جرح کے بعد ہی ہیریئر کراس کرنے کی اجازت ملتی تھی۔ اب تک وہ دو مسافروں کو "مشکوک" قرار دے کر اس بنچ پر بیٹھا چکی تھی جو ان "بیچاروں" کیلئے وہاں پہلے ہی سے دھرے ہوئے تھے۔

☆☆☆

صوفی صاحب بھی اس قطار میں موجود تھے لیکن جسمانی طور پر۔ ان کی روح جیسے اپنے جسم سے الگ ہو کر کہیں اور پہنچ چکی تھی..... وہیں جہاں سے انہیں "اذن رخصت" عطا ہوا تھا۔

اس روز معمول کے مطابق تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے جب پہلے بہت سے واقعات کی طرح انہیں بارگاہ نبوت ﷺ میں طلب کر لیا گیا!

"امریکہ چلے جاؤ۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے حکم دیا۔

اطاعت گزار اور عشق نبوی سے سرشار شیخ نے سر تسلیم خم کر دیا۔

اگلے روز اس نے اپنا پاسپورٹ پکڑا اور ڈرائیور کو امریکن قونصلیٹ کی طرف چلنے کے لئے کہا قونصلیٹ کے باہر لگی لمبی قطار نے ایک مرتبہ تو ڈرائیور پر گھبراہٹ طاری کر دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے "مرشد" کو عام دنیا داروں کی طرح ویزے کیلئے ذلت اٹھانی پڑے، لیکن کوئی نادیدہ قوت اس کے کانوں میں یہ سرگوشی بھی کر رہی تھی کہ اس کا مرشد اپنی مرضی کے تابع نہیں، جس نے اسے یہاں بھیجا ہے وہی سارے بندوبست بھی کر دے گا۔

اور ایسا ہی ہوا.....

اس نے ڈراپنگ ایریا پر گاڑی روکی۔ اپنے مرشد کو دروازہ کھول کر باہر نکالا اور گاڑی پارکنگ کی طرف لے گیا۔

شیخ نے ایک نظر سامنے لمبی قطار پر ڈالی پھر آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور قطار کی طرف بڑھنے لگا۔ اچانک ہی زمین نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ ایک باوردی مسلح گارڈ اس کی طرف قریباً بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔

"السلام علیکم۔"

اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام۔"

شیخ نے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ گیلانی صاحب ہیں ناں؟''

گارڈ نے بڑے تیقن سے کہا۔

شیخ نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

''سر! آپ ادھر آجائیں۔''

گارڈ نے مخالف سمت اشارہ کیا اور بڑا مؤدب ہو کر اس کی رہنمائی قونصلیٹ کے اس دروازے کی طرف کرنے لگا جس کے باہر ایک سفید رنگ کے بورڈ پر بڑے بڑے سرخ الفاظ سے لکھا ہوا تھا۔

''خبردار! یہ راستہ صرف قونصلیٹ کے ملازمین استعمال کر سکتے ہیں۔''

گیٹ کے سامنے پہنچ کر اس نے گیٹ کے کونے میں کھڑے دوسرے گارڈ سے کچھ کہا جس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے اندر موجود انٹر کام پر اس نے کسی کو گیلانی صاحب کی آمد سے مطلع کیا اور اگلے پندرہ منٹ بعد وہ انٹرویو والی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا جس کے پیچھے شیشے کے آر پار کرخت چہرے اور غصیلی آنکھوں والے ویزہ آفیسر نے اس کا پاسپورٹ طلب کیا۔

شیخ نے پاسپورٹ اور ویزہ فارم کھڑکی سے اندر کر دیا جو اس نے ابھی چند منٹ پہلے اس کھڑکی سے کچھ فاصلے پر ایک کرسی پر بیٹھ کر پر کیا تھا۔ وہ صرف اپنی تین تصاویر ساتھ لایا تھا جو پاسپورٹ اور ویزہ فارم کے ساتھ ہی اس نے اندر بڑھا دیں۔

عام حالات میں اگر کوئی پاکستانی اس طرح لاپروائی کا مظاہرہ کرتا تو ویزہ افسر اسے دھکے دے کر باہر نکلوا دیتا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر کرخت چہرے اور غصیلی آنکھوں والے اسی ویزہ آفیسر نے اس کے فارم کے ساتھ تصاویر خود چسپاں کیں۔ اس سے کوئی سوال تک نہ کیا۔

''تشریف رکھیں۔ ابھی آپ کو زحمت دیتے ہیں۔''

اس نے گیلانی کی طرف دیکھ کر بڑے ملتجی لہجے میں کہا اور گیلانی کچھ فاصلے پر دھری کرسیوں میں سے ایک کونے والی کرسی پر بیٹھ کر حسب عادت تسبیح پڑھنے لگا۔ بمشکل دس منٹ ہی گزرے تھے جب اس نے ویزہ آفیسر کو اپنی طرف آتے دیکھا جس نے اپنے ہاتھ میں اس کا پاسپورٹ پکڑ رکھا تھا۔

یہ قطعاً خلاف معمول تھا۔

یہاں موجود ہر شخص حیرت و استعجاب میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا پروٹوکول تو آج تک کسی وی آئی پی کو بھی نہیں ملا تھا۔ ویزہ آفیسر نے بڑے احترام سے پاسپورٹ اس کی طرف

بڑھایا اور وہاں موجود گارڈ کو ہدایت کی کہ گیلانی صاحب کو اسی گیٹ سے باہر چھوڑ آؤ۔

گارڈ کیلئے اپنی پندرہ سالہ ملازمت میں یہ پہلا اس نوعیت کا تجربہ تھا۔ اس نے اطاعت گزاری اور گیلانی کے ہمراہ چل دیا۔

سب لوگ حیران تھے سوائے گیلانی کے!!

وہ جانتا تھا یہ سب دنیاوی کارروائی ہے جس بارگاہ سے اسے حکم سفر ملا ہے وہاں دنیا کی کوئی سرحد، زمین، قانون پر کاہ جتنی اہمیت نہیں رکھتا۔

یہ اس کا پہلا سفر تھا۔

مسافت اس کا مقصد تھی۔

اپنی پیدائش کے بعد سے اس مسافر کا کوئی بھی عمل اپنی مرضی کے تابع نہیں رہا تھا۔ اسے تو حکم ملتا تھا۔

اور وہ چل دیتا تھا.....

دنیاوی تقاضے پورے کرنے کیلئے اس نے پاسپورٹ بنا رکھا تھا کیونکہ اپنی روحانی تربیت کے مطابق وہ بہرحال ''ظاہر کا مکلف'' تھا۔ دنیاوی تقاضے پورے کرنے اس کے لئے لازم تھے۔ اسے بہرحال یہ ''پردہ'' تانے رکھنا تھا..... حکم تھا کہ ''پردہ'' نہیں اٹھانا۔ کیونکہ ہر منظر ہر کسی کیلئے نہیں ہوتا۔ ہر آنکھ ہر منظر کی تاب نہیں لا سکتی..... یہ قانون فطرت تھا جس کا احترام لازم تھا۔

تین روز بعد وہ پی آئی اے کی اسی فلائیٹ کے ذریعے عازم امریکہ تھا.....!!

اسے کہاں جانا ہے؟

اس کا کون سا ٹھکانہ ہوگا؟

رین بسیرا کہاں کرنا ہے؟

میزبان کون ہیں اور آمد کا مقصد کیا ہے؟

ان سوالات کے جوابات کا تجسس کرنا اس کے نزدیک کفر کے مترادف تھا۔ بارگاہ نبوت ﷺ سے حکم سفر ملا اور وہ چل دیا۔ اس کے علاوہ کچھ سوچنا، کوئی انتظام و انصرام کرنا، کسی کو اپنی آمد سے مطلع کرنا اور امریکہ کے ہوائی اڈے پر اترنے کے بعد اگلی منزل کا گمان رکھنا، یہ سب اس کا کام نہیں تھا۔ وہ یہ سب مناسب نہیں جانتا تھا۔ جن کے حکم پر سفر اختیار کیا تھا، اس بارگاہ میں سوال کرنے کا تصور ہی محال تھا۔ وہاں تو صرف اطاعت ہی اطاعت تھی..... اور اس نے کی۔

☆☆☆

قریباً آدھ گھنٹہ کھڑے رہنے کے بعد اس کی باری آئی اور وہ رینڈی کے کیبن کے سامنے پہنچ گیا۔ دونوں کے درمیان ایک شیشہ حائل تھا جس کے آر پار سب کچھ آسانی سے دیکھا اور سنا جاسکتا تھا۔ اس نے رینڈی کی طرف۔ دیکھے بغیر اپنا پاسپورٹ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''الشیخ السید محی الدین علی الگیلانی۔''

رینڈی نے قدرے بلند آواز سے اس کا نام دہرایا اور اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

دوسری طرف خاموشی تھی۔

''یونائیٹڈ سٹیٹس میں آمد کا مقصد کیا ہے؟''

اس نے رٹا رٹایا سوال دہرایا اور اپنے سامنے کھڑے شیخ گیلانی کی طرف دیکھا۔ جس نے مسلسل تسبیح کرتے ہوئے اپنے سینے سے نظر اٹھا کر ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

''او کے۔ او کے۔ آل رائیٹ''

رینڈی پر عجیب طرح کا دورہ پڑا تھا۔ اس نے کسی میکانکی عمل کے ماتحت اپنے سوال کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کے پاسپورٹ پر داخلے کی مہر ثبت کی اور خلاف معمول کھڑے ہو کر بیرل ہٹانے کا بٹن دبایا جب تک شیخ گیلانی بیرل کراس نہ کر گیا وہ اپنی جگہ کھڑی رہی پھر اچانک نارمل ہوگئی۔

رینڈی کیلئے یہ حیرت انگیز تجربہ تھا۔ آج تک اس سے ایسی غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی کہ کسی سوال و جواب کے بغیر اس نے آسانی سے امریکہ میں داخلے کی اجازت دی ہو۔ اسے خود سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب ہوا کیسے۔ وہ تو کسی میکانکی عمل کے تحت سب کچھ کرتی چلی گئی۔ اگر اس کے ساتھی اس طرح کھڑے ہو کر کسی پاکستانی پاسپورٹ رکھنے والے مسافر کو تعظیم دے کر رینڈی کے کارنر سے گزرتا دیکھ لیتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا۔

ابھی تک رینڈی سکتے کی سی کیفیت کا شکار تھی..... جب تک اس کی قطار کا آخری مسافر چیک ہوا وہ شیخ گیلانی کے متعلق ہی سوچتی رہی۔

☆☆☆

مائیکل بمشکل بیس منٹ بعد الاؤنج میں آچکا تھا۔ امریکن پاسپورٹ کی وجہ سے کس کی مجال تھی جو اسے چیک کرتا۔ ریوالونگ بیلٹ سے سامان اٹھا کر اس نے ٹرالی پر رکھا اور اب وہ لاؤنج میں ایک عجیب سے تذبذب کا شکار کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔

اس کا دماغ ابھی تک جہاز کی لینڈنگ کا معمہ حل نہیں کر پایا تھا۔ نجانے شیخ گیلانی کی شخصیت میں کیا بھید تھا جس نے اسے مسخر کرلیا۔ وہ خود اس معمے کو ابھی تک سمجھ نہیں پایا تھا کہ آخر وہ اب یہاں لاؤنج میں کھڑا کس کا انتظار کر رہا ہے۔

اچانک ہی اس نے شیخ گیلانی کی خیریت جاننے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ایک مرتبہ پھر گیلانی سے ملے۔ اس سے آگے ابھی اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ اس کے پاس گیلانی سے دوبارہ ملنے کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ وہ ایک مصروف امریکی نوجوان تھا جس کی زندگی منٹوں میں تقسیم ہوتی ہے لیکن وہ ایک گھنٹے سے یہاں گیلانی کا منتظر تھا۔

اس کی نگاہیں Exit (اخراج) والے اس دروازے پر ٹکی تھیں جس سے گزر کر فلائیٹ کے مسافر باہر آرہے تھے۔ ان کی رفتار بہت آہستہ تھی۔ اس کی وجہ بھی وہ جانتا تھا۔

خدا خدا کر کے گیلانی کا چہرہ دکھائی دیا۔

اس نے ایک ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے مسلسل تسبیح کے دانے گرا رہا تھا۔ مائیکل اسے دیکھتے ہی تیزی سے گیلانی کی طرف لپکا۔

''آپ نے بہت دیر کردی۔''

اس نے بالکل اس انداز میں گلہ کیا جیسے برسوں سے گیلانی کو جانتا ہو۔

''وقت کی تقسیم میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔''

جواب ملا۔

اور..... مائیکل پر وہی کیفیت طاری ہونے لگی جس کا وہ جہاز میں شکار ہوا تھا۔

''آپ کہاں جائیں گے؟ کوئی آپ کو لینے آیا ہے کیا؟''

اس نے قدرے بے چینی سے دریافت کیا۔

''کہاں جاؤں گا''..... گیلانی نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اس کی بات کو سوالیہ انداز میں دہرا کر ایک گہرا سانس لیا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر پھیلی طمانیت اور گہری ہونے لگی تھی..... ''مجھے علم نہیں کہاں جانا ہے..... جس نے یہاں بھیجا ہے اگلی منزل کا بھی اسی کو علم ہوگا۔''

گیلانی کے جواب نے ایک مرتبہ پھر مائیکل کو گڑبڑا دیا۔ گو کہ ایک امریکی نوجوان کیلئے یہ جواب کسی حواس باختہ شخص کا جواب ہی ہوسکتا تھا، لیکن مائیکل کا دل جیسے مٹھی میں جکڑ گیا تھا۔

اس نے حیرت، ہمدردی اور محبت کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ میرے ساتھ چلیے..... بہت رات ہوگئی ہے۔ فلائیٹ لیٹ تھی ناں..... صبح آپ جہاں کہیں گے میں آپ کو خود چھوڑ آؤں گا۔''

اس نے ایسے ملتجی لہجے میں یہ بات کی، گیلانی چلتا چلتا رک گیا۔ دونوں لاؤنج کے باہر آگئے تھے جہاں نیویارک کی برفیلی ہوا ہڈیوں میں اترتی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن مائیکل جیسے احساسات سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

گیلانی نے اس کے سوال کا جواب دینے سے پہلے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ پھر چند ثانیے کے لئے آنکھیں بند کرلیں اور اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

''اگر میرے اللہ کو یہی منظور ہے تو ایسا ہی سہی۔''

شیخ گیلانی نے کہا اور مائیکل کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر دھری بھاری گٹھڑی اتار کر زمین پر رکھ دی ہو۔ شیخ کے جواب نے اس پر سرشاری کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ بالکل ایسی سرشاری جیسے اس نے کوئی بڑی فتح حاصل کرلی ہو۔

شیخ کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود اس نے بیگ ٹرالی پر رکھ لیا۔ ایئرپورٹ پر موجود ایک ''سروس'' سے کار منگوائی اور اب وہ شیخ گیلانی کے ساتھ نیوجرسی جا رہا تھا۔

چند گھنٹے سفر کا ساتھی شیخ گیلانی اسے اپنی زندگی بھر کی متاع سے عزیز محسوس ہو رہا تھا۔

نیویارک کے جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ سے گاڑی نیوجرسی ٹرن پائیک پر مڑ گئی۔ جہاں سے ایگزیٹ فور (Exit-4) لینے کے بعد اب وہ ساؤتھ 295 پر بھاگ رہی تھی۔ آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا اور مائیکل کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ اس کا ہمسفر پچھلی سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھا ضرور تھا لیکن مائیکل کو یقین تھا کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اس کا جسم ضرور اس جگہ موجود تھا۔ اگر اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے مسلسل نہ گر رہے ہوتے تو اس کے بے حس و حرکت جسم کو دیکھ کر یہ گمان کرنا بھی مشکل تھا کہ وہ زندہ ہے۔ مائیکل کی شدید خواہش تھی کہ وہ کوئی بات کرے لیکن گیلانی آنکھیں موندے کسی اور ہی جہان کی سیر کر رہا تھا۔ مائیکل کیلئے یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی کہ گیلانی سو رہا ہے کیونکہ اس کے دائیں ہاتھ میں مسلسل حرکت ہو رہی تھی۔ البتہ اس نے آنکھیں ابھی تک نہیں کھولی تھیں۔

یہ خاموشی اب مائیکل کو کھلنے لگی تھی۔

''آپ پہلے کبھی امریکہ آئے ہیں کیا؟''

اس نے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ گیلانی آنکھیں کھول کر اس سے بات کرے۔

''نہیں''

گیلانی کی طرف سے مختصر جواب ملا۔ البتہ اس نے اپنی آنکھیں کھول لی تھیں۔ اس جواب نے مائیکل کو پھر گڑبڑا کر رکھ دیا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ امریکہ میں پہلی مرتبہ آنے والا ایک ایسا شخص جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں کوئی جاننے والا نہیں اتنا مطمئن کیسے ہو سکتا ہے؟

کہیں وہ اس کے مزید سوالات سے بچنے کیلئے تو ایسا نہیں کہہ رہا؟

''لیکن آپ جتنی روانی سے انگریزی بولتے ہیں، اس سے یہ تو یقین نہیں آتا کہ آپ نے یورپ کا سفر نہ کیا ہو۔''

مائیکل نے اپنی بے یقینی ختم کرنے کیلئے اگلا سوال کیا تھا۔

''ہاں میں نے کہا ناں..... میں اپنی مرضی سے کہیں نہیں جاتا۔''

گیلانی نے پھر مائیکل کو الجھا دیا۔

''میں جاننا چاہتا ہوں..... کیوں نہیں؟''

مائیکل کا تجسس بڑھنے لگا۔

''میرے عزیز ماننے کیلئے جاننا شرط نہیں۔ پہلے مان لو..... پھر خود ہی جان جاؤ گے۔''

گیلانی کے اگلے جواب نے اسے چاروں شانے چت کر دیا۔

جو زبان گیلانی بولتا تھا وہ مائیکل کیلئے نئی ضرور تھی لیکن سمجھ میں آنے والی بھی تھی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ گیلانی کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے ورنہ مائیکل اسے یوں اپنے گھر نہ لے کر آتا۔

اچانک ہی اسے خیال آ گیا کہ وہ گیلانی کو اپنے گھر کیوں لے کر جا رہا ہے؟

اس عجیب و غریب سوال نے اسے پھر الجھا لیا۔ ایسا زندگی میں شاید پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ وہ کامیاب امریکن تھا جس کے پاس ضائع کرنے کیلئے زندگی کا ایک منٹ بھی نہیں تھا۔ اس کا تعلق انسانوں کی جس نسل سے تھا وہ صرف اور صرف دماغ سے سوچتی تھی۔ ان کے پاس دل ضرور تھا لیکن اس کا کوئی جذباتی استعمال انہوں نے نہیں سیکھا تھا۔

کیا یہ میرے دماغ کا فیصلہ ہے؟

''نہیں''

جواب ملا۔

'لیکن میں نے تو کبھی دل سے.....''

اچانک اس کی سوچ کا دھارا پلٹا کھانے لگا اور کسی نادیدہ طاقت نے اسے احساس دلانا شروع کیا یہ اس کے دماغ کا نہیں دل کا فیصلہ تھا اور ایسے فیصلوں پر اختیار نہیں ہوتا۔

کیا وہ کمزور ہو گیا ہے؟

ایک اچھا منیجر ہونے کیلئے..... ایک بڑی کمپنی کا سیلز آفیسر ہونے کے ناطے یہ اس کے لئے اچنبھے کی بات تھی کہ اس نے اپنے دل کے فیصلے ماننے شروع کر دیئے ہیں۔ کہیں میں کمزور نہیں پڑ گیا؟ یہ کوئی اچھا سائن نہیں؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اچانک ہی گیلانی نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ صرف ایک لمحے کیلئے۔ پھر اپنی نظریں کار کی کھڑکی کے باہر بھاگتے مناظر پر گاڑ دیں۔ لیکن..... یہ ایک لمحہ مائیکل کی سائیکی پر بم شیل کی طرح پھٹا اور اسے یوں لگا جیسے کسی نے اچانک اس کے دل پر برف کا بڑا سا ٹکڑا رکھ دیا ہوا۔

''ہم انسان مجبور محض ہیں..... کوئی کتنا ہی چالاک ہوشیار کیوں نہ ہو..... ایک حد سے آگے نہیں جا سکتا۔ ہمارے افعال، ارادے، سوچ سب کچھ ارادی نہیں ہوتا۔ اختیاری نہیں ہوتا..... کئی فیصلے ایسے ہوتے ہیں عزیز من! جو قدرت ہم سے کرواتی ہے..... جو اس کے کسی عمل کا ردعمل ہوتے ہیں۔ اللہ کی پلاننگ کا حصہ ہوتے ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس نیچرل پراسیس میں حصہ دار بنتے ہیں۔''

گیلانی کے منہ سے نکلے الفاظ مائیکل کے کانوں کے راستے اس کی روح میں اتر رہے تھے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے گیلانی نے اس کے دل کا چوڑ پکڑ لیا ہو۔ جو کشمکش اس کے اندر چل رہی تھی، جن سوالات نے اچانک سر اٹھانا شروع کیا تھا، ان کا جواب گیلانی کی طرف سے مل گیا تھا۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ اس کے تمام افعال و اعمال اختیاری نہیں۔ کچھ غیر اختیاری بھی ہیں۔

مائیکل حیرت، سکون اور عقیدت کا مرقع بنا اس کی طرف کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی گرینڈ ما (Grand Ma) سے اس بات کا علم تو ہوا تھا کہ کچھ Saint ایسے ہوتے ہیں جو انسانی دماغ کے راستے دل میں اتر جاتے ہیں لیکن ایسے کسی Saint سے اس کا واسطہ بھی زندگی میں پڑے گا، اس کا گمان اسے نہیں تھا۔ اسے اپنی ''گرینڈ ما'' کی باتوں کا یقین اس لیے نہیں تھا کہ وہ کوئی پڑھی لکھی خاتون نہیں تھی اپنی ساری جوانی اس نے غلامی میں بسر کی تھی جب امریکنوں نے کالے غلاموں کو انسانوں کا درجہ دیا تو اس کی دادی اپنی عمر کا زیادہ حصہ غلامی کی بھینٹ چڑھا چکی تھی لیکن اس کے حواس بحال تھے۔

مائیکل بچہ تھا۔ اس کا باپ کسی فیکٹری میں زندگی کی بھٹی کا ایندھن بنا رہتا اور وہ اپنی دادی کے پاس۔ ماں تو اذن آزادی ملتے ہی اس کے باپ چھوڑ گئی تھی۔ اسے یہ اچھی طرح یاد تھا کہ اس کی ماں غضب کی گلوکارہ تھی..... قدرت کی طرف سے اسے سریلا گلا نصیب ہوا تھا اور جیسے ہی مکمل انسانی حقوق جو امریکن آئین نے دیئے تھے حاصل ہوئے اس کی ماں نے اپنا کیریئر سوچنا شروع کر دیا۔ اسے اپنا خاوند برا لگنے لگا جو پہلے کیلئے فورنیا کے کھیتوں میں جانوروں کی طرح کام میں جتا رہتا تھا اور اب کسی لوہا پگھلانے والی فیکٹری کے چولہوں میں ایندھن جھونکتا رہتا تھا۔ جب سیموئیل شام کے بعد فیکٹری کی بس کے ذریعے گھر واپس لوٹتا تو اس کے کالے چہرے پر فیکٹری کی آلودگی کی ایک اور تہہ بھی جمی ہوئی تھی۔

مائیکل کی ماں کو یہ کچھ پسند نہیں تھا۔

وہ مغنیہ بن کر اپنا مستقبل سنوارنا اور اپنے ایام غلامی کا بدلہ لینے کا عزم صمیم تھی۔ اس

نے ایسا ہی کیا اور ایک روز اس کے باپ سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ امریکن قانون سے حاصل بے پناہ مراعات اور سہولتوں نے یہ مرحلہ صرف تین دنوں میں طے کروا دیا اور ایک روز وہ دو سال کے مائیکل کو چھوڑ کر چلی گئی۔

اس کی ماں نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ نہ ہی بھند ہونے کے باوجود اس کے باپ یا دادی نے ماں سے متعلق کچھ بتایا۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہوئی کہ اس کا باپ دادی سے پہلے مر گیا..... دادی نے باپ کی موت کے پانچ سال بعد تک اس کا ساتھ دیا لیکن ایک روز وہ بھی زندگی کی گاڑی سے چپ چاپ اتر گئی۔

مائیکل کو ایک ویلفیئر ادارے نے اپنے زیر کفالت کر لیا۔ اس نے ''آرفن ہاؤس'' (یتیم خانہ) میں اپنی زندگی کا ایک ہی مقصد پایا تھا۔ اپنی تعلیم مکمل کر کے ایک کامیاب آدمی بننا۔

اور وہ بن گیا۔

☆☆☆

آج نجانے کیوں اسے اپنی دادی کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

ایک بات تو طے تھی کہ شیخ گیلانی جو کوئی بھی تھا کچھ الگ قسم کا ضرور تھا۔ وہ جہاز سے یہاں تک اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا اور مائیکل اس کے قرب سے بوجھ کے بجائے خوشی محسوس کر رہا تھا۔

گاڑی اب اس رہائشی علاقے میں داخل ہو رہی تھی جو ان کی منزل تھا۔ ایک ''سیون الیون'' کے سامنے مائیکل نے گاڑی کھڑی کروائی اور گیلانی کو ''ایکسکیوزمی'' کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس کی واپسی بمشکل پانچ منٹ بعد ہوگئی تھی اور وہ بڑے بڑے شاپنگ بیگز کے ساتھ واپس لوٹا تھا جو اس نے گاڑی کی ڈگی میں رکھوا دیئے تھے۔

مائیکل نے اپنے اندازے سے شیخ گیلانی کیلئے کھانے پینے کی اشیاء خریدی تھیں۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اس نے کوئی بھی شے خریدنے سے پہلے اس کے ڈبے پہ لکھے اجزائے ترکیبی کو اتنے غور سے پڑھا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا شیخ گیلانی صرف ''حلال'' کھائے گا۔

اگلے پندرہ منٹ بعد دونوں گھر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔

مائیکل کا سارا گھر بے ترتیبی کا شکار تھا۔ تین کمروں کے اس اپارٹمنٹ میں کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر موجود نہیں تھی اور اس نے کبھی اس کا تردد بھی نہیں کیا تھا۔ زندگی اس نے ضرورت ترتیب سے بسر کی تھی لیکن اپنے گھر میں کبھی ڈسپلن کا اہتمام نہیں کیا تھا۔

یہاں آتا ہی کون تھا؟

گزشتہ دو سال سے تو اس نے کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں رکھی تھی۔ کبھی کبھی کوئی ہمسکار اگر آ بھی جاتا تو اسے خلاف توقع ماحول نہیں ملتا تھا۔ یہاں کی زندگی میں کسی بھی اکیلے آدمی سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ اپنی آفس کی زندگی کی طرح اپنے گھر کو بھی maintain کر سکے گا۔

لیکن..... شیخ گیلانی کی یہاں موجودگی نے اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اس کا احساس دلایا اور وہ قدرے شرمندگی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ تو خیریت گزری کہ اس نے روانگی سے ایک روز پہلے اپنا سٹنگ روم وائبر کرنے کے بعد سیٹ کیا تھا اور وہ گیلانی کو سیدھا وہیں لے گیا۔

''معافی چاہتا ہوں۔ اصل میں اکیلا آدمی ہوں ناں.....''

اس نے اپنے احساس ندامت کو چھپانا چاہا۔

''میرے عزیز! یہ زیادہ ضروری نہیں..... بمشکل آدھا گھنٹہ لگے گا اور سارے گھر کی تم جھاڑ پونچھ کر لو گے لیکن خدا کا شکر ہے کہ جس صفائی پر بہت وقت لگتا ہے وہ تمہیں حاصل ہے۔ تمہارا اندر صاف ہے مسٹر مائیکل..... اور یہ زیادہ خوشی کی بات ہے۔''

شیخ گیلانی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اسے طمانیت قلب کا احساس ہوا۔

''آپ کا شکریہ شیخ! ہم امریکن لوگ اصل میں ایسی باتوں کے عادی نہیں ہوتے ناں۔''

اس نے مسکرانا چاہا۔

''ہو جاؤ گے۔''

شیخ نے سرگوشی کے انداز میں قریباً بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ شیخ گیلانی نے کیا کہا ہے لیکن مائیکل نے تجسس نہ کیا۔

''آپ آرام کریں۔ میں آپ کیلئے کچھ لے آؤں۔''

اس نے بڑے ادب سے کہا۔

''اس کی ضرورت تو نہیں.....''

گیلانی نے جواب دیا۔

''پلیز! کچھ کھایئے..... میں نے اچھی طرح چیک کیا ہے۔ سب ''حلال'' ہے۔''

اس نے کچھ ایسے انداز سے کہا کہ گیلانی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''واش روم کدھر ہے؟''

گیلانی نے اگلا سوال کیا۔

اس نے گیلانی کی رہنمائی داش روم تک کی اور خود کچن کا رخ کیا۔ قریباً بیس منٹ بعد جب وہ ابلی ہوئی سبزیوں اور سلائس کافی کا ایک مگ تھامے کمرے میں داخل ہوا تو گیلانی ایک جائے نماز پر مصروف عبادت تھا۔ مسلمان ہمسایوں کی وجہ سے اسے یہ تو اچھی طرح علم تھا کہ جو کچھ شیخ گیلانی کر رہا ہے اسے ''نماز'' کہتے ہیں لیکن اس حقیقت سے وہ لاعلم تھا کہ وہ بندے جنہیں حضوری کی نعمت حاصل ہو جب نماز سے فراغت پائیں تو ان کے چہرے پر اللہ تجمل اور تجلی کا نور چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کا چہرہ شفاف، مسکراہٹ ملکوتی اور لہجہ ایسا پاکیزہ ہوتا ہے کہ مخاطب وفور نیاز و تسلیم سے بھیگتا چلا جاتا ہے۔

کچھ یہی کیفیت مائیکل پر طاری ہونے لگی تھی جب شیخ گیلانی نے سلام پھیرنے کے بعد اس کی طرف دیکھا تو مائیکل کو اس نور کا سرمدی سا ظہور اپنے وجدان پر محسوس ہوا اور اسے اپنا وجود ہلکا ہو کر فضا میں اڑتا محسوس ہوا۔

یہ سیدھا سادا سا شیخ گیلانی، جس کی شخصیات میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ کوئی خوانخواہ اس کی طرف متوجہ ہو یا اس کے متعلق سوچنے لگے۔ وہ پہلی نظر میں کسی درسگاہ کا فارغ التحصیل بھی نہیں لگتا تھا..... لیکن مائیکل کو عرصہ بعد اس بات کا علم ہوا کہ خالق کائنات نے ایسے انسان بھی تخلیق کیے جنہیں مہد مادر میں ہی کئی علوم و فنون، قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت کر کے انہیں خصوصی انعامات سے نوازا اور اپنا مقرب کرلیا۔ کسی کا باطن صیقل کر دیا تو کسی کی آنکھیں آئینہ ہوگئیں..... کسی کے دل کو گداز بخشا تو کسی کے سینے کو وادی سینا کر دیا..... کسی کو پرواز فکر دے کر مبہوت کیا تو کسی کے طائر فکر کو آشنائے لاہوت کر دیا۔ کسی کو عقل و خرد سے نوازا تو کسی کو دل بینا دے کر دیدہ وری کا حکیم الامت کر دیا۔

☆☆☆

السید شیخ محی الدین علی الگیلانی بھی ایسا ہی نابغہ روزگار تھا.....! اسے بیک وقت دو اہم نسبتیں حاصل تھیں۔ سری نگر میں آسودہ خاک تاجدار کشمیر حضرت امیر کبیر شاہ گیلانی سے نسبت تو ایک اعزاز تھا ہی لیکن دوسرا بڑا اعزاز ان کے اجداد میں سے حضرت سید شریف گیلانی کی لاہور آسودہ خاک حضرت میاں میر کی ہمشیرہ اور سجادہ نشینی کا شرف بھی اسی خاندان کے پاس تھا۔

شیخ گیلانی کی والدہ سیدہ مریم بی بی کے لئے وہ بڑا ہی عجیب و غریب اور یادگار دن تھا جب ایک روز وہ اپنے نومولود صاحبزادے کو اپنے پہلو میں لیے استراحت فرما رہی تھیں کہ اچانک ان کی آنکھ کسی آہٹ سے کھل گئی۔ سیدہ مریم گھبرا کر اپنے بستر پر ہی بیٹھ گئیں۔ ان کے دل کی

دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔ جب اچانک سارے کمرے میں روح کی گہرائیوں تک اتر جانے والی ایک پراسراری خوشبو نے ڈیرہ جما لیا۔

یہ خوشبو اپنے ساتھ پاکیزگی کا ایک بحر بے کراں سمیٹے سیدہ مریم کے حواس پر طاری ہوئی تھی اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے تیز دھڑکتے دل پر طمانیت کا پھاہا رکھ دیا ہو۔ چند لمحوں میں سیدہ مریم نارمل ہو چکی تھی جب اچانک پاکیزہ خوشبو کے دامن سے روشنی کا ایک ہیولا نمودار ہوا۔

سادات ہونے کے ناطے سیدہ مریم کیلئے ایسا مظاہرہ اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ انہوں نے خود بھی رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں رسائی پائی تھی اور حضرت امیر کبیر گیلانی سے انہیں کئی معاملات میں رہنمائی ملتی رہتی تھی۔ جب شیخ گیلانی ان کی کوکھ میں تھے تو حضرت گیلانی نے ایک روز انہیں حالت بیداری میں اپنی زیارت سے مشرف کیا اور مبارکباد پیش کرتے ہوئے نوید دی تھی کہ خاندان گیلان کی ولایت اس کی اولاد کو منتقل ہو رہی ہے۔

عابدہ زاہدہ سیدہ مریم گیلانی نے کئی بزرگ ہستیوں سے حالت بیداری میں فیض حاصل کیا تھا۔ عالم ہوش میں آج تک انہوں نے کبھی تہجد کی نماز قصداً قضا نہیں کی تھی اور سادات گیلانی میں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔

لیکن..... آج جس ہستی کی زیارت نصیب ہو رہی تھی، اس نے سیدہ مریم پر وجد کا عالم طاری کر دیا تھا کیونکہ یہ امام طریقت اور سادات کے تاجدار حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ پاکیزگی اور خوشبو کے گرد بندھے نور کے اس ہالے سے حضرت علیؓ کی ذات بابرکات نمایاں ہوئی تو سیدہ مریم پر عقیدت و احترام اور احساس خوش بختی سے وجد کا عالم طاری ہو گیا۔

''مبارک ہو بیٹی!''

سیدہ مریم کے کانوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ سراپا عقیدت و انکسار سیدہ مریم کے لئے تاب نظارہ نہ تھا۔ ان کو اپنے دل کی دھڑکن رکنے کا احساس ہوا اور جسم کی تمام حسیات ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑنے لگیں۔ طاقت گویائی تو جیسے سلب ہو چکی تھی۔ البتہ ان کے کان آواز سننے پر قادر تھے۔

سیدہ مریم سراپا عجز و انکسار اور مرقع عقیدت بنی اپنی جگہ بیٹھی تھیں۔ ان کے وجود نے جنبش سے بھی انکار کر دیا تھا مبادا یہ شان حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں گستاخی نہ ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے توقف کے بعد فرمایا..... ''اللہ نے تجھے سرفراز کیا۔ تیری ریاضتیں رنگ لے آئیں۔''

اس کے بعد تو سیدہ مریم تاب شنوائی سے بھی محروم ہوگئیں۔ بس آنسو تھے کہ ان آنکھوں سے جھرنوں کی طرح پھوٹ رہے تھے۔ دامن ان آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔ سیدہ مر سسکیاں لے کر رو رہی تھیں۔ جب ان کی سلب کی ہوئی حسیات واپس لوٹنے لگیں۔

لیکن اب وہ منظر باقی نہیں رہا تھا۔

حضرت علی کرم علی اللہ وجہہ اسے سرفرازی کی خبر دے کر تشریف لے جا چکے تھے اور سید مریم سراپا عجز و انکسار وہیں بیٹھی تھیں۔ رات دوپہر بیت چکی تھی جب انہیں ہوش آیا۔ تہجد کیلئے بارگا ایزدی میں کھڑی سیدہ مریم جب اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرتیں اس کی حمدیت کا اقرار کرنے کیلئے سجدہ ریز ہوئیں تو عالم جذب میں کافی دیر تک سجدے ہی میں اللہ کی عظمت و وحدانیت کی تکرار کرتی رہیں۔ احساس تشکر سے ان کی آنکھوں سے پھر جھڑی لگ گئی۔ مصلیٰ بھیگنے لگا اور سیدہ مریم کو اس وقت سجدے سے سر اٹھانے کا ہوش آیا جب قریبی مسجد سے فجر کی اذان کیلئے مؤذن نے لاؤڈ سپیکر چیک کیا۔

السید محی الدین الشیخ گیلانی کی پرورش سے پہلے کئی اور مبارکبادیں بھی ان کے والدین کو مل چکی تھیں اور خاندان میں یہ خوشخبری الشیخ گیلانی کی پیدائش سے پہلے ہی پھیل گئی تھی اور پیدائش کے ساتھ ہی وہ علامات ظاہر ہونے لگیں جن سے سیدہ مریم اور خاندان کے باقی لوگوں کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا کہ خاندان سادات کا یہ بچہ اپنے بزرگوں کے پیغام اور تعلیمات کو آگے پھیلائے گا۔

سات آٹھ برس کی عمر تک ایسے درجنوں واقعات ہو چکے تھے جن سے الشیخ گیلانی کی غیر معمولی شخصیت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھنے لگا۔

ان دنوں اس خاندان کا قیام سری نگر میں تھا جب ایک روز اچانک گیلانی پر وہ خاص کیفیت طاری ہوئی جس میں وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جایا کرتا تھا۔ اس کی آواز بدلنے لگی اور سیدہ مریم سمیت خاندان کے باقی سب لوگوں کو بھی واضح الفاظ سنائی دیئے کہ یہاں سے ہجرت کر جاؤ.....

لیکن کہاں؟

اس سوال کا جواب ابھی تک کسی کو نہیں ملا تھا۔ لیکن اگلے ہی روز اس سوال کا جواب بھی مل گیا جب حضرت میاں میرؒ کے دربار میں شیخ گیلانی کے والد گرامی کی حاضری ہوئی اور حضرت میاں میرؒ نے انہیں بتایا کہ ان کا لاہور میں انتظار ہو رہا ہے۔

والد گرامی نے زندگی میں کبھی سری نگر سے علیحدگی کا تصور ہی نہیں کیا تھا لیکن اس حکم سے

انکار کی تاب ان میں نہیں تھی۔ انہوں نے سیدہ مریم کو بتایا کہ ہجرت کے حکم کے ساتھ انہیں اگلی منزل بھی بتا دی گئی ہے اور اب وہ اس کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

آٹھ سال کی عمر میں الشیخ گیلانی کا خانوادہ سری نگر میں اپنے محلات چھوڑ کر عازم لاہور ہوا اور یہاں پہلے سے موجود اپنے بزرگوں کی رہائش گاہ میں قیام پذیر ہوا۔ شیخ گیلانی کی لاہور میں حاضری کے ساتھ ہی انہیں درگاہ حضرت میاں میرؒ سے فیض حاصل ہونے لگا۔ درگاہ سے ملحق مدرسے میں انہیں ابتدائی تعلیم کیلئے داخل کر دیا گیا لیکن اساتذہ کیلئے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ انہیں اگلے روز کا سبق پہلے سے ازبر ہوتا تھا۔ استاد بھی سید زادے اور صاحب نظر تھے۔ جان گئے کہ یہ صرف کارروائی پوری کی جا رہی ہے جبکہ یہاں معاملہ کچھ اور ہی ہے وہ شاگرد کو تو کیا پڑھاتے اس سے فیض کے طلبگار ہوئے۔

کم عمری ہی میں الشیخ گیلانی کی حاضری ملاں شاہؒ اور میاں میرؒ کے ہاں لگنے لگی اور ان کی شہرت نزدیک دور کے دیہاتوں میں پھیلتی چلی گئی۔ لیکن ایک حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ شدت سے خلوت پسند تھا۔ اپنے اردگرد کے ہجوم سے اسے وحشت ہونے لگتی تھی۔ لوگ اس سے دعا کروانے آتے تو وہ ہاتھ ضرور اٹھا دیتا اس کی زبان سے کیا لفظ نکلتے تھے؟ وہ کس زبان میں اپنے اللہ سے بات کرتا تھا، سائل کا مسئلہ کس کے آگے پیش کرتا تھا، ان سوالات کا کسی کو کوئی جواب نہ مل سکا۔ بس ایک ہی بات وہ سب کے جواب میں کہتا تھا۔

''نماز پڑھا کر..... اللہ خیر کر دے گا۔''

اور..... اللہ اس کے کہے کی شرم رکھنے لگا۔

☆☆☆

والدین نے گیلانی کو اپنی دانست میں دنیاوی تعلیم کیلئے سکول میں بھی داخل کر دیا تھا لیکن یہ بات وہ بھی اچھی طرح جاننے لگے تھے کہ اس کے معلم کون ہیں؟ اور یہ فیض اسے کہاں سے حاصل ہو رہا ہے۔

دن، ہفتوں، مہینوں اور سالوں میں بدلنے لگے۔ تحریک پاکستان اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی اور الشیخ گیلانی اوائل جوانی میں اس تحریک کا متحرک کارکن بن چکا تھا۔ اس کے اردگرد کی تمام آبادیاں ہندوؤں اور سکھوں کی تھیں جہاں کانگرس کا ڈنکا بجتا تھا۔ اس علاقے میں سوائے گیلانی سادات کے اور کوئی ایسا قابل ذکر مسلم خاندان نہیں تھا جسے ہندو سکھ خاطر میں لاتے۔ سینکڑوں کانگریس کے جھنڈوں کے درمیان مسلم لیگ کے دو چار ہلالی پرچم جو گیلانی نے اپنے گھر

کے چاروں طرف لہرائے ہوئے تھے بڑے عجیب دکھائی دیتے تھے لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان کا رعب و دبدبہ سب کے دلوں پر طاری تھا اور خصوصاً یہاں کی غیر مسلم آبادی جس نے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس علاقے میں کبھی کوئی پاکستان یا مسلم لیگ کا نام لینے والا بھی پیدا ہوگا اس صورتحال کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھی۔

اس روز نزدیک دور کے غیر مسلم معززین کا ایک گروپ اسی صورتحال پر بات کرنے کیلئے الشیخ گیلانی کے والد کے پاس آیا تھا۔ چونکہ حضرت میاں میرؒ ان سب کیلئے محترم تھے خصوصاً سکھ تو انہیں اپنے گورو کا درجہ دیا کرتے تھے اس لیے یہ اجتماع دربار شریف کے صحن میں ہوا۔ جہاں کچھ ڈرے سہمے مسلمان الشیخ گیلانی، ان کے والد ماجد اور خاندان کے کچھ لوگ موجود تھے۔ اپنی آمد کا مدعا بیان کرتے ہوئے غیر مسلموں نے کہا کہ شیخ گیلانی کی طرف سے مسلم لیگ کے حق میں ہونے والا پرچار اور جلسے جلوس بدامنی کا باعث بن سکتے ہیں کیونکہ اس علاقے میں اکثریت ان لوگوں کی ہے اس لیے یہاں صرف کانگریس کے جھنڈے ہی لہرائے جائیں گے۔

"لیکن کب تک نمبردار صاحب؟"

اچانک ہی نوجوان شیخ گیلانی نے کھڑے ہو کر ہندو نمبردار کو ٹوک دیا۔

سارے مجمع پر سکوت طاری تھا۔ بے چارے غریب مسلمان پہلے ہی سہمے ہوئے تھے۔ اب انہیں یقین ہونے لگا کہ کسی بھی لمحے ان معززین کا پیمانہ صبر چھلکے گا اور وہ تھانے میں بلا کر ان سب کی چھترول کروا دیں گے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا شاہ جی!"

نمبردار نے جو بہرحال انہیں میاں میرؒ کے متولیوں کی حیثیت سے پہچانتا تھا حیرت اور قدرے غصے سے پوچھا۔

"ہم کوئی کام اپنے اللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرتے نمبردار صاحب! آپ کچھ نہیں جانتے۔ واپس چلے جایئے اسی میں خیریت ہے۔"

شیخ گیلانی نے جس لہجے میں اس سے بات کی تھی وہ لہجہ خود اس کے لئے بھی اجنبی تھا۔

"کیا بات ہے شاہ صاحب بہت اونچا اڑنے لگے ہو۔"

ہری چند ذیلدار نے کہا جس کا علاقے میں خاصا رعب داب تھا اور بیٹا پولیس آفیسر لگا ہوا تھا۔

"ذیلدار صاحب آپ جس کام سے ہمیں روکنے آئے ہیں اس کی تو منظوری کبھی کی ہو چکی ہے۔ ہم کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتے۔ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔ بابا جی (میاں میر

صاحبؒ) نے حکم دیا، تعمیل کر رہے ہیں اور بابا جی نے بتایا دیا ہے کہ پاکستان اللہ کا امر ہے۔ اسے قائم ہو کر رہنا ہے۔ یہ زیادہ لمبی نہیں چند مہینوں کی بات ہے، چند مہینوں کی۔"

نجانے شیخ گیلانی کے لہجے میں کیا قہر چھپا تھا کہ جس کیفیت سے چند لمحے پہلے تک مسلمان دوچار تھے اب غیر مسلم اس کا شکار دکھائی دینے لگے تھے۔ اس کا آج تک سب نے جمالی روپ ہی دیکھا تھا۔ آج پہلی مرتبہ جلالی روپ سامنے آیا تھا۔

سہمے ہوئے مسلمانوں میں جیسے برق سی لہرا گئی۔ انہوں نے بالکل خلاف توقع وہاں

"پاکستان زندہ باد"

"قائداعظم زندہ باد"

"لے کے رہیں گے پاکستان"

"بٹ کے رہے گا ہندوستان"

کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

یہ صورتحال غیر مسلموں ہی نہیں مسلمانوں کیلئے بھی غیر متوقع تھی جو لوگ یہاں نعرہ بازی کر رہے تھے وہ سب ان ہندوؤں اور سکھوں کے ملازم اور مزارعے تھے۔ ان کے صدیوں سے مقروض چلے آ رہے تھے اور آج تک انہیں ان کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

لیکن..... شیخ گیلانی نے جیسے ان کا خمیر ہی بدل ڈالا تھا۔ وہ تمام خوف اور اندیشوں سے بے نیاز اپنے مالکان کے خلاف ڈٹ گئے تھے۔

غیر مسلم معززین نے اس تبدیلی کو محسوس کیا اور اس سے پہلے کہ یہ انقلاب انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے انہوں نے وہاں سے نکل جانا ہی بہتر جانا۔ لیکن انہوں نے الشیخ گیلانی کی طرف سے اٹھائے اس طوفان کو شدت اختیار کرنے سے پہلے ہی دبا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہیں انتظامیہ کی مکمل مدد و حمایت حاصل تھی اور معاشرتی طور پر وہ ہر لحاظ سے مضبوط تھے۔

☆☆☆

"ان کے ارادے نیک نہیں۔ ضرور جوابی کارروائی کریں گے۔"

والد ماجد نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

"اللہ ان کے ارادے ناکام کر دے گا حضور! اور ہمیں بھی وہ کمزور نہیں پائیں گے۔" الشیخ گیلانی نے احترام سے سر جھکایا۔

اس نے یہ بات یوں ہی نہیں کہہ دی تھی۔ جو خدشہ الشیخ گیلانی کے بزرگوں نے ظاہر کیا تھا اس کا ادراک گیلانی کو بھی بخوبی اور اس کا بندوبست بھی اس نے پہلے سے کر رکھا تھا۔

اس نے عشاء کی نماز کے بعد تمام مسلمان نوجوانوں کو میاں میرؒ کے مزار پر جمع ہونے کیلئے کہا اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ مسلمان بزرگ پریشان اور کسی حد تک خوفزدہ بھی تھے کیونکہ ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا تھا۔ آج تک وہ اپنے غیر مسلم مالکان کے جائز ناجائز احکامات کی تعمیل ہی کرتے آئے تھے انہوں نے کبھی ان کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کی تھی۔

عشاء کے بعد مسجد کے صحن میں بمشکل دس مسلمان نوجوان ہی دکھائی دیئے۔ گیلانی انہیں اپنے ساتھ لے کر میاں میرؒ کے حضور پہنچ گیا۔ اس نے مودب مسلمان نوجوانوں کو قطار میں اپنے پیچھے کھڑا کیا اور آنکھیں بند کر کے حضرت میاں میرؒ کے حضور پیش ہو گیا۔

''باباجی..... سب آپ کے حکم کی تعمیل میں ہو رہا ہے۔ ہمارے سروں پر اپنا ہاتھ رکھیے گا۔'' اس نے اپنے باباجیؒ سے التجا کی۔

حضرت میاں میرؒ مسکرائے۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ کمر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا۔

''گیلانی خوش قسمت ہو اللہ نے اس کار خیر کیلئے تمہارا حصہ قبول کر لیا..... جاؤ اور بے خوف ہو جاؤ.....''

اپنے مرشد پاک کا حکم ملتے ہی گیلانی نے اپنی بند آنکھیں کھولیں اور نوجوانوں کو ''مبارکباد'' دیتے ہوئے کہا کہ باباجیؒ نے ان کی حاضری قبول کر لی ہے۔

یہ تمام نوجوان الشیخ گیلانی کے متعلق یہ بات ضرور جانتے تھے کہ اس کی ذات سے کچھ اسرار وابستہ ہیں کیونکہ مسلم اور غیر مسلم سب اس سے دعا کروانے آیا کرتے تھے اور اس کی دعا شرف قبولیت بھی حاصل کرتی تھی کسی نادیدہ طاقت نے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ گیلانی سچ بول رہا ہے۔

نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے کر وہ گاؤں کے باہر اپنے آبائی ڈیرے پر پہنچا اور پرالی کے ایک ڈھیر کے نیچے سے دس کمانیں اور کچھ تیر نکالے جو اس نے نجانے کب اور کہاں تیار کیے تھے۔ اس نے ہر نوجوان کو ایک ایک کمان اور کچھ تیر دے کر کہا۔

''میں نے صرف سنت پوری کی ہے کیونکہ ہم سب ظاہر کے مکلف ہیں۔ میں جانتا ہوں ہندوؤں کے پاس بندوقیں موجود ہیں لیکن وقت آنے پر وہ ان کے کسی کام نہیں آسکیں گی..... اور تمہارے یہ تیر کمان توپوں کے گولوں کی طرح ان پر برسیں گے۔''

نوجوانوں نے آمنا صدقنا کہا۔

اگلے روز سارے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی کہ گیلانی نے نوجوانوں میں تیر کمان تقسیم کیے ہیں۔ دشمن کے پاس جتنی طاقت اسلحہ موجود تھا اس کے مقابلے میں یہ صرف مذاق تھا لیکن اپنے ''پیر صاحب'' کے متعلق وہ کوئی ایسی بات منہ سے نکالنے سے خوفزدہ تھے جو بعد میں ان کیلئے پشیمانی کا باعث بن جاتی۔

لیکن..... تیسرے ہی دن گیلانی کے اندیشے سچ ثابت ہوئے۔

اس نے گاؤں کے پندرہ بیس نوجوانوں کو اس انداز سے رات کے ''ٹھیکری پہرے'' پر لگا دیا تھا کہ اگر مخالف فریق کی طرف سے کوئی شرارت ہو تو فوراً اس کا علم ہو جائے۔ رات کو وہ خود ساری رات جاگ کر ان پہرے والوں کی خبر گیری کرتا۔ اس روز بھی وہ لوگ معمول کے مطابق پہرہ دے رہے تھے۔ پو پھٹ رہی تھی جب گاؤں کی شمالی سمت سے انہیں للکارے مارتے ہوئے ایک گروہ اس طرف آتا دکھائی دیا۔ یہ وہ غیر مسلم نوجوان تھے جو مقامی امرا کی اولاد ہونے کے ناطے ان مسلمانوں کو اپنی رعایا جانتے تھے اور انہیں اس بات کا شدید غصہ تھا کہ ''کمی کمین'' ان کے حکم کے بغیر کیوں مسلم لیگ یا پاکستان کا نام لیتے ہیں۔ وہ انہیں اس گستاخی کی سزا دینا چاہتے تھے۔

آنے والے کے پاس چھ سات رائفلیں، کرپانیں، کلہاڑیاں اور نیزے تھے جبکہ یہاں صرف دس تیر کمان، کچھ کلہاڑیاں اور ڈنڈے.....

گاؤں کی طرف بڑھتے حملہ آوروں کی طرف سے ہونے والی ہوائی فائرنگ سے پہلے تو سب سہم کر رہ گئے پھر بھاگ کر اپنے ''پیر صاحب'' کے گرد اکٹھے ہونے لگے جو بالکل شانت کسی مجسمے کی طرح ان کے درمیان کھڑا تھا۔

''شاہ جی! اب کیا ہوگا؟ ان کے پاس تو رائفلیں بھی ہیں۔''

ایک خوفزدہ آواز بلند ہوئی۔

شیخ گیلانی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں اپنے اللہ پر بھروسہ نہیں کیا؟''

اس کے لہجے میں نجانے کیا قہر چھپا تھا کہ دوبارہ کسی نے سوال کرنے کی جرأت نہ کی۔

شیخ گیلانی نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ دونوں ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں بلند کیے اور چند ثانیے توقف کرنے کے بعد ان سے مخاطب ہوا۔

''اگر میری بات مانو گے تو کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ بزدلی دکھائی تو یاد رکھنا یہ لوگ تمہارا وہ حال کریں گے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

اس کے بعد انہیں ہدایات دیتے ہوئے سختی سے اپنی جگہ جمے رہنے کی ہدایت کی۔ گیلانی نے انہیں بالکل پیشہ ور فوجی کمانڈر کی طرح اس گاؤں کے باہر پھیلا دیا کہ کسی بھی سمت سے گاؤں میں داخل ہونے والا ان کی نظر سے بچ نہ پاتا۔

اس نے باری باری تمام نوجوانوں کو اپنے نزدیک بلایا۔ ہر ایک کی پیٹھ کو تھپکی دی اور جس جس کے بدن سے شیخ گیلانی کا ہاتھ چھوا اسے یوں لگا جیسے اس کے تن بدن میں بجلیاں بھر دی گئی ہوں۔

دو جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر وہ خود گاؤں کے باہر اس راستے کی طرف چلا گیا جدھر سے بلوائیوں کی آمد متوقع تھی۔

☆☆☆

کھیم پرکاش فوجی کی کمان میں پچاس ساٹھ ہندو سکھوں کا جلوس جو گاؤں پر حملہ آور ہونے کیلئے آرہا تھا ایک ہی دن میں تیار نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں کو گزشتہ آٹھ دنوں سے نزدیک دور کے دیہاتوں سے کھیم پرکاش کی حویلی میں اکٹھا کیا جارہا تھا اور اب وہ مکمل تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو سبق سکھانے جارہے تھے۔

''خبردار میاں میرؒ کے مزار کے نزدیک نہیں پھٹکنا۔ ادھر جانے کی غلطی نہ کرنا۔'' روانگی سے پہلے دھنا سنگھ نے نوجوان کو چیتاونی دی۔ بہرحال وہ اس مزار کا احترام ملحوظ خاطر رکھ رہے تھے۔

کھیم چند فوجی خود سب سے آگے رائفل تھامے چل رہا تھا۔

وہ وقفے وقفے سے گاؤں کی سمت ایک آدھ فائر کردیا کرتا تھا جس کے ساتھ ہی باقی بلوائی زور زور سے نعرے بلند کرنے شروع کردیتے۔ ان میں زیادہ تعداد ان کی تھی جو شراب کے نشے میں دھت تھے۔

گاؤں سے ابھی ان کا فاصلہ آدھا فرلانگ سے زیادہ ہی تھا جب ایک عام سا تیر سنسناتا ہوا آیا اور کھیم چند کے حلق میں پیوست ہوگیا۔

کھیم چند اس اچانک حملے کیلئے تیار نہیں تھا اور باقی بلوائیوں کے نزدیک تیر کمان کی حیثیت کھیل تماشے سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی۔

لیکن..... کھیم چند کیلئے زمین سے اٹھنا محال ہورہا تھا۔ دو تین بلوائی اس کی مدد کیلئے آگے بڑھے۔ اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی اور انہیں اپنی زندگی کا بدترین منظر دیکھنے کیلئے ملا۔

کھیم چند کے حلق میں ایسے آوازیں نکل رہی تھیں جیسے بکرے کو ذبح کیا جارہا ہو۔ دو تین

نوجوانوں نے حلق سے تیر کھینچ کر نکالنے کیلئے زور لگایا لیکن انہیں یوں لگا جیسے یہ تیر کے بجائے کوئی بھالا یا نیزہ ہے جو گلے میں پیوست ہوگیا ہو۔ کھیم چند پر جان کنی کا عالم طاری تھا۔ اچانک ہی اس نے یوں تڑپنا شروع کردیا جیسے کوئی اسے اندر سے کاٹ رہا ہو اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنے پران تیاگ دیئے۔

بلوائی خوف اور حیرانگی کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے ہی ان کی جان نکلی تیر بھی گلے سے نکل آیا اور یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ عام حالت میں اس تیر سے چڑیا کوے ہی شکار کیے جاسکتے تھے، کسی انسان کی جان لینا ممکن ہی نہیں تھا۔

''دیکھا دیکھا..... ہم میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہاں میاں میرؒ کے متولی بیٹھے ہیں ادھر نہ جاؤ۔''

دھنا سنگھ نے اچانک ہی چیختے ہوئے کہا۔

''اوئے ان مسلوں کی ایسی تیسی۔''

کسی نوجوان نے شراب کے نشے میں بڑھ ماری اور ''بجرنگ بلی'' کا نعرہ لگایا۔ کچھ لوگ اس کے ساتھ آگے بڑھے اور ابھی وہ بمشکل چند قدم ہی چلے تھے جب ان پر ایسے ہی تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اس سے پہلے کہ انہیں صورتحال سمجھ آئے اچانک کھیتوں کے سلسلے میں چھپے پندرہ بیس کلہاڑیوں ڈنڈوں اور نیزوں سے مسلح مسلمان ان پر حملہ آور ہوگئے۔ بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد یہ معرکہ ختم ہوگیا۔ تین بلوائی موقعہ پر مارے گئے تھے اور پندرہ بیس شدید زخمی تھے جن میں سے ہر ایک قسمیں کھا کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ ان پر حملہ کرنے والے اس گاؤں کے مکین نہیں کوئی اور تھے۔

حملہ آور کون تھے؟

اس سوال کا جواب بلوائی ہی نہیں، مسلمانوں کو بھی درکار تھے۔ سیدھے سادے اور انتہائی کمزور غریب مسلمان مزارعے جنہیں الشیخ گیلانی غیر مسلموں کے سامنے لے آیا تھا اب تک اس بات پر حیرانگی کا اظہار کررہے تھے کہ ان کے بازوؤں نے کیسے حرکت کی؟ ان میں سے تین چار حلفاً بتا رہے تھے کہ انہوں نے کچھ پراسرار لوگوں کو اپنے ساتھ مدد کرتے محسوس کیا تھا اور جتنے لوگ مارے گئے یا زخمی ہوئے وہ ان مددگاروں ہی کے شکار تھے

اگلے روز علی الصبح پولیس نے گاؤں کو گھیرا ڈال لیا۔ چند تھانیدار جو پولیس کی اس پارٹی کی کمان کررہا تھا حضرت میاں میرؒ کا پجاری تھا۔ ہر جمعرات کو مزار شریف پر چراغ جلانا اور ہر گیارہویں کو یہاں سے تبرک گھر لے جاکر تقسیم کرنا اس کا معمول تھا۔ اس میں اتنی ہمت ہی کہاں

تھی کہ سادات کے کسی گھرانے کے فرد سے کوئی سوال ہی کرتا۔

گاؤں کے لوگوں نے ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ تھانیدار تین چار نوجوانوں کو گرفتار کر کے لے گیا لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب مخالف فریق کی طرف سے کسی نے مدعی بننے سے انکار کر دیا ایک انجانا سا خوف سب پر طاری تھا اور ابھی تک انہیں رات کے واقعات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جن تیروں سے بلوائیوں کی موت ہوئی تھی انہیں پولیس کے ڈاکٹر نے آلہ قتل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کچھ ہی عرصہ بعد یہ مقدمہ داخل دفتر ہو گیا۔

جب الشیخ گیلانی سے گاؤں کے بزرگوں نے اس اسرار کی تفصیل دریافت کرنا چاہی تو اس نے قرآن کی صرف ایک آیت سنا کر چپ سادھ لی:

"اللہ کی راہ میں نکلو تم تھوڑے ہو یا زیادہ۔ اگر ثابت قدم رہے تو تم ہی غالب آؤ گے۔"

(القرآن)

تحریک آزادی میں گیلانی کے خاندان کا کردار ایک مکمل تاریخ ہے۔

اس کے والدین اور خاندان کے لوگوں نے خود کو صرف پیری مریدی تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہر مرحلے پر اگلی صفوں میں نمایاں دکھائی دیئے۔ پاکستان بن گیا تو مہاجروں کا ایک سیلاب امڈ پڑا۔ بھارت سے آنے والوں کا لاہور میں پہلا پڑاؤ والٹن کا مہاجر کیمپ تھا جو گیلانی کے گاؤں سے بمشکل پانچ چھ کلومیٹر دور تھا۔ اس نے اپنے دن رات مہاجرین کی خدمت کیلئے وقف کر دیئے کئی کئی راتیں وہ گھر واپس نہیں لوٹا۔ اس کی ترغیب پر رضا کاروں کی ایک فوج تیار ہو گئی جس نے ان لٹے پٹے خانماں برباد لوگوں کی ہر ممکن اشک شوئی کی۔ انہیں خوراک، کپڑے، میڈیکل ایڈ غرض جو کچھ بھی ان کے اختیار میں تھا مہیا کیا اور جب تک یہ کیمپ قائم رہا خدمات کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

قیام پاکستان کے تین چار سال بعد ہی ایک روز جب وہ رات کے دوسرے پہر اپنے بزرگ ولی کامل حضرت ملاں شاہؒ کے مزار مبارک پر حاضری دے رہے تھے تو حضرت ملاں شاہؒ ظاہر ہوئے اور گیلانی کو یہاں سے کوچ کا حکم مل گیا۔

"کہاں جاؤں واداحضور؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا۔

"پہاڑوں میں چلے جاؤ"....

حکم ملا۔

اور.....اطاعت گزار شیخ گیلانی نے رخت سفر باندھ لیا۔

گھر والے حیران کہ اچانک انہیں کیا ہو گیا ہے۔ کوئی تیاری نہیں۔ کبھی اس مسئلے پر بات نہیں ہوئی۔ پھر یہ اچانک پہاڑوں پر جانے کی کیا سوجھی۔

"حضرت ملاں شاہؒ کا حکم ہے۔"

اس نے صرف ایک ہی جواب دیا اور کسی کو اگلا سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کی تعلیم کا تسلسل ہمیشہ ٹوٹتا رہا لیکن مریم بی بی جانتی تھی کہ گیلانی کی تعلیم اصل میں کہاں ہو رہی ہے۔

جس روز وہ رخت سفر باندھ کر رخصت ہوا تو دل گرفتہ والدین نے اپنی آنکھوں میں

آئے آنسو اس لیے باہر نہ آنے دیئے کہ مبادا حضرت ملاں شاہؒ ناراض نہ ہو جائیں۔

ان دنوں سفر کی یہ سہولتیں جو آج حاصل ہیں ان کا تصور بھی محال تھا۔ خصوصاً پہاڑی راستوں پر صرف گھوڑوں، گدھوں اور خچروں کے ذریعے ممکن تھا یا پھر کچھ سرکاری اور فوجی جیپیں ہی ان راستوں پر بھاگتی دوڑتی دکھائی دیا کرتی تھیں۔

شیخ گیلانی کے ساتھ اس کے پانچ چھ "طالب" تھے اور یہ لوگ دن رات سفر کرتے اس منزل کی طرف گامزن تھے جس کو اس سے پہلے انہوں نے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سوات کی جانب یہ مختصر قافلہ ذکر و فکر کی محفلیں سجاتا رواں دواں تھا جب اچانک "مانکیاں" کے نزدیک انہیں شیخ گیلانی نے رکنے کا حکم دیا۔

دن کے اوقات میں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ سب استفہامیہ نظروں سے اپنے شیخ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب اچانک انہیں پہاڑوں کی بلندیوں سے ایک پراسرار سے مخلوق اپنی سمت بڑھتی دکھائی دی۔ مریدین نے جن کے دل سوائے اللہ کے خوف کے اور کوئی خوف قبول نہیں کرتے تھے اپنے شیخ کی طرف دیکھا۔

"دوست ہمارے استقبال کیلئے آئے ہیں۔"

شیخ گیلانی نے جن کی زبان سے مسلسل ذکر الٰہی جاری تھی، کہا۔

"السلام علیکم یا شیخ محی الدین علی الگیلانی"

سب سے آگے آنے والے جن نے اطاعت گزاری۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"

شیخ گیلانی اور اس کے ساتھیوں نے جواب دیا۔

آنے والے جن نے اپنا نام سلیمان بتایا اور کہا کہ وہ سلسلہ قادریہ سے منسلک ہے۔ آج ہی سیدنا غوث پاکؒ کا حکم ملا تھا کہ ہمارے مہمان آرہے ہیں انہیں راحت پہنچاؤ اور مدد کرو"

سلیمان نے بتایا۔

شیخ گیلانی اور ان کے ساتھی خاموش رہے کیونکہ ابھی تک انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان کی اگلی منزل کون سی ہے؟ انہیں تو بس چلتے چلے جانے کا حکم ملا تھا۔

"آپ کیلئے ٹھکانہ تیار ہو چکا ہے شیخ گیلانی"

سلیمان جن نے کہا۔

شیخ گیلانی نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا تو سلیمان جن نے پہاڑ کی چوٹی

کی طرف اشارہ کیا اور انہیں کافی اونچائی پر کسی بہت پرانی اور سالخوردہ عمارت کے آثار دکھائے دیئے۔

"طالبین" اور شیخ دونوں کیلئے فی الوقت یہ معاملہ تھا کہ وہاں تک پہنچیں گے کیسے۔ یہ بات تو شیخ گیلانی کو سمجھ آگئی تھی کہ جس عمارت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ شاید کسی دور میں انگریزوں نے یہاں کوئی چیک پوسٹ یا قیام کیلئے بنائی ہوگی اور وہاں تک پہنچنے کا کوئی راستہ بھی ضرور ہوگا۔ لیکن اس وقت راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سارا پہاڑ برف کے دامن میں چھپا ہوا تھا اور بالکل گلیشیئر دکھائی دے رہا تھا۔

"آیئے".....

سلیمان جن نے کہا۔

اور.....اس سے پہلے کہ گیلانی اور ان کے طالبین کو اگلی بات کی سمجھ آئے وہ سب "مانکیال" کی اس عمارت کے باہر اپنے سامان سمیت موجود تھے جس کی نشاندہی سلیمان جن نے کی تھی۔

یوں لگتا تھا گزشتہ دس بارہ سال سے یہ عمارت بالکل خالی ہے اور یہاں کوئی نہیں آیا۔ اس بات کا علم تو انہیں بعد میں ہوا کہ جب سے یہاں جنات نے بسیرا کیا تھا گلیشیئر کے اس حصے کی طرف جو ہفتہ دس دن بعد معمولی سی نقل و حرکت ہوا کرتی تھی وہ بھی بند ہو گئی تھی۔

عمارت جو بظاہر باہر سے ناقابل استعمال دکھائی دیتی تھی، جب شیخ گیلانی اور ان کے ساتھی وہاں پہنچے تو انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا کہ عمارت کو اندر سے اچھی طرح صاف کر کے مہمانوں کے استقبال کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ شیخ گیلانی کے ساتھیوں نے اپنے ساتھ موجود سامان وہاں رکھنا شروع کر دیا اور انہیں راستہ بھی بہت واضح دکھائی دینے لگا جو یہاں سے نیچے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ یہ اندازہ انہیں نہیں تھا کہ یہ نیا راستہ ہے یا پرانا اور کسی کے استعمال میں ہے یا نہیں؟

پرانی بارک نما عمارت کا ایک کمرہ جسے باورچی خانہ کہا جا سکتا ہے وہاں لکڑیوں کا ڈھیر اور اشیائے خورد و نوش بھی پہلے ہی سے موجود تھیں۔

"ہمیں آپ کے تصرف میں دیا گیا ہے۔ ہم آپ کے خادم ہیں آپ کے احکامات کے پابند۔"

سلیمان جن نے دست بستہ گزارش کی۔

شیخ گیلانی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں تمہیں اپنے تصرف سے آزاد کرتا ہوں۔ اب تم لوگ چلے جاؤ۔"

"لیکن کیوں یا شیخ؟ ہم سے کیا خطا ہوئی؟"

سلیمان جن گھبرا گیا۔

"تم سے کوئی خطا نہیں ہوئی۔ تم نے اطاعت گزاری کی۔ میں تم سے بہت خوش ہوں لیکن تمہارے یہاں رہنے سے ہمیں فائدے کے بجائے نقصان ہوگا..... ایک تو تمہارے ڈر سے خلق خدا اس طرف کا رخ نہ کرے گی اس طرح ہمارا سلسلہ تبلیغ و تلقین رک جائے گا اور دوسرے یہ کہ تمہاری موجودگی سے کہیں ہم بے عملی کا شکار نہ ہو جائیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہاں ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھے رہیں۔ ہمیں یہاں جس مشن کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

سلیمان جن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ شیخ گیلانی سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کو حکم سے انکار کی تاب بھی نہیں تھی کیونکہ یہ بات وہ جانتا تھا کہ شیخ گیلانی کے پاس سلسلہ قادریہ کی خلافت ہے اور حضرت غوث پاک کا خصوصی قرب بھی اسے حاصل ہے۔ اس نے شیخ سے التجا کی کہ اسے کبھی کبھی حاضری کی اجازت دے دی جائے۔

"اجازت ہے لیکن تم کبھی اپنے اصلی روپ میں یہاں نہیں آؤ گے۔"

شیخ گیلانی نے کہا۔

"جو حکم یا شیخ" سلیمان جن نے کہا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ روتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا۔

قیام پاکستان کو ابھی تین چار سال ہی گزرے تھے شیخ گیلانی کی شدید خواہش تھی کہ جس جذبے، ولولے اور ہمت سے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا اور اس کیلئے جو قربانیاں دی گئی تھیں وہ ضائع نہ جائیں اور نوجوان بے عمل نہ ہو کر رہ جائیں۔ اس نے مانکیال میں "یوتھ ہوسٹل تحریک" شروع کی جس کے تحت تاران، کاغان اور کنٹری میں ہوسٹل تعمیر کروائے جہاں نوجوان کو کلائمبنگ کی تربیت دی جاتی تھی۔ ان کی جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس کا خصوصی اہتمام تھا اور ہر تربیت حاصل کرنے والے کو ذکر اذکار کی محافل میں شریک کر کے اس کی باطن کی صفائی بھی کی جاتی تھی۔ قیام پاکستان کو دس سال گزر چکے تھے جب گیلانی نے کلائمبنگ کلب آف پاکستان قائم کیا جس کی سرپرستی مشہور جرنیل بختیار رانا مرحوم کیا کرتے تھے۔ اس کلب کے ذریعے پی ایم اے کے کیڈٹس بھی کلائمبنگ کی تربیت حاصل کرتے رہے۔

شیخ گیلانی کے فیوض و برکات کا چرچا اب یہاں زبان زد خاص و عام ہو چکا تھا۔ وہ لوگوں کو جمع کرتا، انہیں تزکیہ نفس کا سبق دیتا۔ اپنی نگرانی میں "ذکر" کرواتا اور ان ذکر کی محافل میں آنے والے سینکڑوں مریض محض اللہ کا ذکر ہی کرنے سے صحت یاب ہو گئے۔ اس کے پاس دور دراز علاقوں سے مریض آنے لگے جن کا وہ قرآنی آیات کے ذریعے علاج کرتا۔ ایک مخصوص ماحول میں شیخ گیلانی مریض کو سامنے بٹھا کر قرآن کی مخصوص آیات سے اس کے قلب پر توجہ کرتا اور مریض کو گھر پر کچھ پڑھنے کی تلقین کرتا جس کے چند دنوں بعد اس کی صحت سنبھلنے لگتی۔ اپنے اس علاج کو اس نے "قرآن تھراپی" کا نام دیا اور جب بھی اس سے اس ضمن میں پوچھا جاتا تو وہ ایک ہی جواب دیتا کہ "میں تو حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ کا مشن آگے بڑھا رہا ہوں۔"

جو لوگ ان محافل میں شریک ہوتے انہیں "اسم اللہ ذات" کا ذکر کروایا جاتا۔ وہ اپنے پاس آنے والوں سے کہتا میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ میں تو دربار محمد ﷺ کا فقیر ہوں اور آپ ﷺ کی مجلس نوری میں حاضری محض اللہ کا کرم اور ختمی مرتبتؐ کی مجھ پر خاص عنایت ہے۔ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا، احکامات کا پابند ہوں۔ یہ احکامات دربار رسالت مآب ﷺ سے بھی جاری ہوتے ہیں اور میرے بزرگوں کی طرف سے بھی۔ وہ اپنے جد امجد حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سلطان

الاولیا و العارفین برہان الدنیا والواعظین قطب ربانی شہباز لا مکانی محبوب سلطانی حضرت شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کا یہ قول اپنے طالبان اور متجسس لوگوں کو سناتا کہ ایک عارف باللہ کی طرف سے ودیعت کردہ علم کے توسط سے اپنے مطلوب ومحبوب تک پہنچ جاتا ہے اور انجام کار عالم لاہوت میں روحانی پرواز حاصل ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے طالبین کو رسالت مآب ﷺ کا قول صادق سناتا:

''فکر کی ایک ساعت ستر سال کی عبادت سے افضل ہے''

اپنے آنے والے کو تفکر کی دعوت دیتا، انہیں ذکر واذکار کی طرف مائل کرتا۔ حافظ غلام حیدر اس کے ابتدائی طالبین میں سے تھا اور خدمت کی گھڑی ضائع نہ جانے دیتا۔ اس نے اپنے مرشد کے ساتھ کئی مرتبہ دربار رسالت ﷺ میں شرف باریابی حاصل کیا تھا اور اپنے شیخ کی کامل توجہ سے کئی کرامات کا مشاہدہ کیا تھا۔ یہ پاس ادب تھا کہ اس نے کبھی اپنے مرشد سے کوئی سوال نہ کیا لیکن اس روز جب ایک پروفیسر صاحب جو شیخ گیلانی کی ''قرآنک تھراپی'' کا شہرہ سن کر یہاں پہنچے تھے اور بضد تھے کہ ان کے شیخ اسے بتائیں آخر وہ کون سا علم یا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے وہ علاج کرتے تھے۔

شیخ گیلانی سوال سننے کے بعد مراقبے میں چلا گیا۔ کچھ دیر توقف کرنے کے بعد اس نے کہا:

''ہم پر دو طرح کا علم نازل ہوا ہے۔ علم ظاہری اور علم باطنی۔ علم ظاہری شریعت اور علم باطنی طریقت سے بحث کرتا ہے جب یہ دونوں علوم کہیں جمع ہوجائیں تو ان کے نتیجے میں ''علم حقیقت'' جنم لیتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے درخت اور پتوں کے اجتماع کا ماحصل پھل ہے۔ محض علم ظاہری سے حقیقت حاصل نہیں ہوتی۔ نہ ہی منزل مقصود تک رسائی ملتی ہے۔ معرفت الٰہی کیلئے دونوں علوم پر دسترس لازم ہے۔ جو اللہ کا اپنے بندوں پر خاص انعام ہے اور جو ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی۔

''معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے شیخ؟''

غلام حیدر نے پہلی مرتبہ دریافت کیا۔

قلب کی صفائی اور دل کے آئینے سے نفس کا حجاب دور کرکے۔'' شیخ نے توقف کیا اور دوبارہ کہا.....''پھر اس میں جمال الٰہی کے مخفی خزانے جمال الٰہی یعنی الکنز الخفی کا چھپا ہوا خزانہ انور الٰہی دل کی گہرائی کے ''سر'' (مقام راز) کے اندر سر بچشم قلوب مشاہدہ کیا جاتا ہے۔''

''کیا ہر کسی کو یہ سب کچھ حاصل ہوجاتا ہے؟''

پروفیسر صاحب نے دریافت کیا۔

شیخ نے اپنی آنکھیں تھوڑی دیر کیلئے پھر بند کرلیں اور مراقبہ میں چلے گئے۔ لوٹے تو فرمایا:

''طالب کو راہ حق سے روکنے والی چیز حب دنیا ہے کیونکہ مرشد طالب کا امتحان طلب مال وجان سے کرتا ہے۔ اکثر طالب بے یقین تابع نفس محبت دنیا کے سبب مرشد سے روگردانی کرتے ہیں۔ ایسے طالب مرشد کے عیبوں کے جاسوس اور اس کیلئے موجب وسوسہ ہونے کے سبب معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ مرشد طالب سے متاع معرفت کے بدلے عزیز جان کی نقدی طلب کرتا ہے اور جو طالب راہ مولیٰ میں سر نہیں دیتا وہ معرفت حق سے محروم رہتا ہے۔ طالب مردوہ ہے کہ راہ حق میں جان دے دے اور اف نہ کرے۔ ایسا طالب ہی روشن ضمیر لائق حضور ہوتا ہے۔ عارف کامل بے نصیب کو بھی مجلس محمد ﷺ سے یہ نصیب دلوا دیتا ہے لیکن مجلس محمد ﷺ کسوٹی کی طرح ہے۔ صادق طالب وہی بمقتضائے فطرت ازلی جمالی طالب معرفت ومشاہدہ دیدار ہوتا ہے لیکن طالب کاذب مجلس محمدی ﷺ سے بموجب سکی جلالیت طلبگار کشف کرامات، عزو جاہ دنیا مردار ہوتا ہے۔ اگر مرشد کامل پیدائشی مادر زاد اندھے طالب کو آفتاب ذات کی تجلی شہ رگ بھی نزدیک سے دکھا دے۔ طالب کور چشم اسے پسند اور اختیار نہیں کرتا۔''

یہ بیان سنتا تھا کہ پروفیسر صاحب پر ایک وجد کا عالم طاری ہوگیا۔ وہ اپنی تحقیق وجستجو بھول کر شیخ کے بیعت ہوئے اور پھر ساری زندگی اس کے قدموں میں گزار کر واصل حق ہوگئے۔

☆☆☆

شیخ گیلانی کی قرآنک تھراپی اور ذکر وفکر کے کمالات اب اس حلقے تک پہنچ گئے تھے جو ملکوں اور قوموں کی تقدیر کے فیصلے کرتا ہے۔ اس علاقے سے جانے والے ایک امریکن ڈویلپمنٹ نے امریکہ میں شیخ کی کرامات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا تو شکاگو ٹربیون کا امریکن جرنلسٹ میکارتھر اپنی ساتھی ایک جرمن لڑکی اور ایک برٹش کوہ پیما کے ذریعے شیخ گیلانی کے پاس پہنچ گئے۔

شیخ کے معمول کا جائزہ وہ خفیہ انداز میں اس کے ساتھ رہ کر لیتے رہے۔ انہوں نے دیکھا وہاں بیمار آتے ہیں اور ذکر الٰہی کی برکت سے شفایاب ہوکر چلے جاتے۔ تینوں نے شیخ گیلانی کے اردگرد مکمل نگاہ رکھی کہ کہیں کوئی چکر بازی نہ ہو رہی ہو۔ لیکن یہاں ایسا کچھ تھا ہی نہیں انہیں کیا ملتا۔

تیسرے روز انہوں نے وکوہ پیائی کی خواہش ظاہر کی اور جانے کا ارادہ کیا۔ اچانک ہی

سلیمان جن شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں آگاہ کیا کہ موسم خطرناک ہو رہا ہے ان کا سفر دو دن کیلئے ملتوی کروا دیں۔

شیخ نے تینوں تک اپنا عندیہ پہنچایا اور انہیں بتایا کہ اگر وہ اس کی بات پر عمل کریں گے تو 19 ہزار فٹ بلند ماکیال کی چوٹی فتح کرنا ان کیلئے آسانی سے ممکن ہو جائے گا لیکن فی الوقت ایسا نہ کریں۔

میکارتھر جو کچھ زیادہ ہی جوشیلا تھا بضد رہا اور شیخ سے کہا کہ وہ انہیں مدد دے سکتا ہے تو ٹھیک ورنہ انہیں جانے سے نہ روکے۔ شیخ نے اس کے برطانوی ساتھی نارمن سورس سے کہا کہ وہ لوگ اپنی ضد چھوڑ دیں۔ نارمن کسی حد تک شیخ کی بات مان گیا لیکن ان کی تیسری ساتھی جرمن لڑکی بولر پچافیورسٹ نے میکارتھر کا ساتھ دیا۔

شیخ گیلانی نے بادل نخواستہ پہلے کیمپ تک ان کی رہنمائی کی کیونکہ وہ خود بہترین کوہ پیما اور گائیڈ تھا اور ایک مرتبہ پھر انہیں سمجھایا کہ اپنی ضد چھوڑ دیں لیکن دونوں نے اس کی بات نہ مانی کیونکہ بظاہر موسم خوشگوار تھا اور کوئی ایسی پیشگوئی بھی نہیں کی گئی تھی جبکہ شیخ گیلانی اپنی اطلاع کے سچ ہونے پر مصر تھا۔

وہ واپس لوٹ آیا۔

اگلے روز میکارتھر اور فیورسٹ مارے گئے جبکہ نارمن مورس جس کے ذہن میں شیخ گیلانی کی بات موجود تھی، محفوظ رہا۔ اس نے واپسی پر بتایا کہ شیخ کی ہدایت اس کے دل نے قبول کر لی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو روکا کہ وہ دو دن انتظار کر لیں لیکن اس کی بات نہیں مانی۔ میکارتھر اور جرمن لڑکی ایک دوسرے سے بندھے کوہ پیمائی کر رہے تھے جب ایک مرحلے پر اچانک موسم نے تیور بدلے اور گھبراہٹ میں میکارتھر نے اپنی رسی کاٹ دی جس سے دونوں کی موت واقع ہوئی۔ پاکستان ایئر فورس نے جرمن لڑکی کی لاش تو تلاش کر لی لیکن میکارتھر کی لاش نہ ملی۔

اس واقعے کی تفصیلات جب برٹس کوہ پیما کے ذریعے عالمی پریس تک پہنچیں اور اس نے شیخ گیلانی کی نصیحت کو نظر انداز کرنا ہی اس حادثے کا واحد سبب بتایا تو اس کا نام عالمی سطح پر گونجنے لگا۔

☆☆☆

اس واقعہ کے بعد مغربی دنیا کے پاکستان میں موجود ڈپلومیٹ اسے دیکھنے کیلئے آنے لگے ایک روز یوگوسلاویہ کا سفیر اپنے سیکرٹری کے ساتھ منکیال پر اس سے ملنے آ گیا۔ اس نے شیخ سے

پوچھا کہ وہ حادثے کی پیشگی اطلاع کیسے رکھتا تھا۔

"مجھے میرے طالب جن نے بتایا تھا۔"

شیخ نے سنجیدگی سے کہا اور یوگوسلاویہ کا سفیر ہنس پڑا۔ اس نے اپنی سیکرٹری سے اپنی زبان میں کہا۔

"میں جانتا ہوں گیلانی اور اس کے جنوں کو۔"

یہ بات تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھی کہ یہاں جن بھی محفل میں موجود ہیں جنہوں نے اس کا برا منایا اور اس کی روانگی پر بضد ہوئے کہ وہ اسے سزا ضرور دیں گے۔ گیلانی نے انہیں ڈانٹ کر روک دیا لیکن جن اس گستاخی کو معاف کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے بہرحال سفیر محترم کو وارننگ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ پہاڑی سے نیچے اتر کر بظاہر بڑے ہی محفوظ راستے سے اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا جب اچانک کسی نادیدہ طاقت نے اسے ہوا میں اچھالا اور زمین پر لڑھکا دیا۔ سفیر قلابازیاں کھاتا نیچے آ گیا لیکن حیرت انگیز طور پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے چوٹ نہیں آئی تھی جبکہ اتنی بلندی سے گرنے کے بعد اس کی ہڈی پسلی سلامت رہ جانا بھی ایک معجزہ ہی تھا۔

سیکرٹری، ڈرائیور اور محافظ بھاگ کر اس تک پہنچے تو سفیر محترم نے فوراً گیلانی کے پاس واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ سب حیران رہ گئے کہ ابھی تو وہاں سے آئے ہیں۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ سفیر محترم کے حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ شیخ گیلانی کی خدمت میں پہنچ گئے جس نے ان کی طرف دیکھتے ہی کہا:

"مجھے امید ہے آپ کو چوٹ نہیں آئی ہوگی۔"

سفیر محترم اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔ انہوں نے شیخ گیلانی سے معذرت کی اور کہا کہ وہ ان کی بات پر یقین کرتا ہے۔ واقعی جن اس کے مرید ہیں۔ رات گئے سفیر واپس لوٹ گیا لیکن دوسرے ہی دن کچھ تحائف لے کر آ گیا۔ جب تک وہ پاکستان میں رہا شیخ گیلانی سے فیض حاصل کرتا رہا۔ اس نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا تھا اور عمر کے آخری حصے میں اسلام قبول کر کے واصل حق ہوا۔

جنوں کے حوالے سے شیخ گیلانی کی شہرت پاکستان میں پھیلنے لگی اور یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ جنوں کی مدد سے علاج کرتے ہیں۔ کچھ حکیم اور ڈاکٹر قسم کے جن ان کے تابع ہیں۔ گو کہ اس نے کبھی انہیں زبان سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن عوام میں یہ بات پھیلنے لگی! اور ایک روز پنجاب یونیورسٹی شعبہ نفسیات کا ایک وفد منکیال پہنچ گیا۔ جدید سائنسی علوم سے بہرہ ور یہ لوگ ایسی باتوں پر کب

اعتقاد رکھتے تھے۔

''یہ سب جن دیو فراڈ ہوتے ہیں۔آپ لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔''

ایک استاد نے جو کچھ زیادہ ہی مغرب زدہ دکھائی دے رہا تھا، کہا۔

عبدالہادی جو شیخ گیلانی کا مرید اور خدمت پر مامور تھا کے چہرے کا رنگ بدلا کیونکہ وہ اپنے شیخ کے سامنے کسی کو ایسے توہین آمیز لہجے میں بات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔لیکن .....شیخ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہنے سے روک دیا۔

''دیکھو میرے عزیز! یہ اللہ کی مخلوق ہے اس کے وجود سے انکار کرنا تو غیر مناسب بات ہے۔''

شیخ گیلانی نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''اچھا اگر کوئی جن وغیرہ یہاں ہیں تو انہیں کہو اپنا آپ ظاہر کریں۔ہمیں کیوں دکھائی نہیں دیتے۔''

دوسرے مغرب زدہ نوجوان نے کہا۔

''آپ اس کی تاب نہیں لا سکتے.....ایسی بات نہ کریں''

عبدالہادی سے نہ رہا گیا۔

''ٹھیک ہے آپ انہیں کہیں اپنے ہونے کا کوئی ثبوت دیں''

نوجوان نے پھر شیخ گیلانی کو مخاطب کیا۔

شیخ مراقبے میں چلا گیا اور دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی۔پھر اس نے اپنی آنکھیں کھول کر نوجوان کی طرف دیکھا اور کہا:

''یہ مناسب تو نہیں لیکن ایک قرانی حقیقت کو سچ ثابت کرنے کیلئے مجھے تمہاری بات ماننی پڑے گی.....سامنے نظر کرو۔''

اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔

سب ادھر متوجہ ہوئے۔گلیشیئر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔صدیوں سے یہ گلیشیئر اپنی جگہ قائم تھا۔

''ابھی اس پر نشانی ظاہر ہوگی''

شیخ گیلانی کی بات جیسے ہی مکمل ہوئی اچانک یوں لگا جیسے وہاں زلزلہ آگیا ہو۔گلیشیئر خوفناک دھماکے کی آواز سے پھٹ گیا اور بالکل ایسے پھٹا جیسے آتش فشاں پھٹتے ہیں۔برف کے

دامن سے چنگاریاں نکلتی سب کو دکھائی دیں۔خوف اور دہشت سے ان کے دلوں کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں۔سب پر سکتے کی کیفیت طاری ہوئی۔خوف سے ان کی زبانیں گنگ ہوگئی تھیں۔

شیخ گیلانی کے طالبوں نے ان کے حواس بحال کیے تو سب شیخ سے معافی کے طلب گار ہوئے۔جس پر شیخ نے انہیں اپنے عقائد درست کرنے کی تلقین کے ساتھ رخصت کر دیا۔

اس واقعہ کے کچھ ہی روز بعد شیخ گیلانی کا ایک دوست جو ملک کا نامور سرجن تھا اسے ملنے آیا۔موسمی شدائد کی وجہ سے وہ بیمار پڑ گیا تو شیخ کا مرید جن حکیم اسماعیل حاضر ہوا اور ڈاکٹر کے علاج کی درخواست کی۔

شیخ گیلانی نے اپنے بچپن کے بے تکلف دوست سے دریافت کیا وہ جنوں کا علاج پسند کرے گا۔

پڑھے لکھے اور ملک کے نامور سرجن کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔اس نے شیخ سے کہا کم سے کم اس کے ساتھ ایسا غیر سنجیدہ مذاق نہ کرے۔ڈاکٹر کی خواہش پر سوات سے اس کی مطلوبہ ادویات منگوائی گئیں لیکن حیرت انگیز طور پر اس کی بیماری زور پکڑتی گئی اور جان کے لالے پڑ گئے۔

پانچویں دن جب ڈاکٹر صاحب کی طبیعت بہت زیادہ بگڑنے لگی تو اس نے شیخ گیلانی سے بادل نخواستہ علاج کیلئے کہا۔

''یہ گھاس کھالو اس سے ٹھیک ہو جاؤ گے''

شیخ نے وہیں بیٹھے بیٹھے کہا۔

ڈاکٹر کو غصہ آگیا لیکن شیخ گیلانی کے اصرار اور اپنی بگڑتی صحت کے ہاتھوں اس نے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق شیخ گیلانی کی فراہم کردہ گھاس کے آٹھ دس تنکے پانی کے ساتھ نگل لیے۔

ابھی بمشکل آدھ گھنٹہ ہی گزرا تھا جب حیرت انگیز طور پر وہ ہشاش بشاش دکھائی دینے لگا۔

''کیا خیال ہے ڈاکٹر صاحب! جنوں کے علاج کو مانتے ہو یا نہیں۔''

شیخ گیلانی نے پوچھا۔

''دل تو مانتا ہے یار دماغ نہیں مانتا''

ڈاکٹر نے کہا۔

''یہی ہمارا المیہ ہے میرے دوست.....اپنے دل کو سمجھاؤ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو مٹی کو شفا

کی تاثیر عطا کر دیں۔"

ڈاکٹر نے سر جھکا لیا۔

☆☆☆

اگلے روز مغرب کی نماز کے بعد شیخ گیلانی اپنے خدمت گزار طالب عبدالہادی کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر گاؤں کی طرف جا رہا تھا جب ملگجے اندھیرے میں عبدالہادی کو ایک نہایت خوبصورت لڑکی اس گزرگاہ پر کھڑی دکھائی دی جس سے انہوں نے گزر کر آگے جانا تھا۔ عبدالہادی ٹھٹھک کر رک گیا۔

"حضور اس وقت یہاں اس لڑکی کا کیا کام؟ یہاں تو....."

اس کی بات نامکمل رہ گئی کیونکہ اس کا شیخ پہلے ہی سے مسکرا رہا تھا۔

"عبدالہادی یہ ہماری مہمان ہیں"

اس نے کہا۔

عبدالہادی سمجھ گیا کہ شیخ گیلانی کی بات کا مطلب کیا ہے۔ لڑکی پلک جھپکتے ان کے نزدیک آ گئی۔ اس نے نہایت تعظیم کے ساتھ گیلانی کو سلام کیا اور جواب ملنے پر اپنا مدعا کچھ یوں بیان کیا:

"پیر صاحب میں آپ سے مدد کی طلب گار ہوں۔ میرے جن بھائی کو چم گڑھی کے حسن ملا نے سفلی علوم کے ذریعے اپنا اسیر بنا لیا ہے اس سے غلط کام لے کر خلق خدا کو آزار دیتا ہے۔ اس نے میرے جن بھائی کو اس طرح قابو کر رکھا ہے کہ لاکھ کوشش پر بھی وہ اس کے قبضے سے نکل نہیں پایا۔ اس سے پہلے تو اس نے میرے بھائی سے زیادہ خطرناک کام نہیں لیے تھے لیکن اب اس نے قتل بھی کروانا شروع کروا دیے ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔

شیخ گیلانی نے اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ انشاء اللہ اس کی مدد کرے گا اور اس شیطان کے شر سے انسان اور جن دونوں کو آزاد کروائے گا۔ لڑکی نے شیخ کو سلام کیا اور غائب ہو گئی۔

اگلے روز شیخ گیلانی کا لام کے تحصیلدار کے پاس پہنچا اور حسن ملا کی بابت دریافت فرمایا۔ تحصیلدار کچھ خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا لیکن شیخ گیلانی کی وہاں موجودگی سے اسے حوصلہ ہوا اور اس نے بتایا کہ حسن ملا چم گڑھی گاؤں میں رہنے والا ایک نام نہاد عامل ہے۔ لوگ بیماریوں کا علاج کروانے اس کے پاس جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کی موجودگی میں اپنی ٹوپی زمین پر رکھتا ہے اور

جب دوبارہ اٹھاتا ہے تو اس کے نیچے سے گولیاں برآمد ہوتی ہیں۔ حسن ملا مریضوں سے کہتا ہے کہ یہ گولیاں آسمان سے آئی ہیں اور ان سے اچھی خاصی رقم بٹورتا ہے۔ تحصیلدار نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ اس کے ہاتھ حال ہی میں گاؤں میں ہونے والے ایک اہم قتل میں ملوث ہیں لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکا اور اس نے مقامی پولیس انچارج کو خدا جانے کس طرح خوفزدہ کیا ہے کہ وہ چم گڑھی جانے سے بھی ڈرتا ہے۔ اس نے شیخ گیلانی سے التجا کی کہ وہ کبھی کسی کو نہ بتائے کہ تحصیلدار نے اسے کچھ بتایا ہے اور حسن ملا سے علاقے کے لوگوں کو نجات دلانے کی درخواست کی۔

"اگر اللہ کو یہاں کے لوگوں کی بہتری منظور ہوئی تو وہ غیب سے اسباب ظاہر فرمائیں گے۔ آپ اس پر توکل رکھیں۔"

یہ کہہ کر شیخ گیلانی واپس لوٹ آیا۔

اس روز مغرب کی نماز کے بعد جنی اپنے بھائی جن کو لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہ جن گو کہ حضرت غوث پاکؒ کا مرید ہونے کا دعویدار تھا لیکن حسن ملا نے سفلی علوم کے ذریعے اس کی زبان بندی کی ہوئی تھی اور وہ صرف اس کے احکامات کے تابع تھا۔ اس نے شیخ گیلانی پر انکشاف کیا کہ چند روز پہلے اس نے حسن ملا کے حکم کی اطاعت میں سید جلال کی گردن توڑ دی تھی کیونکہ حسن ملا اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور سید جلال نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ تحصیلدار نے جس موت کی بات کی تھی اس میں بھی جن نے حسن ملا کا ہاتھ بٹایا۔

شیخ گیلانی نے انہیں رخصت دی اور اسی شام سلسلہ قادریہ کے مسلمان جن کو حکم دیا کہ حسن ملا کو اٹھا کر لے آئے۔ چند منٹ بعد ہی حسن ملا پہاڑی پر شیخ گیلانی اور اس کے مریدین کے سامنے زمین بوس موجود تھا۔ وہ سخت گھبرایا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور منہ سے خوف کے مارے ڈھنگ سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"کیوں حسن ملا تیرے شیطانی چیلے چانٹے کہاں گئے؟"

شیخ گیلانی نے دریافت کیا۔

حسن ملا گڑگڑاتے ہوئے معافی کا طلب گار ہوا۔ اس کی تمام قوتیں سلب کر لی گئیں اور ذلیل و رسوا ہو کر گاؤں چھوڑ کر چلا گیا۔

"اسے مار دینا چاہیے تھا حضور"

ایک مرید نے عرض گزاری۔

"کسی کو زندہ رکھنا یا مار دینا میرے قبضہ قدرت میں نہیں۔ یہ اللہ کا تصرف ہے اور ہمیں

صرف اپنے معاملات تک اختیار دیا گیا ہے اگر اللہ کے نزدیک وہ قابل گردن زدنی ہے تو بچ نہیں پائے گا..... اور جو کام اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے اسے ہم اپنے ذمے لینے والے کون ہوتے ہیں۔ یہ تو خود کو جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے۔"

شیخ گیلانی نے کہا۔

اس واقعہ کے تین روز بعد ہی حسن ملا کی موت کی اطلاع مل گئی۔ وہ اپنے گاؤں سے کافی دور کسی پہاڑی علاقے میں سفر کر رہا تھا جب اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور زمین پر سر کے بل گرنے سے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ حسن ملا کا جنازہ اس کے گاؤں پہنچا تو کئی لوگوں نے گواہی دی کہ سید جلال کی گردن بالکل اسی طرح ٹوٹی ہوئی پائی گئی تھی۔

اس روز اہل علاقہ نے عجیب منظر دیکھا۔

رات کا دوسرا پہر تھا جب اچانک مانکیال کا گلیشیئر صدیوں پرانی نیند سے بیدار ہو گیا لیکن اس نے کوئی تباہی نہیں پھیلائی۔ بڑے شانت طریقے سے ان درجنوں طالبین کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول ہو گیا جو اپنے شیخ گیلانی کے سامنے نیم دائرے کی شکل میں جمع ہو کر "ذکر" کر رہے تھے۔

اللہ کی وحدانیت ایک گونج کی شکل میں پہاڑوں پر سفر کرتی ساری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ "ذکر" میں مشغول تمام "سالک" اپنے آپ سے بے نیاز تھے۔ ان کے دلوں پر اسم اللہ ذات نقش تھا اور اپنی زندگی کا وہ پاکیزہ ترین تجربہ ان پر وارد ہو رہا تھا جس کی خواہش کسی بھی مسلمان کی سب سے بڑی خواہش ہو سکتی ہے۔

اس روز طالبین کو سرور کائنات ﷺ کی حضوری نصیب ہو رہی تھی۔ ان کی آنکھیں بند تھیں لیکن دل کی آنکھوں سے انہوں نے جو نظارے کیے اس کے بعد ہر طالب ایک ہی دعا کرتا تھا کہ اب یہ آنکھیں کبھی نہ کھلیں۔ انہوں نے دیکھا شیخ گیلانی آقائے نامدار ﷺ کے قدموں میں بیٹھا ہے۔ سرور کائنات تبسم فرما رہے ہیں۔ طالبین کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ریاضت کو جو وہ اپنے شیخ کے ساتھ کر رہے ہیں شرف قبولیت عطا فرما دیا ہے۔ ان کے اس عمل سے نبی کریم ﷺ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

ہر طالب کی دلی آرزو تھی کہ دیدار مصطفیٰ ﷺ کی یہ گھڑیاں کبھی ختم نہ ہوں اور انہیں اسی حالت میں موت آ جائے لیکن ابھی اللہ نے ان سے اور کام لینا تھا۔ حضوری کی یہ محفل اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ مؤذن نے صبح ہونے کی نوید، اللہ کی عظمت بزرگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچائی۔ سب ابھی تک عالم جذب میں تھے۔ اچانک اس نورانی محفل کے انقطاع نے ان کے دل مغموم کر دیئے تھے۔ وہ بچوں کی طرح سسکیاں لے کر رو رہے تھے کہ یہ حسین منظر اتنی جلدی کیسے ختم ہو گیا۔ جب شیخ گیلانی نے ان کی طرف توجہ فرمائی۔

"اپنے قلوب پر اسم ذات کا نقش قائم کر لو۔ اپنے مشاغل کو صرف عالم خلق تک محدود نہ رکھو۔ صرف دوزخ کے خوف یا جنت کے لالچ کو اپنی عبادات

کی بنیاد نہ بناؤ بلکہ قرب الٰہی کیلئے کوشاں رہو کہ یہی راہ سلوک ہے۔ میرے آقا مولا ختمی مرتبت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ شریعت تو ایک درخت ہے طریقت جس کی ٹہنیاں، معرفت جس کے پتے اور حقیقت جس کا پھل ہے۔ سلطان العارفین کا یہ قول ہمیشہ یاد رکھنا ہوگا کہ وہ لوگ کتنے احمق ہیں جو دل نفس اور روح کے باطن کا علم نہیں رکھتے اور گوشت کے ایک لوتھڑے کو دل کے مقام سے بند کر کے تفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ذکر قلبی ہے۔ گوشت کے اس لوتھڑے کی دھڑکن کو دم کے ساتھ ملا کر سینے میں لا کر کہتے ہیں کہ یہ ذکر قربانی ہے اور گوشت کے اس لوتھڑے کو آنکھ کے سامنے رکھ کر کہتے ہیں یہ ذکر نور حضور ہے اور اسی گوشت کے لوتھڑے کو تفکر سے مغز سر میں لے جاتے ہیں اور اسی کا نام ذکر سلطانی روحانی رکھتے ہیں۔ یہ تمام لوگ غلطی پر ہیں۔ یہ تمام وساوس اور خطرات شیطانی ہیں۔"

ایک لمحہ توقف کے بعد اس نے دوبارہ پرسکوت مجمع پر نظر ڈالی اور کہا: "دلیل معرفت کا مقام دل ہے اور ہوا وہوس کی منزل بھی دل ہے کیونکہ جب کوئی ہوا وہوس میں مبتلا ہو تو دل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ دل اس کی رہنمائی نفس کی طرف کرتا ہے جو محل باطل ہے۔ اسی طرح جب دلیل معرفت میسر آتی ہے تب بھی انسان دل کی طرف رجوع کرتا ہے جو اسے روح کی طرف لے جاتا ہے جو منبع حق وحقیقت ہے۔ اگر دل میں کسی غیر اللہ کا گزر ہے تو یہ بطلان معرفت ہے۔ یاد رکھنا اہل معرفت ہوا وہوس سے پاک ہوتے ہیں وہ دل کی طرف رجوع نہیں کرتے بجز حق کسی چیز سے راحت حاصل نہیں کرتے اور انکا رجوع ہمیشہ دل ہی کی طرف نہیں بلکہ حق کی طرف ہوتا ہے اور یہ شان دلیل معرفت ہے۔ بہت فرق ہے دل کی طرف رجوع کرنے میں اور حق کی طرف راجع ہونے والے میں اگر اس منزل کا حصول چاہتے ہو تو پہلے مجاہدہ کرو۔ صفات مذمومہ کو مٹا دو۔ تمام تعلقات توڑ ڈالو اور ذات باری تعالیٰ پر ارتکاز کرو۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو خدائے لم یزل اپنے بندوں کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔"

اس کے ساتھ موجود طالبان مولا اس کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ کو حرز جان بنا کر رکھنے لگے۔ اس نے طالبان مولا سے کہا اگر تمہارا مرشد تمہیں قرب حضوری سے مراد و مدنہیں کر سکتا تو اسے مرشد کہلانے کا حق ہی نہیں۔

اس کی تعلیمات اور ذکر واذکار کی محفلیں زبان زد خاص و عام ہونے لگیں۔ جن کے حکم پر اس نے پہاڑوں پر مسکن آباد کیا تھا ان کا اگلا حکم موصول ہونے پر پھر شہر کی طرف لوٹ آیا۔

☆☆☆

"بیٹا مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تیری سرگرمیوں سے باخبر رکھا ہے۔ وہ تجھ سے بہت خوش ہیں۔ تیرے جد امجد حضرت غوث پاکؒ مجھے مبارکباد دے گئے ہیں۔ حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ، حضرت ملاں شاہؒ کے سامنے سرخرو ہو چکی ہوں۔ اگر اللہ نے تیری ڈیوٹی یہی لگا دی ہے تو کبھی اس کی اطاعت سے سر نہ اٹھانا۔ مجھے اطمینان ہے کہ میں دنیا سے سرخرو ہو کر جاؤں گی۔"

جس روز مریم بی بی نے دنیا سے پردہ کیا وہ بہت سوگوار تھا۔ نجانے کیوں اسے رہ رہ کر اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ ابھی اس نے جی بھر کے اپنی ماں کی خدمت نہیں کی لیکن اسے رضائے الٰہی جان کر اس پر صبر وشکر کرنا ہی اس کا منصب تھا اور اس نے ایسا ہی کیا۔

شیخ گیلانی کے ذکر واذکار کا سلسلہ جب پہاڑوں سے شہروں کی طرف پھیلا تو راہ حق کے طلبگاروں کے ساتھ ساتھ حاسدین کا بھی ایک گروہ کھڑا ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی دکانداریاں ایک عرصے سے سجا رکھی تھیں جنہیں تصوف اور روحانیت سے دور دور تک کوئی علاقہ نہیں تھا۔ جو اس دنیا میں اندھے ہو کر خلق خدا کو محض اس لیے بے وقوف بنا رہے تھے کہ ان کا تعلق کسی ایسے خانوادے سے تھا جو ماضی بعید میں دنیا کو رشد وہدایت کا سبق دے کر اب جنت مکانی ہو چکے تھے۔ ان کے صاحبزادوں، سجادہ نشینوں اور گدی نشینوں نے وہ اعمال ترک کر دیئے جن کے اختیار کرنے سے اُن کے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے کمالات عطا فرمائے تھے اور وہ خلق خدا کے محبوب بنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ محض "پدرم سلطان بود" کو بنیاد بنا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے تھے اور اپنے مریدین کو دن رات مختلف بہانوں سے لوٹنے میں مصروف تھے۔

شیخ گیلانی نے قرآنی آیات کے ذریعے جب پیچیدہ بیماریوں کا علاج شروع کیا اور خلق خدا شفا پانے لگی تو نام نہاد ماہرین نفسیات اور ڈاکٹر صاحبان نے اسے اپنا خیالی دشمن جان لیا۔ جب ذکر اذکار کے ذریعے لوگوں کے قلوب کی صفائی شروع کی اور ان پر انوارات ظاہر ہونے لگے تو دنیا

دار قسم کے اہل تصوف نے اسے اپنا ٹارگٹ بنالیا۔

ملک کے ایک انتہائی معتبر اخبار کے ''اہل خبر'' معاملات کی حقیقت جاننے کیلئے جب درگاہ پر پہنچے تو وہاں کچھ طالبین نے ان کے بضد ہونے پر حلفاً اپنی آپ بیتی بیان کی۔ فقیر حافظ غلام حیدر قادری نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے مجھے سرفراز فرمایا وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے مجھے ایک برگزیدہ شخصیت شیخ کامل واکمل محی الدین ثانی سید علی گیلانی، قادری محمدی الہاشمی الحسنی والحسینی کی زیارت سے سرفراز فرمایا۔

جب آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے آپ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ حضور آپ مجھ ناچیز کو اپنا طالب بنالیں۔ آپ نے مجھے کچھ معمولات کا حکم دیا اور اسم اللہ و اسم محمد ﷺ کا نقش عنایت فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اسم اللہ اور اسم محمد ﷺ اپنے قلب پر تصور کر کے جماؤ۔ میں آپ کے فرمان پر بہ دل و جان عمل پیرا ہوا۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد مجھے رمضان شریف میں سلطان الفقر پنجم سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ اسم اللہ میرے قلب پر چمکنے لگا اور بعض دفعہ میں یہ دیکھتا تھا کہ میرے شیخ میرے قلب پر اسم اللہ لکھ رہے ہوتے ہیں۔ پھر مجھے خواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور پھر خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔

پھر سلطان الفقر سوئم قطب الاقطاب محبوب سبحانی شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ، العزیز سلطان الفقر پنجم سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ اور محی الدین سید مبارک علی جیلانی قادری محمدی الہاشمی الحسنی والحسینی کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔

اسم اللہ میرے پورے جسم پر چمکنے لگا اور ہر عضو سے اللہ ہو کی آواز آنے لگی۔ اس طرح میری آنکھوں سے حجابات اٹھنے لگے۔ پھر مجھے حضور نبی کریم ﷺ کی حالت بیداری میں زیارت ہوئی۔ اسی کے بعد شیخ کامل کی نظر کرم سے مجھے حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس نوری میں حضوری کا شرف حاصل ہوا۔ پھر مشاہدات وفتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ایک اور طالب نے بیان کیا کہ میں اور میرے بھائی طالب فقیر محمد خالد صادق قادری اور طالب فقیر محمد جمال قادری اپنے شیخ مظہر ذات و صفات محی الدین ثانی سید علی گیلانی کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ نماز عشاء کے بعد بھائی طالب فقیر خالد صادق نے درود وسلام پڑھا۔ سلام کے دوران شمع شبستان وجود رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت امام حسین

علی جدہ وعلیہ السلام، حضرت میاں میر قادریؒ اور ملائکہ بھی دست بستہ کھڑے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک مائل گولائی تھا۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور پر والضحیٰ لکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی زلفیں سیاہ چمک رہی تھیں اور زلفوں پر واللیل لکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر ''الم نشرح'' اور آپ ﷺ کی کالی کملی پر ''یا ایہا المزمل'' نقش تھا۔

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروقؓ کا رنگ سرخ وسفید تھا جبکہ حضرت عثمان غنیؓ کا رنگ مبارک سفید اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کھلا ہوا گندمی تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا رنگ مبارک سفید مائل بہ سرخی تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے رنگ مبارک میں سفیدی زیادہ تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رنگ مبارک میں کچھ کم۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت حسین علیہ السلام کا رنگ مبارک کچھ ملتا جلتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کا قد مبارک تقریباً برابر تھا جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قدرے چھوٹا۔ اس دن درود وسلام کے دوران مجھے ایک جگہ نظر آئی جس کے اردگرد ''حا'' لکھا ہوا تھا۔ اس جگہ کے اندر حضور نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے۔ اس جگہ کے اوپر لکھا ہوا تھا:

وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین

اس کے بعد پھر مجھے ایک جگہ نظر آئی جو کالے رنگ کی تھی، جس پر لکھا ہوا تھا ''لوح محفوظ'' اور اس پر سورۃ فاتحہ دائرے میں لکھی ہوئی تھی، جو میں نے پڑھی۔

ایک اور طالب نے اپنی روداد قلب کچھ اس طرح بیان کی: میں اپنے شیخ سید علی گیلانی کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ بعد نماز عشاء بھائی خالد صادق نے درود وسلام پڑھا۔ سلام کے دوران مجھے حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت میاں میر قادریؒ بھی تشریف لائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے سبز رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی زلفیں مبارک بکھری ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک نور علیٰ نور تھا۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ وسفید اور مائل بہ گولائی تھا۔ میں نے جب پہلی بار دیکھا تو حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک میں جمال کی یہ کیفیت تھی کہ دوسری بار آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہ رہی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا چہرہ مبارک حضور نبی اکرم ﷺ سے مشابہ تھا اور مائل بہ گولائی تھا۔ آپؓ کے سر مبارک کے بال کانوں کی لوؤں تک تھے۔ آپؓ کی ریش مبارک لمبی تھی۔ آپؓ کی چشمان مبارک موٹی تھیں۔ جب میں نے حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا تو تاب جمال نہ رہی اور میں دوسری بار نہ دیکھ سکا۔

حضرت بلال حبشیؓ کا رنگ مبارک قدرے سیاہی مائل تھا جس میں سے نور پھوٹ رہا تھا۔ آپؐ کا چہرہ مبارک بالکل گول نہیں تھا بلکہ تھوڑا سا لمبا تھا۔ آپؐ کی داڑھی مبارک صرف ٹھوڑی پر تھی، اطراف میں نہیں تھی۔

رات کے تقریباً دو بجے کا وقت تھا۔ میں نے خواب دیکھا تھا کہ میرے شیخ علی گیلانی کی طرف حضور اکرم ﷺ نے کوئی چیز بھیجی جس پر آپ سوار ہو کر چلے گئے۔ آپ نے طالب بھائی محمد خلیل سے فرمایا کہ ہم چلتے ہیں۔ آپ جامعہ جا کر تمام بھائیوں کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ طالب بھائی محمد خلیل ہمیں آ کر جامعہ سے لے گئے۔ ہم ایک وسیع و عریض میدان میں پہنچے جہاں ہمارے راولپنڈی والے بھائی بھی موجود تھے۔

ہمارے شیخ سید علی گیلانی بھی وہیں کھڑے تھے۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اردگرد صحابہ کرامؓ کے علاوہ اور بہت سے لوگ تھے۔ کوئی جماعت ادھر بیٹھی ہوئی تھی اور کوئی ادھر۔ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت سلطان العارفین سلطان باہو کو بھی دیکھا۔ میں نے سنا گویا حضور نبی اکرم ﷺ یوں فرما رہے تھے کہ فتح ہوگئی، فتح ہوگئی۔ دو تین مرتبہ آپ ﷺ نے اسی طرح فرمایا کہ فتح ہوگئی۔ اس میدان میں زیادہ تر ہمارے طالب بھائی تھے۔

یہ اخبار نویس بزرگ میاں عبدالرشید خود بھی اہل نظر تھے اور چاہتے تھے کہ اپنی آنکھوں سے شیخ گیلانی کی معیت میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کا شرف حاصل کریں۔ وہ بضد تھے کہ شیخ ان کے ساتھ ہی سفر کریں جبکہ شیخ اپنی مرضی سے کچھ بھی کرنے پر قادر نہیں تھے۔ اسی روز جب میاں رشید شیخ سے ملنے آئے تو کہنے لگے:

"میں آپ کو الوداع کہنے آیا ہوں..... حج پر جا رہا ہوں۔"

شیخ گیلانی نے تبسم کیا اور کہا:

"ممکن ہے کوئی آپ کا منتظر ہو۔"

میاں رشید نے سنی ان سنی کر دی اور رخصت ہو گئے۔ ان دنوں حج فلائٹیں کراچی سے جایا کرتی تھیں۔ جب میاں رشید جہاز میں سوار ہوئے اور انہوں نے اپنی سیٹ سنبھالی تو دیکھ کر حیران رہ گئے، ساتھ والی نشست پر شیخ گیلانی بیٹھا ہے۔

"آپ.....؟"

اس نے حیرانگی سے پوچھا۔ لیکن آپ کا نام تو مسافروں کی فہرست میں شامل نہیں۔

"میاں صاحب بعض لوگ فہرست میں شامل نہیں ہوتے لیکن مسافر ہوتے ہیں" شیخ گیلانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

جدہ تک میاں رشید جز بز رہے کہ معاملہ کیا ہے؟ پھر انہیں یقین آ گیا کہ جو کچھ طالبین نے بیان کیا تھا وہ ضرور سچ ہے اور شیخ گیلانی کو نبی کریم ﷺ کی خصوصی شفقت حاصل ہے۔ مدینہ میں دوران قیام جب ایک روز شیخ گیلانی نے میاں رشید کے بضد ہونے پر ان کے ساتھ ہی نماز تہجد ادا کی تو میاں رشید کو دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضری نصیب ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں سفید اور شیخ گیلانی کو سبز دستار عطا کی جس کا تذکرہ میاں رشید احمد اکثر بڑے فخر سے اپنے احباب میں کیا کرتے تھے۔

ان ہی دنوں شیخ گیلانی کے ایک اور ہم مکتب آصف احمد علی نے ان سے دربار نبوت میں حاضری کیلئے بضد ہونا شروع کیا۔ شیخ گیلانی انہیں اپنے ساتھ مدینہ لے گئے اور کہا کہ انشاء اللہ چالیس دنوں میں آپ کو حاضری نصیب ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ چالیس دن آپ نے میرے ساتھ مکمل نمازیں ادا کرنی ہیں۔ نماز تہجد سمیت اور ذکر بھی کرنا ہے۔

آصف احمد علی اپنی متجسس طبیعت کے ہاتھوں یہ بھاری پتھر اٹھانے پہ بھی راضی ہو گئے۔ 38 دن گزر گئے تو ان کا پیمانہ صبر چھلکنے لگا اور شیخ سے بار بار پوچھنے لگے کہ تمہارا وعدہ کب پورا ہوگا۔

شیخ نے کہا میں نے 40 دن کہا تھا اور 39 ویں دن جب دونوں مدینہ سے واپسی پر کراچی میں آصف احمد علی کے ایک عزیز کے گھر نماز تہجد ادا کر رہے تھے تو انہیں حضور نبی کریم ﷺ کے دربار عالیہ میں حاضری نصیب ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ کے جمال کے سامنے آصف احمد علی پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ ﷺ نے شیخ گیلانی کے کان میں کچھ فرمایا اور حاضری ختم ہوگئی۔

آصف احمد علی بضد رہا کہ وہ بتائیں نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق شیخ کے کان میں کیا کہا تھا لیکن شیخ نے انہیں کبھی اس راز سے آگاہ نہیں کیا البتہ آپ ﷺ کا فرمان مبارک سچ ہو گیا۔

☆☆☆

آصف احمد علی نے شیخ گیلانی کے سامنے انتہائی دکھ اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ نے ہمیں کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا تو میں رعب جمال مصطفیٰ کی وجہ سے اتنا بے بس ہو چکا تھا کہ میرے جسم نے چلنے سے انکار کر دیا۔ اس نے شیخ گیلانی سے پوچھا کہ اس کے مریدین نے آصف احمد علی کو جن انوارات و مشاہدات کی تفصیل بتائی تھی کیا وہ مریدین بھی

خواب کی حالت میں ہوتے تھے؟

شیخ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا" آصف احمد علی یہ مشاہدات بقائمی ہوش وحواس قلب کی آنکھوں سے کروائے گئے تھے یعنی طالبان کے اجسام تو اس دنیا میں تھے اور ان کی ارواح اور نوری وجود لاہوت لامکاں میں حاضر ہو کر دیدار الٰہی اور حضوری در مجلس نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوئے اور وہیں ان کی تربیت ہوئی اور ان انتہائی مقامات سے ایک طالب کو مشاہدہ کروانے کا واحد مقصد یہ ہے اور رہے گا کہ طالب کو حق الیقین کے ساتھ عین الیقین بھی حاصل ہو جائے اور وہ اپنی آنکھوں سے ان امور کا مشاہدہ کرے جن پر عوام الناس کا زبانی ایمان ہوتا ہے تاکہ اس کا دل دنیائے مردار سے پھر کر حق تعالیٰ کی طرف رجوع کر جائے اور وہ ان مشاہدات کو ایک فقیر کی کرامات پر یقین رکھتے ہوئے صدق واخلاص سے آگے قدم بڑھائے۔ یعنی مشاہدات کا واحد مقصد طالب کو فقر واخلاق محمدی ﷺ اختیار کرنے کی ترغیب دینا ہوتا ہے اور بے شک یہ ایک بہت کٹھن مقام ہے اسی لیے عام ولایت کے راستے مختلف ہیں۔ عام سلاسل کے طور وطریق اور علوم کو ان حقائق کی بو تک نہیں پہنچی جو ایک طالب صادق کامل فقیر کے پروں کے نیچے اڑتے ہوئے فضائے لاہوت میں حاصل کرتا ہے۔ اسی لیے اے طالب دنیا، اے طالب جنت، اے طالب مولا تو دیکھے گا کہ بہت سے طالب شروع شروع میں جوش وخروش سے ہمارے پاس آئے اور آتے ہیں اور جب ہم انہیں باذن اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے فیض وکرم کے سبب آن واحد میں ان کے حجابات اٹھا کر انہیں عین حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں پہنچا دیتے ہیں تو اس کا قطعی طور پر یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ طالب فقرائے کاملین بن جاتے ہیں یا انتہائی مقام حاصل کر لیتے ہیں۔

ایک کامل فقیر کا فرض ہے کہ وہ ایک طالب صادق کو اس کے انتہائی مقامات کا پہلے ہی مرحلے میں مشاہدہ کروا دے یا کم از کم اس کے حجاب اٹھا دے اور اس کے بعد اسے حکم دے کہ اپنے قلب پر اسم اللہ ذات اور اسم محمد ﷺ تفکر اور تصور کی انگلی سے لکھ کر خوب چمکاتے رہو اور ساتھ ساتھ شرعی علوم میں مکمل دسترس حاصل کرو کیونکہ جس شخص کی شریعت ناقص ہے۔ شیطان اس کو ہزار ہا شعبدے استدراج شیطانی مشاہدات ومجالس میں لے جا سکتا ہے اور ساتھ ساتھ شیخ اپنے طالبین میں اخلاق محمدی ﷺ، فقر محمدی ﷺ، صبر محمدی ﷺ، ایثار محمدی ﷺ، شجاعت محمدی ﷺ کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے اور مجلس حضور نبی اکرم ﷺ میں لے جا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ شاہ فقراء محبوب سبحانیؒ، شہباز فضائے لامکانی، قطب ربانی محی الدین حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ اور سلطان الفقر حضرت سلطان باہوؒ فقیر کامل جنید ثانی حضرت میاں میر قادریؒ سے بھی تربیت دلواتا ہے۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ بہت سے مولا کے طالب بننے کے مدعی حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں پہنچنے کے بعد بھی گمراہ ہو گئے۔ یعنی حق تعالیٰ کی بجائے دنیاوی لذات و شہوات کی طرف رجوع کر گئے بے شک تم ضرور ایسے طالب دیکھو گے جو کہ مجلس حضور نبی اکرم ﷺ سے نکالے گئے اور معرفت الٰہی سے محروم کر دیئے گئے جس کی وجہ محض نہ صرف صدق واخلاص کا فقدان تھا بلکہ حب دنیا اور حب شہوات بدرجہ اتم ان میں موجود تھی۔ یعنی کہ شیخ نے تو یہ سمجھتے ہوئے طالبین کو مجلس حضور نبی اکرم ﷺ میں حضوری کروائی تاکہ وہ صدق اخلاص میں کامل ہو کر فنافی الشیخ، فنافی الرسولؐ اور فنافی اللہ ہو جائیں مگر اس شروع ہی کے مرحلہ میں جو کہ محض آزمائشاً ایک طالب کو اس لیے دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ طالب صادق بن جائے لیکن اس کے برعکس چند ایک لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں پیر یا مشہور شخصیت بننے کی مخفی خواہش ہوتی ہے۔ تو وہ یہ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں کہ انہوں نے اب انتہائی مقام حاصل کر لیا ہے اور اب انہیں نہ شیخ کی ضرورت ہے اور نہ مزید تربیت کی اور وہ اپنی دکان الگ چمکانے کی خاطر شیخ سے یا الگ ہو جاتے ہیں یا پھر جو انہیں ہدایات دی جاتی ہیں ان سے روگردانی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں شاید یہ علم نہیں کہ طالب اگر 70 غلطیاں بھی کرتا ہے تو شیخ ان کیلئے پھر بھی دعا کرتا رہتا ہے اور اپنی طرف سے نسبت ختم نہیں کرتا، جب تک طالب خود اپنی زبان سے علیحدگی کا اعلان نہ کرے لیکن جب طالب میں تکبر، غرور، جہل، شریعت سے دوری آنی شروع ہو جائے تو پھر یہی حضوریاں شیطانی حضوریوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا کی محبت اور دین کی محبت ایک دل میں نہیں سما سکتیں۔ جس طرح آگ و پانی ایک برتن میں نہیں سما سکتے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر دنیا و مافیہا ملعون ہے۔ اسی لیے جو شخص بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہونے کا طالب ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو اس میں دنیاوی محبت ہوگی یا نہیں ہوگی اور جس میں حب دنیا نہیں ہوگی، مرشد کامل بلا ریاضت ومجاہدہ اس کو فی الفور حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں پہنچا دے گا اور یہ پہچاننا کچھ مشکل نہیں جبکہ طالب میں شوق وتڑپ موجود ہو اور مولا کے سوا اس کے دل میں کسی اور کی طلب نہ ہو۔ ایسے طالب سے خود حضور نبی اکرم ﷺ محبت کرتے ہیں اور اپنے اہل بیت میں لے جا کر اس کا تعارف بھی کرواتے ہیں اور نوری دودھ کے پیالوں میں اس کی ضیافت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح جس طالب کے دل میں دنیا کی محبت ابھی باقی ہوتی ہے اس کو حضور نبی اکرم ﷺ بنظر قہر دیکھتے ہیں اور بسا اوقات مجلس سے نکال بھی دیتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص طالب مولا بننا چاہے اور حاضر

درمجلس نوری حضور نبی اکرم ﷺ ہونا چاہے تو اسے اپنے اندر سے دنیاوی محبت کو قطعی طور پر ختم کرنا ہوگا اور شیخ کی اطاعت میں سرمو بھی انحراف نہ کرے۔

یاد رکھو کہ انسانی وجود نجس و پلیڈ کپڑے کی طرح ہے اور اسم اللہ بمنزلہ پانی ہے۔ دائمی ذکر دھوبی کی طرح ہے اور مرشد دھونے والا ہے۔ جب طالب پر اسم اللہ ذات کی تاثیر ہوتی ہے اور معرفت کے رنگ سے بدرجہ کمال رنگا جاتا ہے اور دوئی اس کے وجود سے اٹھ جاتی ہے تو مراقبہ کے وقت جب دل کی طرف نگاہ کرتا ہے تو چشم قلب سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہر ہر بال تلے اسم اللہ منقش ہے۔ اس وقت اس کے جسم کا ایک ایک بال، گوشت پوست، خون، رگیں، ہڈیاں، مغز، دل وغیرہ سب کچھ بمنزلہ زبان ہو جاتا ہے۔ در و دیوار شہر، شجر و حجر، پھول و پھل، پانی و فضا جس چیز کی طرف بھی دیکھتا ہے، جدھر دیکھتا ہے، جو کچھ سنتا ہے اور کہتا ہے وہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسم کو ہی دیکھتا ہے، کیونکہ اللہ بارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

"جو چیز بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے
اور وہ غالب صاحب حکمت ہے"

بے شک عالم خفی و ظاہر متقی ہونا آسان ہے۔ پیر، شیخ، مشائخ ہونا بھی آسان ہے کیونکہ یہ تمام راستے نیکی جنت کشف و کرامت کے ہیں۔ لیکن فقیر فنا فی اللہ ہونا بہت مشکل ہے کیونکہ جب طالب اللہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا نفس، قلب، روح بھی ذکر سلطان میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

"طالب کیلئے شرعی علوم کا جاننا ضروری ہے؟" آصف احمد علی نے پوچھا۔

"جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی متابعت کے بغیر طالب بنے یا شیخ بنے تو یقیناً گمراہی کے راستے پر چلے گا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں جب تو کسی صوفی کو دیکھے اور اس کے سامنے تفسیر دائیں ہاتھ، حدیث بائیں طرف، فقہ کی کتابیں نہ ہوں تو سمجھ لے کہ شیطان ہے اور جو کچھ اس شے ظاہر ہوتا ہے وہ مکر اور استدراج ہے۔ جان لو کہ شیطان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جن شیطان جو عام مشہور ہیں۔ دوئم انسانی شیطان جیسے جاہل شیخ اور ناقص طالب کیونکہ یہ دونوں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں کیونکہ اگر شیخ جاہل ہے تو لامحالہ اس کے طالب بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں کیونکہ اس راستے پر شیطان طرح طرح کے استدراج و مشاہدے دکھاتا ہے اور نفس بھی یعنی انسان کے اندر اس کی مخفی خواہشات بھی متشکل ہو کر طالب کو گمراہ کرتی ہیں۔ کبھی تو قسم قسم کے باغات، خوبصورت لڑکیاں، نہریں، محلات، عرش کرسی وغیرہ دکھاتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ کامل مرشد وہ ہے جو طریقت کے چاروں مراتب سلامتی

کے ساتھ عبور کروا دے اور حقیقت تک پہنچا دے۔"

"چاروں طریقے کیا ہیں؟" آصف احمد علی کا تجسس بڑھنے لگا۔

"اول طریقت جو صاحب طریقت پر نازل ہوتی ہے وہ محض نفس سے بہ شکل کشف و کرامات ظہور میں آتی ہے جس سے انسان بہت خوش ہوتا ہے اور اس کے نفس کو تقویت پہنچتی ہے اور ایسا کرنے سے قرب و وصال الٰہی سے محروم رہ جاتا ہے اگرچہ یہ مقام لوگوں کی نظروں میں مقبول ہے لیکن درحقیقت حجاب ہے۔

دوئم وہ طریق جو صاحب طریقت پر نازل ہوتا ہے جس سے جن وانس کثرت سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دنیا و اہل دنیا اس کے تصرف کے نیچے آجاتے ہیں۔ ایسا شخص عوام کیلئے تو فریاد رس ہے لیکن خالق کے نزدیک خام اہل ہوا و ہوس ہے۔

سوئم وہ طریق جو صاحب طریقت پر نازل ہوتا ہے وہ چرند و پرند کا سحر کرتا ہے اور خلقت کے نزدیک تو یہ طیر و سیر ہے لیکن خالق کے نزدیک مراتب غیر سے ہے۔

چہارم وہ طریق جو صاحب طریقت پر نازل ہوتا ہے وہ ناسوت، جبردت اور ملکوت کے مقامات اور طبقات کا مشاہدہ اور ان کا سیر ہے۔ جس میں خلقت تو اسے غوث اور قطب خیال کرتی ہے لیکن اہل عرش سے تحت الثریٰ تک ستر ہزار مقامات ہیں جن کا انتہائی مرتبہ معرفت اور حقیقت سے محروم ہوتا ہے۔ یہ مقام توحید مطلق کا مقام ہے جس میں بندہ فقیر نہ خدا کا محتاج ہوتا ہے نہ اس کو وہاں مشاہدہ قرب و حضور ہوتا ہے کیونکہ جب ذات سے ذات مل گئی تو پھر قطرہ در بحر، بحر در قطرہ کا مقام توحید مطلق کہلاتا ہے۔ جس میں ذات، ذات کے ساتھ اس طرح مل جاتی ہے کہ قرب و حضور دوری و وصال بندگی و ربوبیت سب احدیت کے بحر میں گم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس کی نسبت ہویت کی حا سے ہے جو کہ اسم اللہ اور اسم ھو کی اصل ہے اور دونوں کے درمیان ایک برزخ ہے یعنی احدیت اور وحدیت یہ مقام ہونے کے باوجود بھی لامکان اور لامقام ہے یہ مرتبہ جمع الجمع کا ہے یہ انتہائی مرتبہ ہے جس کی طرف راغب کرنے کے لئے ایک فقیر کامل اپنے طالبین کو حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں لے جاتا ہے تاکہ ایمان و یقین میں کامل ہو کر اس انتہائی مرتبہ کے حصول کیلئے صدق و اخلاص سے آگے بڑھیں۔

1975ء کی ایک شام.....!

قاہرہ میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی نفسیاتی عوارض پر تین الاقوامی کانفرنس جاری ہے جس میں دنیا بھر سے ماہرین نفسیات شرکت کر رہے ہیں۔ نفسیاتی عوارض خصوصاً ذہنی عوارض جو بعد میں پیچیدہ اور ناقابل علاج جسمانی عوارض میں تبدیل ہو جاتے ہیں کا علاج زیر بحث ہے۔ جب سعودی ڈاکٹر اسامہ رازی اچانک ایک نیا نظریہ پیش کر کے کانفرنس میں ہلچل مچا دیتے ہیں۔

''ناقابل علاج دماغی اور نفسیاتی عوارض کا علاج خواہ ان کی وجہ سے مریض جسمانی طور پر قریب المرگ ہی کیوں نہ ہو قرآنی آیات کے ذریعے ممکن ہے۔'' انہوں نے تھیسس کے اختتام پر کہا۔ کانفرنس میں موجود سینکڑوں ماہرین چونکہ خصوصاً مغربی ممالک اور امریکہ کے ماہرین نے اس بات کو مذاق سے زیادہ اہمیت دینے سے انکار کر دیا ان کے ہاتھ تو ایک مقصد آ گیا تھا اسلام کو نیچا دکھانے کا۔

''جناب صدر! اگر ایسا ممکن ہے تو اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایئے کیونکہ میڈیکل سائنس اعتقادات پر نہیں عملی اقدامات پر یقین رکھتی ہے۔ امید ہے میرے دوست ڈاکٹر اسامہ رازی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے'' امریکہ کے ایک یہودی ڈاکٹر نے تمسخر بھرے انداز میں کہا۔

اس کانفرنس میں موجود مسلم ممالک کے ڈاکٹر صاحبان کو بھی اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ماڈرن سائنس کے استاد ہونے کے ناطے اسے تسلیم بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان میں پاکستان کے مشہور ماہر نفسیاتی عوارض، ڈاکٹر رشید چودھری بھی موجود تھے۔

ڈاکٹر اسامہ رازی سعودی عرب لوٹے تو انہوں نے شیخ عبداللہ بن باز سے رابطہ کیا اور رہنمائی چاہی۔

شیخ بن باز نے انہیں کہا کہ بیان کی حد تک آپ کی بات بالکل درست ہے۔ قرآن پاک میں چھ آیات شفا موجود ہیں لیکن ان کو کس طرح روبہ عمل لایا جائے؟ اس سوال کا جواب ان کے پاس موجود نہیں تھا۔

ڈاکٹر اسامہ رازی کی پریشانی بڑھنے لگی تھی۔ وہ جس بات کا دعویٰ کر چکے تھے اسے سچ ثابت نہ کرنے کی صورت میں ان کی اپنی عزت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ بلاد عرب کے بعد انہوں نے پاکستان کا رخ کیا اور یہاں سید مودودیؒ سے ملاقات کی جنہوں نے شیخ عبداللہ بن باز کی بات کی تصدیق کی اور ان آیات کی نشاندہی بھی فرمائی لیکن ان کے عملی مظاہر سے معذرت کرتے ہوئے انہیں مشورہ دیا کہ اس ضمن میں وہ کسی مسلم صوفی سے رابطہ کریں کیونکہ صوفیا میں یہ روایت موجود ہے اور قدیم تاریخ میں بھی اس کے ثبوت ملتے ہیں۔

ڈاکٹر اسامہ رازی لاہور میں تھے تو انہیں علم ہوا کہ شیخ گیلانی نے قرآنی سلسلہ علاج جاری کیا ہوا ہے اور اس کے عملی مظاہر بھی سامنے آ چکے ہیں۔ شیخ گیلانی سے ملاقات کی بجائے انہوں نے شفایاب ہونے والے مریضوں سے رابطہ زیادہ ضروری جانا اور سینکڑوں میل کا سفر کر کے سوات کے اس علاقے میں پہنچے جہاں موجود سابقہ مریضوں نے انہیں بتایا کہ ''شاہ صاحب کے جنوں نے ہمارا علاج کیا تھا۔'' ڈاکٹر اسامہ رازی کو امید بندھی وہ جان گئے کہ یہ ان پڑھ لوگ قرآنی آیات کے ذریعے ہونے والے علاج کو جنوں کی کرامات سمجھ رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے شیخ گیلانی سے رابطہ کیا تو ان دنوں لاہور میں اپنا فرانک انسٹی ٹیوٹ چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر اسامہ رازی نے انہیں تمام تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد بتایا کہ اگر غیر ملکی ڈاکٹروں کے سامنے اس کا عملی مظاہرہ نہ ہوا تو صورت حال بگڑ سکتی ہے اور غیر مسلموں خصوصاً یہودیوں کو اسلام کا مذاق اڑانے کا بہانہ ملے گا۔

شیخ گیلانی نے کہا کہ انشاء اللہ ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا کیونکہ قرآن اور سلام کی حقانیت قیامت تک برحق ہے۔ اس نے ڈاکٹر اسامہ رازی سے کہا کہ اگر اللہ ان میں سے کسی کو اپنے دین مبین کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے بطور وسیلہ قبول کر لیں تو یہ اس کا احسان اور انعام ہے ورنہ اللہ کو اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے ڈاکٹر رازی کو بتایا کہ مکہ کے مشرکین کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ اللہ اپنے گھر کی خود حفاظت کر سکتا ہے۔ اسی یقین نے ابرہہ کے لشکر کو ابابیلوں کے ذریعے بھوسے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا۔

اس نے ڈاکٹر اسامہ رازی سے کہا کہ ''صوفیا'' سے متعلق غلط نظریات کا پرچار اور انہیں جانے بغیر ان کے متعلق غلط رائے قائم کرنا جہالت ہے کیونکہ تصوف اسلام کی روح ہے خدانخواستہ کوئی غیر اسلامی بدعت نہیں۔

''ڈاکٹر صاحب جان لیجیے کہ شریعت اور طریقت کوئی الگ الگ دو چیزیں نہیں ہیں۔

خواہشات نفس جاہ دنیا اور شیطانی راہ سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے قرب ووصال کی راہ اختیار کرنا اصطلاح تصوف میں طریقت کہلاتا ہے۔ خالص رضائے الٰہی کا مقصود اور ہر حالت میں اسی عشق و تصور میں رہنا اس حقیقی منزل کے روحانی ونورانی سفر میں رہ کر یعنی دنیا سے ماورا ہو کر وراء الورئی ذات سے طالب ومتلاشی ہونا سلوک طریقت ہے۔"

اس نے ڈاکٹر رازی کو حضرت جنید بغدادیؒ کی زبانی تصوف کی تعریف بتائی: "تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کردے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کرے۔"

"ڈاکٹر صاحب تصوف صفاء یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔"

اس نے مبہوت ڈاکٹر کو جھنجوڑا۔ "ان دو میں پہلی بات (صفاء) سبب ہے اور دوسری بات (مشاہدہ) غایت اور مدعا ہے اور یہ کوئی آسان راستہ نہیں سالک کیلئے لازم ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے صفات مذمومہ کو مٹائے۔ تمام تعلقات کو بجز اللہ توڑ ڈالے اور فنا فی اللہ ہو جائے جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بھی۔"

ڈاکٹر رازی حیرت سے شیخ گیلانی کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شیخ گیلانی کی خواہش تھی کہ پہلے ڈاکٹر رازی کا اعتقاد مضبوط کرے اور اسے اس بات کا یقین دلا دے کہ اس نے کوئی غلط دعویٰ نہیں کیا۔

"ڈاکٹر صاحب تصوف کا ماخذ ہندو "وید" نہیں نہ ہی صوفیا کی چلہ کشی اور ریاضت کو ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے منسوب کرنا قرین انصاف ہے۔ ہمارے ہادی وراہبر ختمی مرتبت ﷺ ہیں کیا آپ نے غار حرا میں چلہ کشی نہیں کی ﷺ اور ذکر الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام کیا قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بصراحت موجود نہیں؟" اس نے ڈاکٹر رازی کو قرآن کی درجنوں آیات اور احادیث مبارکہ کا حوالہ دے کر کہا۔

جب شیخ گیلانی نے ڈاکٹر اسامہ رازی کے سامنے قرآن پاک کی سورۃ الحدید کی یہ آیات تلاوت کیں تو وہ سسکیاں لے کر رونے لگا:

"خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی محض لہو ولعب، زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال واولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے جیسے مطلے بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا

مندی بہت بہتر چیز ہے اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان" (الحدید۔20)

شیخ گیلانی کی صحبت کا فیض تھا قرآن کریم کی حقانیت تھی کہ ڈاکٹر اسامہ رازی کو اپنے آنسوؤں پر قابو پانا کارد ارد ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اس رات ڈاکٹر رازی نے شیخ گیلانی کے ساتھ "ذکر" کیا اور اللہ نے اسے ایسے انوارات سے فیض یاب کیا کہ اس کا دل یہ بات ماننے لگا ضرور وہ شیخ گیلانی کے ذریعے اپنی بات سچ ثابت کردے گا۔

صبح ڈاکٹر رازی رخصت ہوا اور دوسرے دن کچھ سعودی ڈپلومیٹس کے ساتھ دوبارہ اس کی آمد ہوئی۔ وہ بھی اس شخص کو دیکھنا اور جاننا چاہتے تھے جس نے اس نازک کام کا بیڑہ اٹھایا تھا۔

"دیکھ لینا شیخ یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ مجھے تو کاروار دہی لگتا ہے۔"

سعودی کونسلر خالد نے کہا۔

شیخ نے اس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جس نے کونسلر خالد کو احساس دلا دیا کہ اس کو یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ شیخ نے اسے قرآن کی وہ آیات سنائیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اس میں شفا عطا فرمائی۔ اس نے کونسلر خالد کو نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث سنائی جس میں آپ ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو آیت شفا قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس میں سوائے موت کے اور سب امراض کیلئے شفا موجود ہے۔

"صوفیا دنیا کے سامنے تماشا نہیں لگاتے کونسلر صاحب، لیکن چونکہ اب یہ چیلنج بن چکا ہے تو اسے دین مبین کی برتری ثابت کرنے کیلئے قبول کرنا لازم ہے"

اس نے اپنی بات مکمل کی۔

شیخ گیلانی نے ان کے سامنے صرف دو شرائط رکھیں۔ اس نے کہا کہ وہ جو بھی کام کرے گا وہ "فی سبیل اللہ" ہوگا۔ اگر اس کا کوئی وظیفہ یا انعام مقرر کیا گیا تو اس میں دنیاوی طمع شامل ہو کر اسے نقصان پہنچا سکتا ہے کیونکہ یہ کام وہ صرف خالص اللہ کیلئے کرنا چاہتا ہے۔

دوسری شرط اس نے یہ پیش کی کہ اس کیلئے ایک الگ وارڈ مخصوص ہوگا جس میں مظاہرہ دیکھنے والے، کام کرنے والے، متعلقہ سٹاف سب مرد ہونگے۔ کوئی خاتون وہاں دکھائی نہیں دے گی۔

سعودیوں نے دونوں شرائط مان لیں اور شیخ گیلانی اگلے ہفتے ان کے ساتھ عازم جدہ ہو گئے جہاں "طائف" کے مینٹل ہسپتال کا ایک وارڈ اس کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔

ڈاکٹر رازی نے ''ڈبلیو ایچ او'' کو مطلع کردیا اور ڈاکٹروں کی ایک ٹیم شیخ گیلانی کے طریق علاج اور اس کا عملی مظاہرہ دیکھنے پہنچ گئے۔ پہلا مریض جو شیخ گیلانی کے سامنے لایا گیا وہ ''ناقابل علاج'' قرار دیا جاچکا تھا اور جسے جنون پڑنے پر نشہ آور ادویات اور بجلی کے جھٹکوں کے ذریعے وقتی طور پر نارمل کردیا جاتا تھا۔ مریض احمد سلمٰی کا حالت ناقابل بیان تھی۔ اس کا مرض ناقابل سمجھ۔

احمد سلمٰی کو عالم ہوش میں اپنے چاروں اطراف سانپ ہی سانپ دکھائی دیا کرتے تھے۔

شیخ گیلانی نے اس کی کیس فائل پڑھی اور اپنے اردگرد موجود ڈاکٹروں سے کہا:

''یہ اس کے اعمال ہیں جو اسے سانپ بن کر دکھائی دے رہے ہیں۔''

سیکرٹری جنرل انٹرنیشنل سائیکاٹری سوسائٹی برطانوی ڈاکٹر ڈینس بیساختہ ہنس دیا لیکن گیلانی سنجیدہ رہا۔ اس نے ڈاکٹروں کو وہ حدیث سنائی کہ جب ایک شخص کو دفنایا جارہا تھا تو اس کی قبر سے سانپ برآمد ہونے لگے۔ مارنے پر بھی وہ ختم نہ ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے اسے سانپوں کے ساتھ دفن کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ یہ اس کے اعمال ہیں۔''

اس نے ڈاکٹر ڈینس کی طرف دیکھ کر کہا ''میں جانتا ہوں تمہارے نزدیک ابھی یہ باتیں محض افسانہ ہی ہیں اور تم فرائیڈ کی تھیوری کے ذریعے اسے مریض کی جنسی خواہشات کی عدم تکمیل ہی جانتے ہو لیکن یہی وہ باطل نظریات ہیں جن کے ذریعے تم ایسے مریضوں کو موت کے منہ تک پہنچا دیتے ہو۔''

اس نے مریضوں کو اپنے کمرے میں اپنے ساتھ رکھنے کی ہدایت کی تو ہسپتال کے عملے نے بتایا کہ یہ بڑا خطرناک مریض ہے۔ اس وقت تو نشہ آور ادویات کے زیر اثر نارمل دکھائی دے رہا لیکن جیسے ہی یہ اثر ختم ہوگا اس پر وحشت طاری ہوجائے گی اور عین ممکن ہے کہ یہ اپنے معالج کی جان بھی لے لے۔

''آپ میری ہدایت پر عمل کریں کیونکہ اس کا وعدہ کرچکے ہیں بصورت دیگر میں واپس چلا جاؤں گا۔''

اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

بادل نخواستہ اس کی بات مانی گئی لیکن ڈاکٹر ڈینس اور دوسرے ڈاکٹر بھی اس کے سرہانے کھڑے رہے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ شیخ گیلانی کہیں کوئی خفیہ دوائی وغیرہ تو اسے نہیں دے گا؟

شیخ گیلانی نے مریض کے ''قلب'' پر توجہ کی تو وہ کچھ سکون محسوس کرنے لگا۔ اس نے مریض کو غسل کروایا۔ اس سے توبہ کروائی اور اپنے ساتھ ''ذکر'' پر بٹھا لیا۔ اگلے روز مریض نے

کوئی دوا لیے بغیر خود کو نارمل ظاہر کیا تو ڈاکٹر شش و پنج میں پڑ گئے۔ شیخ گیلانی نے اسے نماز پڑھائی جو اس کے معالجوں کے نزدیک معجزے سے کم بات نہیں تھی۔ اس نے مریض کو دوبارہ اپنے سامنے بٹھا کر قرآنی آیات کی تلاوت کی۔ اس کے دل میں اسم اللہ ذات کا تصور پختہ کیا اور ہدایت کی کہ جب بھی اسے سانپ دکھائی دیں ان پر اسم اللہ نقش کردے۔ احمد سلمٰی اطاعت گزاروں کی طرح شیخ گیلانی کی باتوں پر عمل کررہا تھا۔ اس نے شیخ گیلانی کے کہنے کے بغیر ہی نماز میں باقاعدگی پیدا کرلی۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا البتہ سات دن تک شیخ گیلانی نے اسے اپنے ساتھ ''ذکر'' کروایا جس کے بعد اعلان کردیا کہ مریض اللہ کے فضل سے شفایاب ہوچکا ہے۔

ڈاکٹر وینس اور اس کے ساتھیوں نے احمد سلمٰی کے تمام ٹیسٹ خود لیے۔ اس کے دماغ میں خون کا دباؤ اور ذہنی حالت کو جانچنے والا ''ای ای جی'' ٹیسٹ کیا اور ان کی آنکھیں سامنے دھری رپورٹس پر جم کر رہ گئیں جہاں اس کے تمام ٹیسٹ نارمل ہونے کی تصدیق موجود تھی۔

☆☆☆

اگلے روز جس مریض کو پیش کیا گیا، اسے دس سال سے کمر درد کا ناقابل علاج عارضہ لاحق تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے تمام جسمانی ٹیسٹ نارمل تھے لیکن کمر درد ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے نفسیاتی عارضہ قرار دے دیا اور مینٹل ہسپتال میں اس کا علاج شروع ہوا تو دوسرے نفسیاتی سقم بھی ظاہر ہونے لگے۔ اس شخص کا تعلق کسی اچھے گھرانے سے تھا اور اس کے لواحقین نے دنیا بھر کے ڈاکٹروں سے اس کا علاج کروا کر دیکھ لیا لیکن کمر درد ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

شیخ گیلانی کے کمرے میں جب اسے لایا گیا تو اس نے فوراً اے سی بند کرنے کیلئے کہا کیونکہ بصورت دیگر اسے کمر درد میں ایسی شدت پیدا ہوتی کہ جس سے پڑنے والے دورے اس کے معالجوں کو پریشان کر کے رکھ دیتے۔

شیخ گیلانی نے ایک چینی کی پلیٹ منگوائی جو فوراً فراہم کردی گئی۔ اس نے وقتی طور پر ایئر کنڈیشنر بند کردیا اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت شروع کی۔ سورۃ فاتحہ اور درود شریف مخصوص تعداد میں پڑھ کر وہ مریض پر پھونکتا رہا پھر اس نے چینی کی پلیٹ پر کچھ قرآنی آیات لکھیں اور کہے کہ ڈاکٹر ڈینس اور ڈاکٹر گبز سے کہا وہ پانی کی بوتل لائیں۔ دونوں نے اپنے پاس سے اسے پانی کی بوتل دی۔ انہیں شک تھا کہ شیخ نے پہلے سے پانی کی بوتل میں کوئی دوا نہ ملا رکھی ہو۔

شیخ گیلانی نے پانی کی بوتل سے پلیٹ پر پانی ڈالا پھر اس پانی کو جس میں لکھی ہوئی قرآنی آیات کی سیاہی شامل تھی ایک گلاس میں ڈال کر مریض کو پلا دیا۔ ڈاکٹر ڈینس اس سارے عمل کی کیمرے سے فلم بنا رہا تھا اور دوسرے ڈاکٹر حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

پلیٹ میں پانی ڈال کر شیخ گیلانی مریض کو اس وقت تک پلاتا رہا جب تک کہ قرآنی آیات مکمل طور پر صاف نہ ہوگئیں۔ اس کے بعد اس نے ایئر کنڈیشنر چلانے کی ہدایت کی۔ حیرت انگیز طور پر مریض نے اعتراض نہ کیا۔ وہ ابھی تک ایک تختے پر لیٹا ہوا تھا۔

''اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ نے تمہیں شفا دے دی ہے۔''

شیخ نے اس پر ''توجہ'' کرنے کے بعد کہا۔ مریض صحت مند لوگوں کی طرح اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ڈاکٹر حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹروں سے زیادہ مریض کو حیرت ہو رہی تھی کہ دس سال پرانا درد کہاں غائب ہوگیا۔ ڈاکٹر ڈینس نے اسے مختلف پوزیشنوں میں گھما کر، جھکا کر، دائیں بائیں موڑ کر اچھی طرح تسلی کر لی کہ مریض بالکل نارمل ہو چکا ہے۔

''آپ نے اسے کیا لکھ کر پلایا تھا؟''

پاکستانی ڈاکٹر نے سوال کیا۔

''قرآن پاک میں چھ آیات شفا موجود ہیں جو میں نے پلیٹ پر لکھی تھیں۔ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا اور ہم ہر کام کے اول آخر میں درود شریف ضرور پڑھتے ہیں تاکہ اللہ اپنے نبی کریم ﷺ کے صدقے سے قبول فرمالیں''

شیخ گیلانی نے جواب دیا۔

پاکستانی ڈاکٹر کے دماغ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ ایسا ماننے سے اس کا اچھا خاصا بزنس نقصان میں جا سکتا تھا۔

مریض دس سال بعد پہلی مرتبہ خود کار چلا کر اپنے گھر پہنچا تو وہاں جشن کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ڈاکٹر ڈینس اور دوسرے ڈاکٹرز جن کے سامنے یہ مظاہرے ہو رہے تھے اپنی آنکھوں سے دیکھے اس مظاہرے کو غلط قرار نہیں دے سکتے تھے لیکن ان کے گمراہ ذہنوں نے انہیں ہمیشہ منفی سوچ کی طرف مائل رکھا۔

''اس شخص کے جسم میں الیکٹرومیگنٹ شعاعیں گزرتی ہیں.....'' اپنے ڈاکٹر ساتھیوں کے ساتھ میٹنگ روم میں موجود ڈاکٹر ڈینس نے اپنی دانست میں سائنسی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''جب مریض کو سامنے لایا جاتا ہے تو یہ ''ریز'' اس کے دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں اور وہ

ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

''لیکن اس سے الگ ہونے کے بعد بھی وہ ٹھیک ہی رہتا ہے۔''

ڈاکٹر گمز نے ڈاکٹر ڈینس کی رائے کو غلط بتاتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر ڈینس خاموش ہوگیا۔

''دراصل مسلمانوں میں عقیدہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جب مریض کو یہاں لایا جاتا ہے تو اسے پہلے ہی سے بتا دیا جاتا ہے کہ اس کا علاج ایک صوفی نے جو آل رسول ﷺ اور گیلانی النسل سید بھی ہے نے کرنا ہے تو اسے پہلے ہی سے امید بندھ جاتی ہے اور اس امید کو مزید پختگی شیخ گیلانی ہپناٹزم کے ذریعے عطا کرتا ہے۔''

پاکستانی ڈاکٹر نے دل کی بھڑاس نکالنی چاہی۔

''لیکن سب جانتے ہیں وہ مریض کو ہپناٹائز نہیں کرتا''

مصری ڈاکٹر نے کہا۔

''ہاں! لیکن وہ قرآنی آیات کے ذریعے ذہن کو مسمرائز کر دیتا ہے۔''

پاکستانی ڈاکٹر نے پھر بودی دلیل کا سہارا لیا۔

''یہی بات تو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں ڈاکٹر صاحب''

ڈاکٹر رازی نے کہا..... ''قرآن پاک کی آیات میں شفا موجود ہے۔ آپ اسے کوئی بھی نام دے لیں۔''

اب پاکستانی ڈاکٹر کے پاس سوائے خاموش رہنے کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر گیلانی کی شہرت زور پکڑنے لگی اور سعودی عرب کے کونے کونے سے مریض یہاں لائے جانے لگے جنہیں وہ قرآن پاک کی مختلف آیات پڑھنے کی ترغیب کے ساتھ رخصت کرتا۔ مریض شفایاب ہو جاتے۔ اس دوران اس نے اپنا تبلیغی مشن بھی جاری رکھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسلام کی حقانیت ڈاکٹر گمز پر غالب آ رہی ہے اور اس کے عملی مظاہرے نے اس کے دل و دماغ میں تبدیلی پیدا کی ہے وہ ڈاکٹر گمز کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرتا رہا۔ اس نے ڈاکٹر گمز کو بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی نہیں ہوئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا تھا۔

''How can it be possible (یہ کیسے ممکن ہے)؟''

ڈاکٹر گمز نے ہی پوچھا۔ اس کا دماغ اس بات کو ماننے سے انکاری تھا۔ اس نے گیلانی

سے کہا کہ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی۔

''اچھا! کل پرسوں تک تم اسے جان جاؤ گے''

اچانک ہی گیلانی پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جس کا نظارا اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ ڈاکٹر گبز کر چکا تھا۔

ڈاکٹر گبز کا گھر ہسپتال سے پانچ میل دور تھا۔ دوسرے روز شام کے وقت وہ اپنے گھر کے لان میں چائے پی رہا تھا جب اچانک اسے شدید آندھی چلنے کا احساس ہوا لیکن یہ احساس بمشکل چند ساعتوں پر محیط تھا۔ جب وہ عالم ہوش میں لوٹا تو گھر کے عام کپڑوں میں شیخ گیلانی کے کمرے میں اس کے سامنے موجود تھا۔

''Why I am here (میں یہاں کیسے آگیا)؟''

اس نے شیخ گیلانی کی طرف حیرانگی سے دیکھ کر پوچھا۔

''اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی آسمان پر اٹھالیا تھا۔ اگر تم یہاں سے پانچ میل دور سے اچانک یہاں آگئے ہو تو اللہ کے لئے سب کچھ ممکن ہے''

شیخ گیلانی نے بڑے پرسکون لہجے میں اسے جواب دیا۔

ڈاکٹر گبز حیرت اور خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اپنے گھر واپس لوٹ گیا۔ اگلے روز اس نے گیلانی سے انگریزی ترجمے والا قرآن پاک پڑھنے کیلئے منگوایا اور کچھ دنوں بعد اسلام کی حقانیت پر ایمان لا کر اسلام قبول کرلیا۔

یہ ''حادثہ'' ڈاکٹر ڈینس کیلئے بڑا پریشان کن تھا لیکن وہ اس کی حقیقت سے انکار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا لاینل کیس ضرور آجائے جس میں شیخ گیلانی کو ناکامی ہو اور اس کی مراد بر آئے۔

ابھی تک تو ایسا بظاہر ممکن دکھائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ یہاں جو مریض لائے جاتے وہ شفایاب ہوکر واپس لوٹ جاتے۔

اس روز بھی معمول کے مطابق سب ڈاکٹر کامن روم میں گپ شپ کر رہے تھے جب اچانک ہی ہسپتال میں ''ریڈ الرٹ'' ہوگیا۔

سعودی عرب پر ان دنوں شاہ خالد کی حکومت قائم تھی اور شاہ فہد کراؤن پرنس کی حیثیت سے بہت معتبر شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ اطلاع ملی کہ شاہ فہد کا ایک انتہائی قریبی عزیز ''عبداللہ صالح ابراہیم'' جو پانچ دن سے ''تومہ'' کی حالت میں ہے اور ریاض (جہاں وہ وزیر علاج تھا کے) معالج

اسے مردہ قرار دے چکے ہیں کو شیخ گیلانی کے پاس لایا جارہا ہے۔

☆☆☆

''اب دیکھیں گے اس کی ہوشیاری''

ڈاکٹر ڈینس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے کر فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔

انہوں نے شیخ گیلانی کو جو عموماً ان کے ساتھ بیٹھنے سے احتراز برتتا تھا اور اپنے کمرے میں ہی ذکر و فکر میں مشغول رہتا تھا، اطلاع کردی کہ ہسپتال میں ایک ''وی وی آئی پی شخصیت'' آرہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سعودی انٹیلی جنس کے اہلکار بھی وہاں پہنچ گئے جنہوں نے سارے ہسپتال کو اپنے کنٹرول میں کرلیا۔

شیخ گیلانی کیلئے یہ اطلاع پرکاہ جتنی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس نے ڈاکٹر ڈینس سے کہا'' اللہ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ کسی کالے کو گورے یا گورے کو کالے پر مال و دولت یا جاہ و منصب کے سبب فضیلت نہیں دی گئی بلکہ میرے نبی کریم ﷺ نے اس کے تقویٰ کو بڑائی اور برتری کی بنیاد بتایا ہے۔ میرے لیے وہ صرف ایک مریض ہے باقی مریض کی طرح.....''

ڈینس دل ہی دل میں مسکرایا کہ گیلانی اب ضرور پھنسے گا۔ اسے شاید یہاں کے حالات کا علم نہیں۔

ڈاکٹر ڈینس اور اس کے ساتھی ایئرپورٹ سے مریض کو لینے کیلئے خود ہسپتال کی ایمبولینس کے ساتھ گئے تھے۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مریض کو ایک خصوصی طیارہ ریاض سے طائف لایا تھا اور اس کے ساتھ بیس ڈاکٹروں کی ایک ٹیم بھی آئی تھی۔ محافظوں کی تو گنتی بھی ممکن نہیں تھی۔ ایک خصوصی ایمبولینس اور حفاظتی گارڈز کے جلوس کے ساتھ عبداللہ صالح ابراہیم کو ہسپتال پہنچایا گیا۔

شیخ گیلانی نے اسے سٹریچر سمیت کمرے میں چھوڑنے اور باقی تمام لوگوں کو باہر نکل جانے کی ہدایت کی۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

سکیورٹی چیف نے عربی زبان میں کہا۔

میں یہاں تمہاری نہیں اپنی شرائط پر مریضوں کا علاج کرتا ہوں۔ اگر منظور ہے تو ٹھیک ورنہ اسے جہاں سے لائے ہو وہیں واپس لے جاؤ۔''

شیخ گیلانی نے اتنے کرخت لہجے میں یہ بات کی کہ سکیورٹی چیف سہم کر رہ گیا۔ اس نے بے بسی کے انداز میں ڈاکٹروں کی طرف دیکھا۔ جنہوں نے تھوڑی رد و کد کے بعد شیخ گیلانی کی بات

ماننے پر رضامندی ظاہر کر دی۔

سب لوگ باہر چلے گئے

شیخ گیلانی نے مصلیٰ بچھایا اور اپنے اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو کر گڑگڑایا۔

یا اللہ میں تیرے کلام پاک کی حقانیت سچ ثابت کرنے کے لیے پاکستان سے یہاں آیا ہوں۔ گو کہ تو اس بات کا محتاج نہیں نہ ہی تیرا کلام مقدس اس کا محتاج ہے لیکن میری غیرت ایمانی داؤ پر لگی ہے۔ یا اللہ! میری شرم رکھ لے۔ مجھے علم نہیں کہ اس شخص کا مرض کیا ہے۔ یہ پانچ دن سے ''قومہ'' میں ہے۔ یا اللہ! اگر تو نے اسے مارا ہے تو اپنے فضل و کرم سے زندہ کر دے اگر بے ہوش ہے تو اٹھا کر ہوش میں لے آ......''

جائے نماز اس کے آنسوؤں سے بھیگ رہی تھی۔ جب اسے ''اذن'' مل گیا۔ شیخ گیلانی نے آنسوؤں سے تر اپنا چہرہ اٹھایا۔ اپنا رخ مریض کی طرف کیا اور کہا۔

''اللہ کے حکم سے اٹھ کر کھڑا ہو جا''

عبداللہ صالح ابراہیم کسی میکانکی عمل کے تحت سٹریچر سے اٹھا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

شیخ گیلانی کی زبان بارگاہ صمدیت میں شکر گزار رہی تھی جب عبداللہ صالح ابراہیم اچانک رونے لگا۔ پھر وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور شیخ گیلانی کے گلے سے لگ گیا۔

شیخ گیلانی کے گلے سے لگ کر وہ مسلسل رو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی زبان سے کلمات تشکر ادا ہو رہے تھے۔ شیخ گیلانی قرآنی آیات کے ذریعے اللہ کی حمد و ثنا کر رہا تھا اور عبداللہ صالح کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے مردہ دل نے دوبارہ زندگی پائی ہے۔ اسے اپنے وجود میں سر سے پاؤں تک زندگی کی تازہ حرارت دوڑنے کا احساس ہو رہا تھا اور آنسو مسلسل جاری تھے۔

''اللہ کے اس احسان کو کبھی نہ بھلانا کہ اس نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔ اس فقیر کی شرم رکھ لی۔''

شیخ گیلانی نے اس کی کمر تھپتھپا [illegible] سے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

آدھ گھنٹہ سے دروازے کے باہر انتظار کے کرب سے حواس باختہ سکیورٹی اہلکاروں اور ڈاکٹروں کے سامنے جب شیخ گیلانی کے کمرے کا دروازہ کھلا تو ان کی زندگیوں کی سب سے بڑی حیرت ان کی منتظر تھی۔

عبداللہ صالح ابراہیم اپنے قدموں پر کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور زبان اللہ کے احسان کا مسلسل ذکر کر رہی تھی۔

''واللہ! یہ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اللہ نے مجھے دوبارہ زندہ کر دیا۔ یا اللہ تیرا احسان عظیم ہے......تو رحمٰن و رحیم ہے......''

وہ عقیدت اور خوشی کے جذبات سے مغلوب سب کے سامنے دوبارہ شیخ گیلانی سے لپٹ گیا۔

حیرت سے بت بنے تمام لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ شیخ گیلانی نے اسے آہستگی سے خود سے الگ کیا اور اپنے گھر جا کر نوافل شکرانہ ادا کرنے کی تلقین کی۔ اگلے روز کراؤن پرنس اور اہالیان حکومت اس کا شکریہ ادا کرنے اس کے پاس آئے۔ انہوں نے شیخ گیلانی کیلئے زندگی کی ہر نعمت کی پیشکش کی۔ اسے سعودی عرب میں رہ کر بڑے منصب سے نوازنے، شاندار اور آرام دہ شاہانہ زندگی بسر کرنے کی پیشکش کی گئی۔

لیکن......شیخ گیلانی نے شکریہ کے ساتھ ہر پیشکش ٹھکرا دی۔

اس نے کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ احسان عظیم ہے اس ذات باری تعالیٰ کا جس نے مجھ فقیر کی شرم رکھ لی۔ میں کہیں بھی اپنی مرضی سے قیام نہیں کر سکتا۔ میرے تمام معاملات پر اللہ کو قدرت حاصل ہے۔ میں اپنے شیخ کے احکامات کا تابع ہوں۔ مجھے دربار رسالت مآب ﷺ سے جہاں جانے کا حکم ملتا ہے وہاں چلا جاتا ہوں۔ جب تک میرا یہاں قیام ضروری ہے میں یہاں رہوں گا......پھر چلا جاؤں گا۔''

سب لوگ حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

ان کے خیال کے مطابق گیلانی خود ذہنی مریض تھا جس نے اتنی بڑی پیشکش کو ٹھکرا دیا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ جنہوں نے اپنے جان و مال کا سودا اللہ سے کر لیا ہو وہ کسی اور کو کہاں خاطر میں لاتے ہیں۔

گیلانی نے یہاں دو بدوؤں کو تربیت دی۔ وہ لوگ اشتعال انگیز مریض کے کان میں اذان دیتے اور وہ نارمل ہو جاتا۔ اس نے ڈاکٹر اسامہ رازی اور اس کے ماتحتوں کو بتایا کہ میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں۔ اللہ کا یہی کلام ہے جو تم بھی پڑھتے ہو اور میں بھی۔ لیکن فرق یہ ہے کہ تمہارے دل اور دماغ دونوں اس پر ''حق الیقین'' نہیں رکھتے۔ میں نے ''عین الیقین'' سے تمہیں ''حق الیقین'' کی طرف لانے کی کوشش کی ہے اگر اللہ کے کلام کی حقانیت پر

دل و جان سے ایمان لے آؤ گے تو دنیا کا کوئی مرض سوائے مرض موت کے نا قابل علاج نہیں رہے گا۔"

کچھ عرصہ یہاں گزارنے کے بعد ایک روز اچانک اس نے اپنی واپسی کا اعلان کر دیا۔ سارا ہسپتال اور مریضوں کے لواحقین اس سے رو رو کر رکنے کی التجائیں کرتے رہے لیکن اس نے کہا "میں اپنے فیصلے خود نہیں کرتا۔ میں تو احکامات کا پابند ہوں" اور ان سے رخصت ہو کر پاکستان آ گیا۔

پاکستان آ کر اس نے قرانک تھراپی کا باقاعدہ مرکز قائم کر دیا۔ قرآن پاک کی آیات شفا اور دوسری آیات کی تلاوت کی ریکارڈنگ مخصوص حالات اور ماحول میں مریضوں کو سنانے سے ان پر بڑے صحت مند اثرات مرتب ہونے لگے۔ گیلانی کی طائف ہسپتال میں قرآنی طریق علاج سے متعلق رپورٹ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی طرف سے عالمی سطح پر شائع کی گئی اور الگیلانی میتھاڈولوجی (El-Gilani-Methodology) کے نام سے اس کا طریق علاج بھی دنیا میں شہرت پکڑنے لگا۔

لیکن..... عجب طرفہ تماشا تھا۔

ایک طرف تو وہ ڈاکٹر ڈینس جو اسے جھوٹا ثابت کرنے کیلئے بے قرار رہتا تھا اسلام کی حقانیت اور قرآنی طریق علاج کا قائل ہو کر اپنی حکومت کے ذریعے شیخ گیلانی کو لندن لے گیا اور بضد ہو کر اس سے "موڈ سلے" ہسپتال (Maudsley) میں مریضوں کا علاج کروانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی برطانوی محکمہ صحت نے الگیلانی میتھاڈولوجی کی اشاعت اور ترویج کا اہتمام کیا اور شیخ گیلانی وہاں کے ڈاکٹروں کو باقاعدہ لیکچرز دے کر ان کی تربیت کرنے لگا۔ اس نے قرآن پاک کی مختلف سورتیں ریکارڈ کروا کر انہیں خاص امراض کیلئے خاص کیفیات اور مریضوں کی حالت کے پیش نظر انہیں بذریعہ ہیڈفون سنانے کی تھراپی شروع کی ہوئی تھی اور دوسری طرف اپنے ملک میں الگیلانی میتھاڈولوجی کے خلاف کتابیں لکھی جا رہی تھیں۔ غلام محمد پرویز نے "اسلام کے خلاف سازش" نامی کتابچے میں قرآنی آیات کے ذریعے علاج کو اسلام کے خلاف سازش قرار دے دیا جبکہ مغربی دنیا نے اس لازوال حقیقت کو پالیا اور وہ اپنے اس کام کو جدید سائنٹفک انداز میں آگے بڑھانے لگے۔

اس نے مانچسٹر اور برمنگھم میں "ذکر" کی محافل شروع کیں تو "مقامی پیروں" کیلئے خطرہ بننے لگا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مسلمانوں کی بدقسمتی سے مشائخ خانوادوں سے تعلق رکھتے تھے اور برطانیہ کو اپنا مسکن بنا کر یہاں ڈیرے جما لیے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب برطانیہ میں پاکستان سے آ کر آباد ہونے والوں کی پہلی نسل جوان اور تیسری تیار ہو رہی تھی۔ متضاد ماحول کی پیداوار یہ بچے اور نوجوان

جن کے بزرگ تلاش رزق میں یہاں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، اپنے گھروں میں تو اسلام اور خدا رسول ﷺ کی باتیں سنتے جبکہ درس گاہوں میں انہیں مکمل غیر اسلامی اور سیکولر ماحول ملتا۔ مسلمانوں کیلئے یہ ممکن نہیں تھا کہ انہیں ان پڑھ رکھیں یا گھروں میں بند کرلیں کیونکہ یہاں کے قوانین اسے جرم خیال کرتے تھے اور اس جرم کی پاداش میں اچھی خاصی سزا بھی برداشت کرنی پڑتی تھی۔

تضادفکری کا شکار یہ مسلمان بچے نہ تو ڈھنگ سے مسلمان بن سکے اور نہ ہی ان کے بزرگوں نے انہیں جدید انداز فکر میں ڈھلنے دیا۔ مغربی معاشرت نے انہیں اپنے اثرات میں اس بری طرح جکڑا کہ وہ انتشار فکری کا شکار ہو کر نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ جنریشن گیپ اتنا زیادہ بڑھ گیا کہ مسلمانوں کا اختیار اپنے بچوں پر سے ختم ہونے لگا۔ وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا ہی زندگی کا نصب العین جاننے لگے۔

اپنی ساری جوانی محض معاشی خوشحالی کی بھینٹ چڑھانے والے ان بزرگ مسلمانوں کیلئے یہ بڑی الارمنگ صورتحال تھی۔ ایک طرف تو ان کا اثاثہ حیات تھا جو ان کے ہاتھوں سے چھن رہا تھا اور دوسری طرف وہ پچھتاوا جو ان کی جان کو آ گیا تھا کہ کیا ساری زندگی کا حاصل یہی ہے؟ انہوں نے اپنے گھر بار، آباؤ اجداد، رسومات اور زندگی کی ساری خوشیاں کیا اس لیے تیاگی تھیں کہ انہیں انعام میں ایسی نسل ملے۔

ان پریشان حال مسلمانوں نے لاشعوری طور پر اسے اپنے گناہوں کی سزا سمجھا اور اس صورتحال کا مقابلہ اسلامی تعلیمات اور اپنی مضبوط روایات سے کرنے کے بجائے انہیں پیروں، فقیروں، سجادہ نشینوں اور گدی نشینوں کا شکار بن گئے جنہوں نے انہیں تعویذ گنڈے کے چکر میں ڈال کر اس کو ان کے تمام مسائل کا ''امرت دھارا'' قرار دے دیا۔

یہ پیر صاحبان گو کہ ایک دوسرے کا وجود بھی عام حالت میں برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھے لیکن جب انہیں شیخ گیلانی کی شکل میں ایک ایسا مسلمان شیخ دکھائی دیا جس نے مسلمانوں کو تعویذ گنڈوں کے چکر سے نکال کر انہیں مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرنے اور خالص اللہ ہی سے مدد مانگنے، اپنے نفوس کی اصلاح کیلئے ذکر و فکر کرنے کی تربیت دینے اور اس بات کا قائل کرنا شروع کر دیا کہ انہیں مسلمان ہونے پر شرمندگی نہیں بلکہ فخر کرنا چاہیے کیونکہ یہ ان پر اللہ کا خاص انعام ہے اور اسلام ہی مغرب میں بھی ان کے تمام مسائل کا حل نکالتا ہے۔ اس کی محافل ذکر میں لوگوں پر انوارات کی بارش ہونے لگی۔ ان کے بچے راہ راست پر آنے لگے کیونکہ شیخ گیلانی ان سے ان کی

زبان میں مکالمہ کرتا اور ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے پریشان کن سوالات کا جواب دے کر انہیں مطمئن کیا کرتا تھا۔

اس صورتحال کا منطقی نتیجہ اس کے خلاف پیران کرام کا متحدہ محاذ بھی ہو سکتا تھا۔ انہوں نے شیخ گیلانی پر گمراہ ہونے کے الزامات لگانے شروع کر دیئے اور کہا کہ وہ قرآنی آیات کے ذریعے ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی عوارض کا جو علاج کرتا ہے وہ گناہ ہے۔

پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہو رہا تھا۔

تاریخ کا دھارا برق رفتاری سے اپنا سفر طے کرتا اس مقام پر آ گیا تھا جہاں سرکار دو عالم ﷺ کی چودہ سو سال پہلے کی پیشگوئیاں سچ ثابت ہونے جا رہی تھیں۔

پاکستان کا ہمسایہ مسلم ملک افغانستان معلوم انسانی تاریخ کا اہم ترین کردار ادا کرنے کیلئے پر تول رہا تھا۔ افغانستان کے عاقبت نااندیش حکمرانوں نے اپنے عوام کی خالصتاً اسلامی امنگوں اور خواہشات کے برعکس کمیونسٹ اور بھارتی اثرات زیادہ تیزی سے قبول کیے اور ان ہی کے رنگ میں رنگتے چلے گئے۔ اپنے ہمسایہ مملکت خداداد پاکستان سے جو ان کا دنیا کی طرف کھلنے والا ''گیٹ وے'' بھی تھا کو انہوں نے نظر انداز کرنے کی پالیسی جبراً اپنائے رکھی۔ روس اور بھارت کے بہکاوے میں آ کر وہ پاکستان کو اپنا دشمن خیال کرنے لگے لیکن یہ خوف انہیں ہمیشہ دامنگیر رہا کہ صدیوں سے افغان اور پاکستان عوام کے درمیان جو خونی، لسانی اور اسلامی تعلقات ہیں وہ انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ پاکستان کے خلاف کسی کھلی جارحیت کے مرتکب ہوں البتہ وہ روس اور بھارت کے ہاتھوں کا کھلونا ضرور بنے رہے۔

جنوری 1968ء میں روسی وزیر خارجہ کوسگین نے کابل کا دورہ کیا اور اسے فراخدلانہ اقتصادی امداد کی پیشکش کی۔ 1969ء میں بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کابل پہنچ گئیں جس کے بعد کابل سے بھارتی درآمدات کا حجم پانچ گنا زیادہ ہو گیا۔ مئی 1969ء میں کوسگین کابل کی 50 سالہ آزادی کی تقریبات میں شرکت کرنے آیا اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کے خلاف کابل سے پختونستان کا پراپیگنڈہ شروع ہو گیا۔

افغان حکومت نے شمال مغربی علاقہ جات بشمول دیر، سوات اور چترال کے پشتونوں کے حقوق کے نام پر علیحدگی پسند تحریک پشتونستان کی پشت پناہی شروع کر دی اور پاکستان سے ان کا الحاق زبردستی قرار دینا شروع کر دیا۔ ریڈیو کابل سے باقاعدہ ''صدائے پختونستان'' سروس کا آغاز ہو گیا۔

اس صورتحال کا منطقی نتیجہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان کشیدگی کی شکل میں سامنے

آئے گا۔ یہ بات پاکستانی حکومت بھی سمجھتی تھی کہ یہ سارا گورکھ دھندہ بھارت اور روسی مل کر پھیلا رہے ہیں اور افغانستان کی حیثیت اس میں سوائے ایک ''مہرے'' کے اور کچھ نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تک افغانستان کے خلاف کوئی سخت پالیسی اختیار نہ کی گئی۔

روس نے دوسری طرف 125 میل لمبی گیس پائپ لائن مکمل کر کے افغانستان کی گیس اپنے ملک میں پہنچانی شروع کر دی۔ اس گیس کی قیمت کا تعین بھی انہوں نے خود ہی کیا اور کہا کہ اس گیس کی روس برآمد کے ذریعے افغانستان اقتصادی قرضوں کی واپسی کر سکے گا۔ افغانستان میں لگانے جانے والے الیکٹرک پلانٹ سے بننے والی بجلی کی ترسیل بھی روس کی طرف شروع کر دی گئی۔ دوسرے الفاظ میں تعمیرات تو افغانستان میں ہو رہی تھیں لیکن اس کا فائدہ دونوں ملکوں نے اٹھانا ہوتا تھا۔ مواصلات کے نظام کے پھیلاؤ نے بھی ایسی ہی صورت اختیار کی۔ کابل سے روس تک جانے والی ایک سڑک کی تعمیر میں 25 فٹ چوڑی سرنگ کا شمار دنیا کی بلند ترین سرنگوں میں ہوتا ہے۔ یہ سرنگ سطح سمندر سے گیارہ ہزار فٹ بلند کوہ ہندوکش کو کاٹ کر بنائی گئی ہے۔ اس سے پہلے بنائی جانے والی سالانگ ہائی وے 1964ء سے کام کر رہی تھی جس پر 600 ٹرک روزانہ نقل و حمل میں مصروف رہتے تھے۔ ان ٹرکوں میں اقتصادی و معاشی نوعیت کی نقل و حمل ہوتی تھی لیکن روسی دراصل اپنے طویل منصوبوں کے تحت کام کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب 1980ء میں انہوں نے یہاں لشکر کشی کا فیصلہ کیا تو انہیں نقل و حمل اور مواصلات کے حوالے سے کسی قسم کے مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

1969ء میں نئے انتخابات ہوئے لیکن اشتراکیوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ نئی پارلیمنٹ کے 216 اراکین ظاہر شاہ کے وفادار تھے۔ ان میں ایک خاتون بھی شامل تھی لیکن اس کے باوجود نور احمد اقتدار میں رہا۔ اس کی کابینہ میں بھی ''ہم خیال'' لوگ شامل نہیں تھے لیکن وہ اس اعتبار سے ہم خیال ضرور تھے کہ وہ سب کے سب ''شاہ کے اونٹ خادم'' کا کردار ادا کرنے پر متفق تھے۔ 1970ء اور 1972ء کے دوران رونما ہونے والے واقعات نے نظام حکومت کی اندرونی کمزوریوں کو اجاگر کرنا شروع کر دیا تھا لیکن حیران کن حد تک ''بادشاہت'' مضبوط دکھائی دے رہی تھی۔ 1971ء کے وسط میں نور احمد نے استعفیٰ دے دیا اور پھر ظاہر شاہ نے روم میں اپنے سفیر عبدالظاہر کو دوبارہ واپس بلا کر وزیراعظم مقرر کیا۔ اقتدار کا یہ کھیل جاری تھا لیکن عوام کو بنیادی ضروریات زندگی ہی میسر نہیں تھیں۔ ایک سال بعد عبدالظاہر نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد محمد شفیق نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا اور وقتی طور پر ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ظاہر شاہی نظام

حکومت برطانوی طرز کی آئینی بادشاہت میں تبدیل نہ ہوسکا کیونکہ اس نظام کے تحت ایوان زیریں میں بننے والی حکومتیں عوامی امنگوں کے مطابق امور مملکت نہ چلاسکیں۔

اس کی بنیادی وجہ کمیونسٹوں کی ''شرارتیں'' اور ''سازشیں'' تھیں۔ روس کی اقتصادی امداد کے ساتھ ساتھ یہاں انہوں نے اپنا حلقہ اثر اور بھی مؤثر بنانے کیلئے جو کاوشیں شروع کر رکھی تھیں ان کی کامیابی کا انحصار ہی اس بات پر تھا کہ ''موجودہ نظام'' کامیاب نہ ہو اور انارکی پھیلے تاکہ وہ اس انارکی سے فائدہ اٹھا کر اقتدار کے ایوانوں میں نقب لگاسکیں۔ اشتراکیوں کے اس بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کے خلاف علماء کرام کے ساتھ ساتھ ''ملاؤں'' نے بھی ردعمل کا مظاہرہ کرنا شروع کردیا تھا۔ علماء شہروں میں اور ''ملا'' دیہی علاقوں میں اپنے اثر ونفوذ کے باعث حکمرانوں کی ''بدیشی پالیسیوں'' کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کرنے لگے تھے۔ دارالحکومت اور ذرائع مواصلات کا مرکز ہونے کی وجہ سے کابل افغانستان کا عصبی مرکز تھا، اس لیے یہاں سے اٹھنے والی ہر آواز کی اثر پذیری بھی زیادہ تھی۔ ''نوجوانان اسلام'' کے نام سے اینٹی اشتراکیت تحریک کا آغاز ستر کی دھائی کے آغاز سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ جوں جوں اشتراکیوں کی سازشیں تیز ہو رہی تھیں اسی رفتار سے ان کی مزاحمتی تحریک بھی فعال اور منظم ہوتی چلی جارہی تھی موسیٰ شفیق کی بطور وزیراعظم نامزدگی اس مزاحمتی تحریک کی اثر پذیری کا منہ بولتا ثبوت تھا کیونکہ موسیٰ شفیق اپنے سیاسی وتعلیمی پس منظر کے حوالے سے ایسا مسلمان شخص تھا جس پر ''ملا'' اور کابل میں تحریکی کام کرنے والے ''نوجوانان اسلام'' اعتماد کرسکتے تھے۔ موسیٰ شفیق کا تعلق اخوان المسلمین سے تھا۔ اس نے جامعۃ الازہر سے دینی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور وہ اینٹی کمیونسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام اور اسلام پسندوں سے محبت بھی کرتا تھا۔

موسیٰ شفیق نے آکر حالات کو سنبھالا دینے کی کامیاب کوششیں بھی کیں لیکن مضطرب حالات نے ایک بار پھر کروٹ لی۔ ظاہر شاہ اپنے خاندان کے ساتھ تفریحی دورے پر ملک سے باہر گیا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد لیفٹیننٹ جنرل محمد داؤد خان نے بادشاہت کا خاتمہ کر کے اپنے آپ کو جمہوریہ افغانستان کا صدر اور وزیراعظم ہونے کا اعلان کردیا۔ صدر کی نئی کابینہ میں جرنیلوں کی ایک کھیپ شامل تھی جنہیں مملکت کا نظم ونسق مؤثر انداز میں چلانے کیلئے کابینہ میں شامل کیا گیا تھا۔ داؤد نے 1974ء میں ماسکو کا دورہ کیا اور اپنے پرانے تعلقات بحال کرلیے۔ 1977ء میں لوئے جرگہ بلا کر نئے دستور کی منظوری لے لی۔ اس دوران داؤد نے اپنے اقتدار کو تحفظ دینے کیلئے نہ صرف سوویت یونین سے تعلقات قائم کرنے میں پھرتی کا مظاہرہ کیا بلکہ افغانستان میں ابھرتی ہوئی ''اسلام تحریک'' کو بھی کچلنے میں کمزوری نہیں دکھائی۔ پھر پاکستان ہجرتوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا

جو دسمبر 1979ء میں اس وقت تیز ہوگیا جب روسی افواج نے کابل پر قبضہ کرلیا۔

جنرل داؤد نے تربیت یافتہ آرمی کے زور پر ریاستی نظم ونسق پر گرفت مضبوط کرلی تھی۔ طبقہ اشرافیہ بھی اس کا حامی تھا کیونکہ انہیں اس بات پر پختہ یقین تھا کہ جنرل داؤد جو کچھ مرضی بن جائے لیکن اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون ''شاہی'' ہی رہے گا۔ اشتراکی اپنے طے شدہ منصوبوں کے عین مطابق سازشیں کرتے رہے۔ داؤد کی لبرل پالیسیوں کی وجہ سے اشتراکیوں کو یہ گمان تھا کہ روس سے دوستی کے معاہدے کرنے کے باوجود داؤد ''ان کا آدمی'' نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل داؤد پر کئی قاتلانہ حملے بھی ہوئے لیکن وہ بچ رہا۔ داؤد کی لبرل خارجہ پالیسی نے بھی اسے اشتراکیوں کی نظروں میں پہلے ہی مشکوک بنا دیا تھا۔ پاکستان اور سعودی عرب کے دوروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بالآخر اپریل 1978ء میں داؤد کو اس کے خاندان کے سینکڑوں افراد سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس خونی انقلاب کے بعد اقتدار کی زمام کار براہ راست اشتراکیوں کے ہاتھوں میں آگئی۔ نورمحمد ترکئی نے 35 رکنی انقلابی کونسل کے سربراہ کے طور پر اقتدار سنبھال لیا۔ اس نے آتے ہی نہ صرف ملک کا نام بدل دیا بلکہ جھنڈے کو بھی تبدیل کردیا۔ ان تبدیلیوں سے اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ملک میں حقیقۃً انقلاب آگیا ہے۔ نئی انتظامیہ نے آتے ہی دستور سے کئی ''غیرضروری'' قوانین کو ''بوسیدہ'' قرار دے کر نکال دیا۔

ان قوانین کا تعلق اسلامی نقطہ نظر سے تھا۔ نورمحمد ترکئی نے انہیں ''جاہلانہ'' اور ''بوسیدہ'' قرار دے کر اپنے سچے اور مخلص اشتراکی کارکن ہونے کا اعلان کردیا تھا۔ ''نوجوانان اسلام'' کی سرگرمیاں بھی تیز ہونا شروع ہوگئیں۔ پہلے جو بالواسطہ تنازع تھا، اس نے اب براہ راست تصادم کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اشتراکی ایوان اقتدار میں داخل ہوکر اسلام کو دیس نکالا دینے کی پالیسی پر گامزن ہوچکے تھے۔ دسمبر میں نورمحمد ترکئی نے ماسکو کا دورہ کیا اور 20 سالہ معاہدہ دوستی پر دستخط کیے۔ نورمحمد ترکئی کی طرف سے کیے جانے والے اس معاہدے نے افغانستان میں ہونے والی داخلی کشمکش کو اور بھی تیز کردیا۔ کابل اور اس کے مضافات میں جاری مزاحمتی تحریک اور بھی تیز ہوگئی۔ شمالی افغانستان اور چند دیگر علاقوں میں پنپنے والی مزاحمتی تحریک بڑی تیزی سے دیگر شہروں میں بھی پھیل گئی۔ اس دور میں 6 ہزار اشتراکی روسی مشیر کابل پہنچے تاکہ افغان فوج کو بہتر انداز میں مزاحمتی تحریک کچلنے کیلئے استعمال کیا جاسکے۔ اس وقت افغان فوج ایک لاکھ باقاعدہ سپاہ، تین آرمڈ ڈویژن، دس انفنٹری ڈویژن اور 144 جنگی طیاروں پر مشتمل تھی۔ 10 ہزار آدمی ایئرفورس میں کام کر رہے تھے۔ اسی دور میں 25 ہزار کے قریب فوجی بھگوڑے ہوگئے کیونکہ جب بھی ان فوجیوں کو مزاحمتی گروپوں

کے خلاف معرکہ آرائی کیلئے بھیجا جاتا یہ ان سے لڑنے کی بجائے خود بھاگ جاتے یا ان سے مل جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ 16 ستمبر 1979ء میں نور محمد ترکئی کو قتل کر کے اس کے ڈپٹی وزیراعظم اور وزیر خارجہ حفیظ اللہ امین کو کابل کی مسند اقتدار پر لا بٹھایا گیا۔ حفیظ اللہ امین اپنی نظریاتی وابستگی کے علاوہ جبر وظلم میں بھی ایک خاص ملکہ رکھتا تھا، اس لیے اسے اقتدار دے کر روسی یہ توقع کر رہے تھے کہ اب تحریک مزاحمت کو کچل دیا جائے گا۔

حفیظ اللہ امین نے روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں، بھاری ٹینکوں، 21 طیاروں اور ایس یو 20 بمبار طیاروں کی مدد سے مزاحمتی تحریک کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کاوشیں شروع کر دیں۔ اشتراکی مشیروں میں ایک ایسا فوجی جنرل بھی شامل تھا جس نے 1966ء میں چیکوسلواکیہ پر روسی قبضے کے وقت افواج کی کمانڈ کی تھی۔ اب یہی جنرل الیکسی پی شیو کابل میں جاری خانہ جنگی کے دوران افغان دستوں کو ہدایات جاری کر رہا تھا۔ دسمبر 1979ء کے آغاز تک افغانستان کے دیہی علاقے مکمل طور پر گوریلوں کے قبضے میں آچکے تھے جبکہ افغانستان کے شہری مراکز دن کے وقت حفیظ اللہ امین حکومت کے ہوتے لیکن رات کے وقت وہاں افغان گوریلوں کے حملے کا خوف طاری ہوتا اس لیے فوج ''فل الرٹ'' پوزیشن پر ہوتی۔ اس دوران افغان بھگوڑے فوجیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا کیونکہ روایتی افغان معاشرے میں سوویت یونین کی پشت پناہی پر چلنے والی ایسی حکومت کو پذیرائی نہیں مل رہی تھی جو اپنے ہی ہم وطنوں کی قتل وغارت گری کے منصوبوں پر عمل پیرا ہو چکی تھی۔ پانچ لاکھ کے قریب افغان اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ افغان فوج کے ذریعے صورتحال پر قابو نہیں پایا جا سکے گا۔ یہی وجہ ہے دسمبر 1979ء میں اشتراکی حکام نے افغانستان میں اپنی افواج داخل کرنے کا پروگرام بنایا۔ امریکہ کی اس وقت ساری توجہ ایران میں بدلتی ہوئی صورتحال پر مرکوز تھی اس لیے روسیوں کو عالمی سطح پر کسی مؤثر اپوزیشن کی توقع نہیں تھی۔ پرچمی کامریڈ ببرک کارمل کو ماسکو سے کابل لا کر اقتدار سونپا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک لاکھ روسی افواج بھی افغانستان میں داخل ہو گئیں تاکہ اسے بھی ''سوویٹوں کی یونین'' میں شامل کیا جا سکے۔

دسمبر 1978ء کے آخری ایام میں شیخ علی گیلانی کی طرف سے ''فتح نامہ'' سارے پاکستان میں تقسیم کیا گیا اور اس بات کا دعویٰ کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں 15 ویں صدی ہجری کی آمد کی خوشخبری دے دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کچھ طالبین کے مشاہدات تھے جن میں کہا گیا کہ وہ اپنے شیخ کی معیت میں نبی کریم ﷺ کے حضور میں حاضر تھے جب انہیں روس کے تباہ و برباد ہونے کی خوشخبری سنائی گئی اور بتایا گیا کہ روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوں گی لیکن انہیں ذلت آمیز شکست کا سامنا ہوگا اور بالآخر اسلام غالب آکر رہے گا۔ اس ''فتح نامہ'' میں کہا گیا:

> بیشک موجودہ دور شرک، نفاق اور بدعت کا دور ہے۔ شیطان نے اپنا پورا تسلط جما کر لوگوں میں بے حیائی، بزدلی اور نفاق کو فروغ دیا جس سے زنا، فحاشی اور شراب نوشی میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اب ابلیس کی خاص الخاص جماعت (روسی بھیڑیے) اس دنیائے اسلام کو مٹانے کیلئے کھڑی ہوئی ہے جس کے مقابلہ کیلئے اللہ پاک نے اپنے محبوب ﷺ کے پروانوں کی جماعت کو تیار کیا ہوا ہے جو عرصہ دو سال سے الہامات ربانی اور ارشادات رسول کریم ﷺ سے فیضیاب ہو کر عالم اسلام کیلئے جہاد فی سبیل اللہ کے داعی بن کر ابھرے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ فتح ونصرت کیلئے ہر قسم کی غیبی امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس جماعت کے الہامات ربانی ومشاہدات در مجلس نوری حضوری نبی اکرم ﷺ قرآن پاک اور سنت کے عین مطابق ہیں اور ان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اس ''فتح نامہ'' پر مختلف طبقوں کی طرف سے اعتراض ہوا کہ یہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش ہے۔ روسی جیسی سپر پاور کے ساتھ ٹکر لینا سوائے حماقت کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا اور جو لوگ اس حماقت کا پرچار کر رہے ہیں وہ اسلام یا پاکستان کی خدمت نہیں بلکہ اس سے دشمنی کر رہے ہیں۔ ان اعتراضات میں شیخ علی گیلانی کے مشاہدات کو ان کی خام خیالی اور تصورات سے تشبیہ دی گئی لیکن اس ''فتح نامہ'' نے سارے ملک میں بحث کا دروازہ کھول دیا اور مسلمانوں کی زیادہ تعداد وہ تھی

جو اس پر یقین کرتی اور اسے ان احادیث کے عین مطابق بتاتی کہ جن میں اس خطے سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے آغاز کی بشارت حضرت نبی کریم ﷺ نے دی تھی۔ 6 ماہ بعد شیخ علی گیلانی کی طرف سے ایک اور پمفلٹ ملک میں تقسیم کیا گیا۔ جس میں اس نے لکھا "آج سے چھ ماہ پیشتر ہم نے بین الاقوامی سطح پر کتاب اللہ اور احکام رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں افغانستان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے دو فتاویٰ جہاد شائع کیے تھے جس میں مسلمانان پاکستان کو واضح طور پر یہ کہا گیا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی اور حضور نبی اکرم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جسد واحد سے تشبیہ دی ہے اور مظلوم کی مدد نہ کرنے والوں کو بھی ظالم کے ساتھی قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ "موذی کو پیشتر کہ وہ ایذا دے ختم کردیں۔ لہٰذا پیشتر کہ روس اپنی سرحدیں اٹک اور کمران (بحر ہند) تک لانے کی خاطر افغانستان پر پورا قبضہ کرے، ہمارا فرض ہے کہ پورے افغانستان پر مسلمانوں کا قبضہ کروائیں۔ یہی اسلامی عسکری حکمت عملی ہے اور یہی حکم خداوندی ہے اور اس سے انحراف کرنے سے ہم پھر بھی جنگ سے نہیں بچ سکتے اور اس صورتحال میں یہ جنگ ہم پر بشکل عذاب آئے گی۔" (فتویٰ)

اب ہم آپ کو ایک دفعہ پھر جگانے کی کوشش میں معروف ہیں کہ شاید آپ کے اندر کہیں جذبہ ایمان، حب الوطنی، ایثار اور عزت نفس کی چنگاری ہو جس کو سلگا کر ہم آگ لگا سکیں۔ اے قوم! بزدلی، بے حیائی، اقتدار اور دولت کی ہوس کو چھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور روسی ترکستان میں چار کروڑ مسلمانوں پہ ظلم، تشدد کی المناک داستان یاد رکھو اور اب افغانستان میں مسلمانوں (عورتوں، بچوں اور بوڑھوں) کے قتل عام سے عبرت حاصل کرو۔ یاد رکھو! روس کی جارحیت صرف افغانستان کے خلاف نہیں ہے بلکہ وہ پاکستان کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے جو کہ عالم اسلام کے لئے قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی فوج عالم اسلام کی فوج ہے۔ اس سب کارروائی کے پیچھے صیہونیت کا پلان ہے۔ روس پورے افغانستان پر قبضہ جما کر پاکستان کی سرحدوں پر اپنی فوجیں لے آیا ہے اور اب پاکستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ساری دنیا نے روسی جارحیت کے خلاف احتجاج کیا ہے لیکن ابھی تک ہم نے کوئی عملی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے بجائے غیر اللہ کی طرف مدد کیلئے نگاہیں مرکوز ہیں۔ اے قوم! اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ اگر تم نے اس وقت روسی جارحیت کا مقابلہ نہ کیا تو تم روس کے زیر حفاظت رہ کر زندہ رہ سکو گے۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ جان لو تم جیسے بھی ہو کلمہ گو تو ہو اور یہی تمہارا سب سے بڑا جرم ہوگا۔ یا تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں صرف مزدوری ہی کرنا ہے اور وہ تم روسی غلبہ کی صورت میں بھی کر سکو گے تو یہ بھی غلط فہمی دل سے نکال دو کیونکہ روسی ترکستان کے ماضی میں بہت ضمیر فروش مسلمانوں نے بھی یہی سمجھ کر روسی غلبہ قبول کیا تھا لیکن ان کو بھی معاف نہ کیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔

روسی درندوں نے جس طرح ماضی میں روسی ترکستان کو اپنے گھناؤنے عزائم کا نشانہ بنایا اسی طرح اب افغانستان پر جارحیت کا ارتکاب کیا ہے جو سراسر اللہ تعالیٰ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اسلامی نظریہ کے خلاف جنگ ہے۔ خدا کو ماننے والوں کے خلاف جنگ ہے۔

لہٰذا اے قوم! یہ غلط فہمی دل سے نکال دو کہ تم مزدور، کسان، رکشا یا ٹیکسی ڈرائیور، دانشور یا صحافی کی حیثیت میں روسی غلام کی صورت میں زندہ رہ سکو گے۔ یہ سراسر ناممکن ہے۔ ہاں ممکن بھی ہے اگر تم مندرجہ ذیل روسی اقدام برداشت کرنے کی اہلیت اپنے اندر پیدا کرلو۔

(1) تمام وہ لوگ جو مسلمان ہیں ان کو ہلاک کردیا جائے۔ (2) ان کی عورتوں اور بچوں کو الگ کردیا جائے گا۔ (3) تمہاری بیویوں اور بیٹیوں کو فحاشی پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ روسی نظام میں شادی یا نکاح کا تصور نہیں ہے۔ (4) تمہاری مساجد، مزارات اور دیگر عبادت گاہوں کو مسمار کردیا جائے گا۔ (5) قرآن پاک کی توہین کی جائے گی اور دیگر الہامی کتب کا بھی یہی حال ہوگا۔ (6) بالخصوص علماء و مشائخ جو اس وقت حجروں میں بند ہیں اور اپنے فرض سے غافل ہیں ان کو برسر عام ذلیل اور رسوا کیا جائے گا۔ (7) اس ملک کے ٹکڑے کر کے بھارت، قادیانیوں اور مقامی کیمونسٹوں کے حوالہ کر کے سویٹ صوبے بنائے جائیں گے۔ (8) تمہیں تمہارے مکانوں، کاروبار اور زمینوں سے محروم کر کے اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے گا یا سائبریا کی کانوں میں بطور قیدی بھیج دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ مسلمانان ترکستان کے ساتھ ہو چکا ہے اور اب افغانستان میں ہو رہا ہے۔

اے قوم! ایک لمحہ کیلئے سوچو کیا تم ایسی ناپاک زندگی جسے کتے بھی قبول نہیں کرتے، گزارنے پر راضی ہو۔ کیا 1947ء میں 20 لاکھ مسلمانوں کو صرف اس لیے قربان کیا گیا تھا کہ بالآخر اس ملک کو روس کے حوالے کردیا جائے۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہم نے اپنے مال و جان سے ایک عظیم فوج تیار کی جس پر ملک کی آمدنی کا 80 فیصد خرچ ہوتا ہے۔ ساری قوم کو اس پر فخر تھا، ہے اور انشاء اللہ رہے گا۔ اب جبکہ معرکہ حق و باطل کا وقت آن پہنچا ہے تو انشاء اللہ یہ اللہ کی عظیم فوج اپنا مقدس فریضہ ادا کرے گی جو کہ اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ نظریہ پاکستان اور ان کے حلف کے مطابق ان پر عائد ہوتا ہے۔ یہی وقت ہے عمل، قربانی اور جہاد کا۔ اب بھی اگر حب دنیا اور ہوس اقتدار کی خاطر فرائض سے فرار اختیار کیا گیا تو پھر اے قوم تمہیں عزت کی موت بھی نصیب نہیں ہوگی۔ خدانخواستہ یہ حشر صرف اہل پاکستان ہی نہیں ہوگا بلکہ سعودی عرب سمیت خلیج فارس کے تمام ممالک اس سے متاثر ہوں گے اور کوئی بھی یاجوج ماجوج کی قوم کی یلغار سے نہیں بچ سکتا۔

تاوقتیکہ وہ خدائے وحدہ لاشریک کی مدد اور فتح و نصرت کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے فی الفور افغانستان میں روسی بھیڑیوں کی یلغار کو روکنے میں اہم کردار ادا کرنے کیلئے جان و مال سے تیار نہ ہو جائیں۔ روس نے مسلمانان عالم کے خلاف صیہونیت کے مکروہ عزائم کی تکمیل کی خاطر بھرپور وار کیا ہے اور اس کی یلغار ابھی تک جاری ہے۔ افغانستان پر قبضہ ہو چکا ہے اور اب پاکستان کی باری ہے (خاکم بدہن)۔ اس کے بعد سعودی عرب اور دوسرے مسلم ممالک کا بھی یہی حال ہوگا۔ لہٰذا میدان عمل میں کود پڑو ہلکے ہو یا بھاری۔

☆☆☆

اس کے کچھ دن بعد جب اس پمفلٹ کی حمایت اور مخالفت میں خوب غلغلہ مچ رہا تھا ایک اور بیان شیخ علی الگیلانی کی طرف سے جاری ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ آج سے پندرہ روز قبل فتح نامہ پہلی بار شائع ہوا تھا اور اس وقت قوم سخت مایوسی اور بزدلی کا شکار ہو چکی تھی اور بدقسمتی سے ارباب حکومت کو چند ایک ضمیر فروش ایڈیٹروں اور ملحد بیوروکریٹ نے غلط مشورہ دیا اور قوم و ملک کی تباہی کے پروانہ پر خود ہی دستخط کرنے کی ٹھان لی۔ جب امریکہ کے جریدہ ''نیوز ویک'' کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر مملکت سے کہلوایا گیا: ''روس ایک سپر پاور ہماری دہلیزوں پر پہنچ چکی ہے اور جغرافیائی تقاضے اس بات پر مقتضی ہیں کہ روس کو اکوموڈیٹ (accommodate) کیا جائے، ایران اور بھارت کو بھی۔ کیونکہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے دشمنی کرنا صحیح نہیں۔'' صدر صاحب نے اپنے اس مؤقف کو اپنی حالیہ پریس کانفرنس میں دہرایا کہ ہم روس کے ساتھ افہام و تفہیم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ غالباً اس کے پیش نظر سرحدوں پر نہ ہی فوج بھیجی گئی ہے اور نہ ہی کسی قسم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہوسکتا تھا کہ صدر صاحب کے اس بیان سے ہماری بہادر فوج اور عوام میں زبردستی بددلی (demoralization) پھیل جاتی لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ جماعت پہلے ہی تیار تھی اور جلد ہی عاشقان الٰہی، محبان رسول اکرم ﷺ، پاکستان کے شیدائی اور اپنی بہادر افواج کے مداح ملک کے کونے کونے میں ''فتح نامہ'' کے پیغام فتح کو لے کر لوگوں کے قلوب میں جہاد اور عشق کی آگ لگا دی ہے۔ سوائے اسلام اور پاکستان دشمن عناصر کے جو بھی فتح نامہ کو پڑھتا ہے اس کے اندر جوش اور ولولہ غالب آجاتا ہے اور ہم ارباب حکومت پر ساری قوم کی طرف سے واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ روس کے ساتھ افہام و تفہیم کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کو روس کی غلامی میں مشرقی یورپی ممالک پولینڈ، چیکوسلواکیہ کی طرح رہنا ہوگا۔ صدر صاحب سے گزارش ہے کہ وہ ایسی منفی سوچ ترک

کر دیں۔ ترکی ابھی تک ایک ایسا ملک ہے جہاں کے بہادر مسلمان مجاہدین نے کوئی افہام و تفہیم نہیں کی اور اندرونی اور بیرونی طور پر آزاد ہیں کیونکہ ان میں جذبہ حریت و حب الوطنی بے پناہ ہے یہی ان کو بچائے ہوئے ہیں۔

ہم ارباب حکومت پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس قوم کے بچہ بچہ نے روس کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے کٹ مرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور آپ قطعاً اخبارات میں لوگوں کو افہام و تفہیم کے راستے پر لانے کی خاطر اسلام اور پاکستان دشمن نظریات و فیچر نہ شائع کریں ایسا ابھی تک ہو رہا ہے اور دوسری طرف کمیونسٹ و قادیانی آزاد بلوچستان، سندھو دیش کے متعلق پمفلٹ تقسیم کر رہے ہیں اور جن دشمنان وطن کے نام ہم نے ''فتح نامہ'' میں دیئے ہیں وہ دن رات پاکستان کو تباہ کرنے کیے منصوبہ پر مصروف عمل ہیں۔ ابھی یہ لوگ سبوتاژ کی کارروائیاں کروائیں گے لیکن قوم جاگ اٹھی ہے اور حالات کا مقابلہ کرنا جانتی ہے۔

ہم تمام افراد جو کہ اسلام اور پاکستان کے شیدائی ہیں ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اس ''فتح نامہ'' کو دوسروں کو پڑھ کر سنائیں اور کثرت سے اس کی اشاعت کریں۔ اس میں جو کچھ بھی ہے سچ ہے۔ موجودہ دور فتح غلبہ اسلام کا دور ہے اور حق و باطل کا معرکہ ہے۔ بہت قربانیاں دینی ہوں گی اور فتح بالآخر اسلام کی ہے۔ روس اور بھارت ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے اور اسلام غالب آئے گا۔

11 جنوری کو پشاور میں چوک یادگار سے باقاعدہ ''فتح نامہ'' کا اجراء اور دعوت جہاد پھیلائی گئی اور 14 جنوری کو اسلام آباد، راولپنڈی سے لے کر لاہور تک سبز پرچم والی جہاد اور ''فتح نامہ'' کے پیغام کی تشہیر کرنے والی کاریں پھیل گئیں۔ پھر لاہور سے لے کر کراچی تک تمام شہروں میں سبز جھنڈے والی کاریں اس فتح نامہ کو تقسیم کر کے قوم کو جذبہ جہاد پر ابھار رہی ہیں اور علماء کرام بھی جابجا مساجد میں جہاد کا اعلان کر رہے ہیں۔ ہم اپنے ملک کے تمام علماء کو مرحبا کہتے ہیں جنہوں نے فروعی اختلاف مٹا کر اس ''فتح نامہ'' میں مندرجہ بشارتوں پر ایمان لاتے ہوئے نہ صرف جہاد کا اعلان کر رہے ہیں بلکہ قوم کو فتح کامیابی کا مژدہ بھی سنا رہے ہیں۔ بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے اب پوری قوم جاگ اٹھی ہے۔ قربانیاں ہونگی لیکن بالآخر فتح اسلام کی ہوگی۔''

پاکستان میں افغان جہاد سے متعلق شعور پیدا ہونا شروع ہوا خصوصاً کچھ دینی تنظیموں نے افغانستان سے آنے والے لاکھوں مسلمانوں کو "مہاجر" قرار دے کر مسلمانوں کو انصار" کی روایت زندہ کرنے کی تلقین شروع کر دی۔ شیخ علی گیلانی کے پیروکار بھی اپنی اپنی سطح پر مہاجرین کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران شیخ گیلانی نے اپنے مریدین کو تزکیہ نفس کی طرف زیادہ شدت اختیار کرنے کی ہدایت کی اور ایک روز جب وہ حضرت میاں میر صاحبؒ کے مزار عالیہ پر رات کے اندھیرے میں معروف عبادت تھا تو اسے امریکہ جانے کا حکم مل گیا۔ اس سے پہلے اس نے امریکہ کا صرف نام سنا تھا یا پھر طائف میں امریکہ کے ان ڈاکٹروں سے جو ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی طرف سے آئے تھے ملاقات کی تھی جنہوں نے بالآخر اس کے طریق علاج اور قرآن پاک کی حقانیت سے باخبر ہونے کے بعد اس سے درخواست کی تھی کہ وہ امریکہ میں آکر ذہنی امراض کا علاج کرے۔

لیکن..... یہ بات وہ نہیں جانتے تھے کہ شیخ علی گیلانی اپنی مرضی کا پابند نہیں تھا۔ اس نے تو عرصہ پہلے اپنی مرضی سے سوچنا بند کر دیا تھا اور اپنے سارے معاملات اللہ پر چھوڑ دیئے تھے۔ اس کو جو رہنمائی ملتی، جو الہام ہوتا، جو حکم ملتا اس کی اطاعت میں وہ چل دیتا۔

اس روز بھی جب اس نے اپنے طالبین کو بتایا کہ اسے اگلی منزل کی تیاری کرنی ہے اور دربار رسالت مآب ﷺ سے امریکہ جانے کا حکم ملا ہے تو مریدین باصفا میں بے چینی اور بے قراری پھیل گئی۔ وہ ان حالات میں جبکہ ان کے شیخ نے ان کی زندگیوں کو بالکل نیا رخ عطا کیا تھا ان سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مریدین جدائی کے ان لمحات کے تصور سے دکھی ہو کر رونے لگے۔ اس نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ جب اللہ کو ان کے ساتھ اس کا ساتھ گوارا ہو گا وہ ان کے درمیان لوٹ آئے گا۔ خدا جانے کیا مصلحت ہے جو اس کی طرف سے نیا حکم آ گیا ہے۔

مریدین چاہتے تھے کہ ان کے شیخ کے لئے پہلے سے امریکہ میں تیاریاں شروع ہو جائیں۔ وہ اس کی رہائش، قیام و طعام اور آرام کا پیشگی بندوبست کرنے کے متمنی تھے اور بادسائل ہونے کے ناطے اس کی قدرت بھی رکھتے تھے لیکن شیخ نے شدت سے انہیں روک دیا۔

"نہیں....." اس نے کہا۔ "جس کی طرف سے یہ حکم ملا ہے وہ میرے حال سے زیادہ

باخبر ہے۔ میں اپنے سارے انتظامات اس پر چھوڑتا ہوں۔" شیخ کے اس حکم کو اس کے طالبین نے بڑے دکھی دل سے قبول کیا۔ وہ اپنے شیخ کو جلوس کی شکل میں ایئرپورٹ تک لے جانا چاہتے تھے لیکن اس کی ابھی اجازت نہ ملی۔

"صرف عبدالہادی مجھے گاڑی میں ایئرپورٹ تک چھوڑ کر واپس آ جائے گا" اس نے اپنے مریدوں سے کہا۔

☆☆☆

مائیکل مبہوت کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

اسے اس بات کا تو علم تھا کہ مسلمان اس طرح نماز ادا کرتے ہیں کیونکہ اس کے ہمسائے میں اس کے مسلمان دوست موجود تھے لیکن نماز ادا کرتے ہوئے ان کے چہروں پر جو نور چھا جاتا ہے اور ان پر جو جذب کی کیفیت طاری ہوتی ہے اس کا مشاہدہ مائیکل کو آج زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔

"آپ کا کھانا؟"

اس نے بمشکل شیخ علی گیلانی کو مخاطب کیا جس نے سلام پھیرنے کے بعد دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور اب اس کی طرف دیکھا تھا۔

"معاف کرنا تمہیں انتظار کرنا پڑا۔"

گیلانی نے کہا تو مائیکل کو عجیب سا لگا۔ نجانے کیوں اس کا دل چاہتا تھا کہ شیخ گیلانی اس سے معذرت نہ کرے۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

اس نے شیخ کے نزدیک ایک میز پر کھانا رکھ دیا ہے

"تم بھی کھاؤ۔"

شیخ نے اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ....."

"کوئی بات نہیں۔ یوں بھی یہ کھانا بہت ہے۔"

شیخ نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

مائیکل عام حالت میں شاید ایسا کھانا کبھی نہ پسند کرتا لیکن آج اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زندگی کا بہترین ڈنر کر رہا ہے۔ شیخ کی قربت کا اثر تھا یا پھر اس نے کچھ زیادہ ہی شیخ علی گیلانی کی شخصیت کو خود پر حاوی کر لیا تھا۔ وہ بہرحال ایک عجیب سی روحانی آسودگی محسوس کر رہا تھا۔

''میں اپنا بیڈروم صاف کر دیتا ہوں آپ وہاں آرام فرمائیں'' اس نے گیلانی سے کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں رات کو بہت کم سوتا ہوں۔ یہیں سو جاؤں گا۔ میرے لیے تکلیف نہ کرنا۔ میں پلنگ کے بجائے زمین پر سونا زیادہ پسند کروں گا۔''

شیخ گیلانی نے کہا۔

''جیسے آپ کا حکم۔''

مائیکل نے چند ثانیے خاموش رہ کر جواب دیا۔ نجانے وہ کیوں شیخ کی کسی بھی بات سے انکار کی جرأت نہیں پا رہا تھا۔ اس گھر میں اس کی آمد سے اسے ایک بے نام سی Blessing کا احساس ہونے لگا تھا بالکل ایسے ہی جیسے وہ کبھی کبھی اپنی Grand Ma کی موجودگی میں محسوس کیا کرتا تھا۔

''تم جاؤ اور آرام کرو۔ میں بھی اب سونے کی تیاری کرتا ہوں۔''

اس نے مائیکل سے کہا اور مائیکل اسے ''شب بخیر'' کہہ کر چلا گیا۔

سفر سے تھکے ہوئے مائیکل کو فوراً ہی نیند کی دیوی نے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

رات کا شاید آخری پہر تھا جب ایک ہلکی سی آہٹ سے اس کی آنکھ کھلی۔ مائیکل بغیر آواز پیدا کیے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے نتھنوں میں ایک بھینی بھینی خوشبو کا احساس ہونے لگا۔ ایسی خوشبو جس سے اس کا مشام جان معطر ہو رہا تھا۔ اس نے زندگی میں ایسی خوشبو کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

یہ خوشبو اس کے احساسات پر طاری ہو رہی تھی اور وہ ایک عجیب سا سرور محسوس کرنے لگا تھا۔

''خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟''

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور اس سوال کا جواب تلاش کرنے کیلئے ہی اس نے بغیر آہٹ اور آواز پیدا کیے سٹنگ روم کا رخ کیا جہاں رات شیخ نے قیام کی خواہش ظاہر کی تھی۔

جوں جوں وہ سٹنگ روم کی طرف بڑھ رہا تھا خوشبو کا احساس اور تاثر مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

کمرے کی لائٹیں آف تھیں لیکن حیرت انگیز طور پر آدھ کھلے دروازے سے روشنی باہر آ رہی تھی۔

''یہ کیا اسرار ہے؟''

اس نے خود سے سوال کیا۔

اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ ضرور یہاں کوئی دوسری ہستی بھی موجود ہے اور شیخ گیلانی اپنے کمرے میں اکیلا نہیں۔

''کون ہے یہ؟''

تجسس نے سر اٹھایا اور وہ بلی کی طرح پنجوں کے بل چلتا دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازے کی جھری پر اس نے آنکھ لگائی اور صرف اتنا منظر دیکھا کہ ایک سبز پوش جس کی پشت مائیکل کی طرف اور منہ شیخ گیلانی کی طرف تھا وہاں موجود تھا۔ ابھی مائیکل نے بمشکل اس کی ایک جھلک پشت ہی سے دیکھی تھی جب اچانک ہیولا غائب ہو گیا۔

''یا للعجب''

اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا کہ واقعی یہاں کسی تیسرے آدمی کی موجودگی بھی اس پر ظاہر ہوئی ہے۔

''یہ کون تھا؟ کدھر سے آیا؟ سارا گھر لاک تھا؟''

اس نے اپنے آپ ہی سے سوالات شروع کر دیئے اور اسے اپنے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ اتنی ہمت وہ خود میں نہیں پاتا تھا کہ شیخ سے کچھ دریافت کرے جو عبادت میں مشغول تھا۔ مائیکل کو اپنے قدم من من کے بھاری محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے بڑی ہمت سے اپنے بیڈروم تک واپسی کا سفر طے کیا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ شیخ گیلانی کو اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ چوری چھپے اس کی حرکات کا جائزہ لیتا رہا ہے۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ بیڈروم پر چت گر کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ دل کی بے قابو دھڑکنیں سنبھالنے میں اسے تین چار منٹ لگ گئے تھے۔

ایک عجیب سا بے نام سا عقیدت کے ساتھ ملا جلا خوف اس پر طاری تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ شخص کون ہے؟ اس کی شخصیت میں کیا بھید چھپا ہے اور جو رات اس کے ساتھ موجود تھا جو کوئی بھی تھا اس کے گھر میں کیسے داخل ہوا؟

صبح تک وہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا... بمشکل اسے نیند آئی اور جب آنکھ کھلی تو سورج نکل آیا تھا۔

مائیکل تیزی سے اپنے بستر سے اٹھا اور بمشکل چند منٹ میں واش روم سے فارغ ہو کر باہر آ گیا۔

شیخ گیلانی رات والی کیفیت میں بیٹھا تھا۔

''گڈ مارننگ''

اس نے کہا۔

''صبح بخیر.....''

شیخ نے جواب دیا۔

''معافی چاہتا ہوں۔ کچھ دیر ہوگئی اٹھنے میں۔ دراصل نیند بہت دیر سے آئی''

اس نے قدرے گھبراہٹ سے کہا۔

''کوئی بات نہیں تم نارمل ہوجاؤ۔ کوئی بوجھ محسوس نہ کرو۔''

شیخ نے دعائیہ انداز میں یہ بات کچھ اس طرح کی کہ واقعی مائیکل نارمل ہوگیا۔

''میں آپ کیلئے ناشتہ تیار کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ شیخ گیلانی کا جواب سنے بغیر کچن میں پہنچ گیا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے آملیٹ تیار کیا۔ سلائس گرم کیے۔ پی نٹ بٹر کی بوتل اور جام کی بوتل سجائی۔ کافی کے دو مگ تیار کیے اور شیخ کے کمرے میں آگیا۔ ابھی تک وہ رات کے حادثے کے سحر سے خود کو آزاد نہیں کرسکا تھا۔

شیخ نے اسے اپنے ساتھ ہی ناشتے پر بٹھالیا۔ تجسس کے ہاتھوں مائیکل کو اپنا دم گھٹنے کا احساس ہورہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ شیخ سے رات والا واقعہ بیان کرے اور پوچھے کہ وہ شخص کون تھا لیکن نجانے کس طاقت نے اس کی زبان جکڑ رکھی تھی وہ چاہنے کے باوجود کسی انجانے خوف اور جھجک کی وجہ سے یہ سوال نہیں پوچھ رہا تھا۔

اچانک ہی شیخ نے اس کی طرف نظر کی۔ ایک ملکوتی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر جاگی اور وہ اس سے گویا ہوا۔

''میں جانتا ہوں میرے دوست تم کیوں پریشان ہو..... ابھی میں تمہیں کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن تم بہرحال میرے میزبان اور محسن ہو اور میں تمہیں کسی شش و پنج میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں مائیکل تم نے یہاں ایک تیسری شخصیت کو بھی دیکھا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ وہ میرے ہادی میرے رہنما میرے مرشد تھے۔ مجھے Blessing دینے آئے اور چلے گئے۔ دنیا کا کوئی دروازہ، کوئی دیوار، کوئی رکاوٹ انہیں کہیں بھی آنے جانے سے نہیں روک سکتی۔ وہ یہاں سے ہزاروں میل دور پاکستان کے شہر لاہور میں استراحت فرما ہیں لیکن ان کی محبت تھی کہ مجھے ملنے آگئے۔''

مائیکل، حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ شیخ گیلانی کو اس بات کا علم ہوگا کہ اس نے رات شیخ کی جاسوسی کی تھی اور یہ کہ اس طرح کوئی شخص ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے کسی

سے ملنے بھی آسکتا ہے۔

''یہ کوئی جادوگر ہے کیا؟''

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

لیکن..... دوسرے ہی لمحے ایک بے نام سی عقیدت نے اس کے دل و دماغ کو اپنا اسیر بنالیا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے کیا ہوتا جارہا ہے۔ جب سے یہ شخص اس سے ٹکرایا تھا اسے اپنے اندر ایک عجیب و غریب تبدیلی کا احساس ہورہا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ شیخ کے سامنے خود کو بے بس پارہا تھا۔ عجیب و غریب قسم کے واقعات پیش آرہے تھے۔ کبھی کوئی پراسرار لیکن انتہائی پاکیزہ اور دل و جان کو معطر کردینے والی خوشبو اس کے حواس پر چھا جاتی اور کبھی شیخ گیلانی کے پراسرار مہمان اسے اپنی جھلک دکھا کر غائب ہوجاتے۔

اتنا کچھ وہ عام زندگی میں شاید کبھی برداشت ہی نہ کرپاتا۔ اسے اتنا دردسر لینے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک امریکی نوجوان کو سوائے اپنے بزنس کے اور کسی سے کیا لینا دینا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر شیخ گیلانی کیلئے عجیب سی محبت اور ذمہ داری محسوس کرنے لگا تھا۔

آج اتوار تھا..... اور اسے یہ سوچ پریشان کررہی تھی کہ کل جب وہ اپنے بزنس پر چلا جائے گا تو شیخ گیلانی کا کیا بنے گا؟

وہ ابھی سے اس کیلئے احساس ذمہ داری محسوس کرنے لگا تھا اور اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ یہاں سے نہ جائے۔ یہ بات اسے ابھی تک سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ ایسا کیوں سوچ رہا ہے۔

اس نے شیخ گیلانی سے کوئی سوال نہ کیا اور اس سے تھوڑی دیر کیلئے مارکیٹ تک جانے کی اجازت لے کر گھر سے باہر آگیا۔ اس کے اندر رہ کر عجیب و غریب سوالات کا جو طوفان اٹھ رہا تھا اس صورتحال سے نجات حاصل کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

گھر سے نکلتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے اپنے ہمسائے ابوعمر پر پڑی۔ ابوعمر افریقن مسلم اور اس ایریا میں اس کا واحد ایسا دوست تھا جس کے گھر وہ بے تکلفی سے آجا سکتا تھا۔ کبھی کبھی جب وہ "ڈیک اینڈ" پر اپنے گھر کی صفائی کر لیتا تو ابوعمر اور اس کی فیملی کو بھی چائے یا کافی پر مدعو کر لیا کرتا۔ عموماً کچن ابوعمر کی بیوی سنبھالتی اور وہ اس کے تیار کردہ "کرپسی" قسم کے کھانوں سے لطف اندوز ہوتا جو اس کے خیال میں اسلامی کھانے تھے کیونکہ ایسے چٹ پٹے کھانے اس نے کبھی اس سے پہلے نہیں کھائے تھے۔

ابوعمر کی شکل پر نظر پڑتے ہی جیسے اس کی دلی مراد بر آئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے دماغ پر پڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ یہ واحد ایسا دوست تھا جس سے وہ شیخ گیلانی کے متعلق بہت کچھ جان سکتا اور اسے بتا سکتا تھا۔

مائیکل قریباً 6 دن بعد گھر واپس لوٹا تھا دنوں بغلگیر ہو کر ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے لگے جس کے بعد وہ ابوعمر کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف لے گیا۔

"آؤ تمہارے گھر بیٹھ کر کچھ ضروری باتیں کرتے ہیں۔"

اس نے ابوعمر سے کہا۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں..... میں ذرا "گروسری" لے آؤں۔"

ابوعمر نے جواب دیا۔

لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے اپنے انتہائی مہذب اور شریف دوست مائیکل کو بچوں کی طرح ضد کے انداز میں یہ درخواست کرتے پایا کہ وہ پہلے اس کی بات سن لے۔

ابوعمر حیرانگی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سوائے سنجیدگی کے اسے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

"خیریت تو ہے ناں....."

اس نے اپنے دوست سے بڑے لائٹ موڈ میں بات کی تھی۔

"ہاں لیکن پلیز پہلے ہم کہیں بیٹھ کر بات کریں گے"

مائیکل کی سنجیدگی برقرار تھی۔

"ضرور دال میں کچھ کالا ہے"

ابوعمر نے دل ہی دل میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ دونوں گھر میں داخل ہوئے تو ابوعمر کی بیوی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ تو گروسری لینے گئے تھے..... اور یہ کیا لے آئے؟"

"زینب پلیز آج تم مارکیٹ جاؤ..... ہمیں کچھ ضروری بات کرنی ہے"

مائیکل نے کہا تو زینب نے حیرت سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"یا اللہ خیر"

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

دونوں سٹنگ روم میں آگئے۔

زینب نے کافی کے دو مگ ان کے ہاتھوں میں تھمائے اور ابوعمر سے گاڑی کی چابیاں پکڑ کر باہر نکل گئی۔

"ہاں اب کہو..... کیا ایسی مصیبت آگئی ہے جو تھوڑی دیر صبر بھی نہیں کر سکتے۔"

ابوعمر نے مائیکل کی طرف دیکھا اور مائیکل نے اسے اپنی کہانی جہاز کے سفر سے سنانی شروع کی۔ اس نے جہاز کے سفر سے کل رات کے واقعات تک کی ایک ایک تفصیل ابوعمر کے گوش گزار کر دی تھی۔ دوران گفتگو ابوعمر کا انہماک دیدنی تھا۔ وہ قریباً دوزانو بیٹھ کر اس کی باتیں سن رہا تھا اور اس دوران اس نے مائیکل سے ایک بھی سوال نہیں کیا۔ جیسے ہی مائیکل کی بات ختم ہوئی اس نے بجائے مائیکل کو کچھ کہنے کے اپنے دائیں ہاتھ دھرے ٹیلی فون پر خلیفہ امتیاز کا نمبر ملایا اور دوسری طرف سے فون اٹھانے پر سلام کرنے کے بعد کہا۔

"مبارک ہو خلیفہ تمہارا خواب سچ ثابت ہو گیا۔"

دوسری طرف سے کچھ پوچھنے پر اس نے دوبارہ فون پر خلیفہ امتیاز سے کہا کہ وہ کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ کر رہا ہو فوراً اس کے پاس چلا آئے اور فون رکھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

"میں سمجھا نہیں"

مائیکل نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

ابوعمر نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اچانک اس کے گلے لگ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

''میرے دوست تم بہت خوش قسمت ہو..... اللہ کا ایک ولی تمہارا مہمان بن گیا ہے۔ ہمارے رہنما خلیفہ امتیاز اور دوسرے تین چار ساتھیوں کو گزشتہ دو ماہ سے خواب میں جس راہبر کے آنے کی خوشخبری دی جارہی تھی وہ آ گیا.....''

ابوعمر نے خوشی اور جوش کے ملے جلے جذبات سے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے کہا۔

''او مائی گاڈ.....''

مائیکل کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ اسے اب کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔ ان لوگوں میں ایک عرصہ سے اٹھتے بیٹھتے ہوئے اسے اس بات کا احساس تو تھا کہ امریکہ کے عام شہریوں سے ان کا اخلاقی معیار بہت بلند ہے اور ان کی زندگیاں بالکل ایسی ہی ہیں جیسی اس کے آباؤ اجداد کبھی افریقہ میں گزارا کرتے تھے۔

☆☆☆

پندرہ منٹ بعد خلیفہ امتیاز اپنے ساتھی خالق کے ساتھ وہاں موجود تھا.....!

ابوعمر کی درخواست پر ایک مرتبہ پھر اس نے ساری کہانی دوبارہ تمام تفصیلات کے ساتھ سنادی۔

''الحمدللہ! الحمدللہ!''

بیساختہ امتیاز، خالق اور ابوعمر کے منہ سے نکلا۔

خلیفہ امتیاز نے مائیکل کی طرف دیکھا۔ پھر ابوعمر سے کاغذ قلم لانے کیلئے کہا۔ قبول اسلام سے پہلے وہ بہت اچھا آرٹسٹ تھا گو کہ اب اس نے اپنا پیشہ تبدیل کرلیا تھا لیکن آج نجانے کیوں اسے اپنا فن دوبارہ بروئے کار لانا ضروری محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے بمشکل تین چار منٹ میں کاغذ پر ایک انسانی شکل کا سکیچ بنایا اور مائیکل کی طرف سے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیا وہ اس سے ملتی جلتی شکل صورت رکھتے ہیں؟''

مائیکل نے حیرانی سے پہلے سکیچ پھر خلیفہ امتیاز کی طرف دیکھا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا:

''صدفی صد..... بالکل یہی شکل ہے۔ تم تو کمال کے آرٹسٹ نکلے یار..... تم نے انہیں کیسے دیکھ لیا۔ وہ تو رات سے میرے گھر میں ہیں۔ ابھی باہر بھی نہیں نکلے۔''

خلیفہ امتیاز مسکرایا۔

''میرے دوست تم ابھی یہ بات نہیں سمجھ پاؤ گے۔''

مائیکل نے سر ہلایا۔

تینوں آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔

☆☆☆

''ہمیں ابھی ان کے پاس لے چلو۔ وہ ہمارے شیخ ہیں۔ اللہ نے انہیں ہماری ہدایت کیلئے یہاں بھیجا ہے..... ہمیں ان کی آمد سے پہلے ہی ان کی آمد کی اطلاعات اپنے اللہ کی طرف سے مل گئی تھیں''

خالق نے کہا۔

مائیکل کو زندگی میں پہلی مرتبہ ایک عجیب سا احساس برتری ہونے لگا۔ وہ اس بات پر فخر محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب لوگ اس سے درخواست کر رہے ہیں۔

''چلتے ہیں..... چلتے ہیں..... ممکن ہے وہ آرام کر رہے ہوں''

اس نے عجیب سی سرشاری کے انداز میں جواب دیا۔

''پہلے تم پوزیشن دیکھ لینا اگر ایسی بات ہوئی تو ہم گھر کے باہر ہی انتظار کریں گے''

ابوعمر نے قریباً منت کے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن میں پہلے ان سے اجازت لوں گا''

اس نے عجیب سے نخوت بھری نظر سے ابوعمر کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں''

خلیفہ امتیاز نے بے صبری سے کہا۔

اور..... چاروں گھر سے باہر آ گئے۔ اب وہ مائیکل کے گھر کی طرف جارہے تھے۔ مائیکل نے انہیں اپارٹمنٹ کے دروازے سے باہر ہی رکنے کو کہا اور اپنے پاس موجود چابی سے اس طرح تالا کھولا کہ خود اسے بھی آواز سنائی نہ دے۔ اب وہ شیخ گیلانی کیلئے بالکل مریدوں کے سے انداز میں محسوسات کا شکار ہونے لگا تھا۔

''خدا جانے یہ کیسا شخص ہے جس سے ملاقات کیلئے اس کے دوست اس طرح عاجزی سے درخواست گزار ہیں اور جو یہاں آنے سے پہلے ان کے خوابوں میں آتا رہا ہے جس کا سکیچ بغیر دیکھے خلیفہ امتیاز نے بنا کر پیش کر دیا۔''

اس نے سوچا اور شیخ کے کمرے کی طرف چلا۔

شیخ بڑے اطمینان سے صوفے سے ٹیک لگائے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔

مائیکل نے جھجکتے ہوئے اسے آداب کہا۔

''لے آؤ ہمارے دوستوں کو''

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شیخ علی گیلانی کے منہ سے نکلے الفاظ نے مائیکل کو باقاعدہ جھٹکے کے رکھ دیا۔

''یس سر''

اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا۔

''بلالو انہیں..... بلالو..... اندر لے آؤ''

شیخ گیلانی نے کہا اور وہ الٹے پاؤں آ گیا جہاں اشتیاق بھری نظروں سے انتہائی بے قراری کے عالم میں تینوں مسلمان دوست اس کے منتظر تھے۔ وہ سب بے چینی سے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اس نے کوئی بات کہنے سے پہلے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالا پھر ان کی طرف دیکھ کر بڑے جوش سے کہنے لگا۔

''اس نے میری بات سننے سے پہلے ہی تمہارا ذکر کر دیا۔ اوہ مائی گاڈ! اسے کس نے بتایا کہ میں تمہیں لے کر آیا ہوں..... یہ کیا اسرار ہے..... کیا بھید ہے.....''

اس نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''میرے دوست وقت آنے پر تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے''

ابوعمر نے اسے بچوں کی طرح تسلی دینے کے انداز میں اس کی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

تینوں کو اپنے ساتھ لے کر جب وہ شیخ گیلانی تک پہنچا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تینوں باری باری ڈبڈباتی آنکھوں سے اس سے بغلگیر ہو رہے تھے اور مائیکل حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں کسی انسان کی آنکھوں میں دوسرے انسان کیلئے اس نوعیت کی محبت اور عقیدت نہیں دیکھی تھی۔ خلیفہ امتیاز تو باقاعدہ رونے لگا تھا۔

شیخ گیلانی شاید عربی میں اسے تسلی دے رہا تھا کیونکہ ابھی مائیکل صرف اتنا ہی جان سکتا تھا۔ مڈل ایسٹ میں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اسے صرف اتنا ہی علم ہو سکا کہ شیخ گیلانی جو زبان بول رہا ہے وہ مڈل ایسٹ میں بولی جا رہی ہے۔

وہ کیا کہہ رہا تھا؟

اس بات کی تو اسے سمجھ نہیں تھی لیکن یہ نظارہ اس کی زندگی کا شاید بہترین تجربہ تھا جب اس نے دیکھا خالق اور ابوعمر بھی بچوں کی طرح روتے ہوئے شیخ کے ہاتھ چوم رہے تھے جو انہیں شاید تسلی دے کر چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ منظر اتنا رقت انگیز تھا کہ مائیکل کی آنکھیں بھی چھلکنے لگیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا ہو گیا ہے اور وہ کون سا ایسا بے نام جذبہ ہے جس نے اسے شیخ گیلانی کی عقیدت میں اندھا کر دیا ہے۔

شیخ نے دونوں کو نارمل کرنے کے بعد مائیکل کی طرف دیکھا اور اسے ہاتھ کے اشارے سے نزدیک بلایا۔ اپنے پاس بٹھا کر اس نے مائیکل کی پیٹھ تھپتھپائی اور اسے حوصلہ دیا تو مائیکل بے اختیار بچوں کی طرح رونے لگا لیکن جلد ہی نارمل ہو گیا اس نے بضد ہو کر ان سب کی پھر جوس سے تواضع کی تھی۔ خلیفہ امتیاز اور ابوعمر شیخ سے اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کر رہے تھے۔ شیخ نے ان کی دعوت کا ہاں یا ناں میں جواب دینے کے بجائے مائیکل کی طرف دیکھا جو اس بات کیلئے راضی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''لیکن تم کل سے اپنے بزنس پر جانے لگو گے.....''

ابوعمر نے اسے سمجھایا۔

''میں نہیں جاؤں گا.....''

خدا جانے کس جذبے کے تحت اس نے کہا۔

شیخ نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا اور کہا کہ وہ اس کا مہمان رہے گا اور اب اس گھر سے اس کا رابطہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن فی الوقت وہ اسے جانے کی اجازت دے دے کیونکہ وہ ابھی اس کے ساتھ مزید قیام نہیں کر سکتا۔

''تم جانتے ہو میں اپنے مرضی سے کچھ نہیں کرتا''

اس نے مائیکل سے کہا جس نے بادل نخواستہ ہی اسے جانے کی اجازت دی تھی لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ وہ اس گھر کو ہمیشہ اپنا گھر سمجھے گا۔

ابوعمر کے گھر شیخ گیلانی کی آمد اس کیلئے عطیہ خداوندی سے کم نہیں تھی۔ شیخ کے گھر میں قدم رکھنے کی برکت سے اس پر انوارات کی بارش ہونے لگی تھی۔ اس کمیونٹی میں افریقن مسلم خاصی تعداد میں رہتے تھے اور وہ سب ''دارالسلام'' نامی ایک تحریک سے جڑے تھے۔ شیخ نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا بلکہ اس روز اس نے عشاء کی نماز کے بعد ابوعمر، خلیفہ امتیاز، نور محمد اور ان کے دو بچوں اور خواتین کو وہاں بٹھا کر کمرے میں اندھیرا کرنے کے بعد انہیں ''ذکر'' کی تلقین کی۔ جب وہ ''لا الہ الا اللہ'' کی تکرار کر رہے تھے تو سب کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کمرے کی ہر شے ان کے ساتھ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے۔ شیخ گیلانی نے پہلے ہی روز ان کے قلوب پر اسم اللہ ثبت کر دیا تھا۔ اس نے انہیں سورہ اخلاص کی ایک ایک تسبیح اور کچھ دوسری آیات پڑھنے کیلئے بتائیں اور اپنے پاس موجود کتاب سے ''فتوحات محمدیہ'' پڑھنے کیلئے دیں۔

پہلی ہی رات کے ذکر نے ان کے دلوں کو پھیر دیا اور ایک عجیب و غریب سرشاری کا عالم ان پر طاری ہونے لگا وہ خود کو ایک بے نام سے سرور میں ڈوبا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ یہ کیفیت ان پر دیر گئے تک طاری رہی اور وہ سب خود کو شیخ گیلانی کا بندہ بے دام محسوس کرنے لگے تھے۔

اگلے روز جب خلیفہ امتیاز اور ابوعمر نے اپنے باقی ساتھیوں سے ''فتوحات محمدیہ'' پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ان کے شیخ نے سختی سے اس بات کی ہدایت کی ہے کہ ان کی اجازت اور حکم کے علاوہ اور کچھ تلاوت نہ کیا جائے۔ جب دونوں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو ان کے ساتھی ناراضگی کا اظہار کرنے لگے جس پر دونوں واپس آ گئے۔

رات کو شیخ گیلانی نے دوبارہ ''ذکر'' شروع کروایا تو کچھ ہی دیر کیلئے اچانک مائیکل وہاں آ گیا۔ وہ بضد تھا کہ شیخ گیلانی کی صحبت میں بیٹھے گا جبکہ ابوعمر اس کیلئے تیار نہیں تھا کیونکہ اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ شیخ گیلانی کسی غیر مسلم کو جو ان کا بہت اچھا دوست بھی ہے اپنی محفل میں بیٹھنے کی اجازت دے گا۔ پاس ادب کی وجہ سے وہ شیخ گیلانی سے اس کا ذکر بھی نہیں کر رہا تھا جب اچانک شیخ گیلانی وضو کرنے کیلئے اس کمرے میں آیا۔ اس نے مائیکل کی شکل پر نظر پڑتے ہی ابوعمر سے کہا:

''اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں بھی نہیں۔ بیٹھنے دو اسے اپنے ساتھ۔''

ابوعمر حیرانگی سے شیخ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے بادل نخواستہ مائیکل کو کمرے میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ پہلے ان لوگوں نے شیخ گیلانی کی اقتدار میں نماز ادا کی اور پھر نیم دائرے میں خواتین اور مرد الگ الگ بیٹھ گئے۔ مائیکل کمرے کے ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے اس منظر میں کھویا ہوا تھا۔ شیخ نے انہیں ''ذکر'' شروع کروایا۔ جب وہ ''اللہ'' کی ضرب لگاتا تو مائیکل کو یوں محسوس ہوتا جیسے ''اللہ'' اس کے دل کے اندر زور سے دھڑکا ہو۔ اس کی زبان سے لاشعوری انداز میں ''ذکر'' شروع ہو گیا۔

سب لوگوں پر وجد کی کیفیت طاری تھی اس لیے کوئی مائیکل کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ لیکن خلیفہ امتیاز جو قدرے ہوش میں تھا کن انکھیوں سے مائیکل کو دیکھ رہا تھا جس پر ''حال'' طاری ہونے لگا تھا۔

''ذکر'' ختم ہوا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور شیخ کے قدموں میں گر کر بچوں کی طرح رونے لگا۔

شیخ گیلانی نے فوراً اسے اٹھایا اور اپنے گلے سے لگا لیا۔

''میں اسلام قبول کرتا ہوں''

مائیکل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

سب حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''بیٹا پہلے اس بات پر غور کر لو..... کچھ سوچ سمجھ لو۔ ممکن ہے تمہارا یہ فیصلہ جذباتی ہو''

شیخ گیلانی نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

لیکن..... مائیکل کی ضد دیدنی تھی۔ شاید وہ اب زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر الہ کی بے پایاں عنایت کو حاصل کرنے کا عزم کر چکا تھا جس سے وہ اب تک محروم رہا تھا۔

شاید قدرت اسے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس عظیم الشان انعام سے نوازنے کا فیصلہ کر چکی تھی جو ہر کسی کا مقدر نہیں ہوتا۔

''اسے غسل کروا کر لے آؤ''

شیخ نے جو مراقبے میں چلا گیا تھا، اچانک اپنا سر اٹھایا اور ابوعمر کی طرف دیکھ کر کہا۔

ابوعمر نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے واش روم کی طرف لے گیا۔ قریباً پندرہ منٹ بعد اس کی واپسی مائیکل کے ساتھ ہوئی تو اس نے شیخ عمر کی طرف سے فراہم کردہ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کا جوڑا پہن رکھا تھا۔

شیخ گیلانی نے اسے اپنے سامنے بیٹھا کر قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت کیں پھر انگریزی میں ان کا ترجمہ ایسے انداز سے کیا کہ مائیکل ایک ایک لفظ سمجھ سکے۔ اس کے بعد اس نے مائیکل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے اپنے پیچھے پڑھنے کی تلقین کی۔

مائیکل کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا تو اس کی آنکھیں اچانک بند ہوگئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باطن کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے محسوس کیا جیسے وہ کسی صحرائی نخلستان میں موجود ہے جہاں کچھ بزرگوں کی محفل سجی ہے اور ایک ایسے بزرگ جن کے چہرے پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی جو بیک وقت جمال و جلال کی مکمل تصویر دکھائی دے رہے تھے ایک طرف تشریف فرما تھے۔ سب بزرگ ان کے سامنے نیم دائرے کی شکل میں بیٹھے تھے۔ ان کے پہلو میں شیخ گیلانی موجود تھا جس نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

شیخ گیلانی نے بزرگ سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے اس کا نام بتایا اور اس بزرگ سے کہا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ بزرگ نے مائیکل کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اسے مبارکباد دی اور کلمہ شریف پڑھنے کی تلقین کی۔ اس دوران شیخ گیلانی نے اس کا ہاتھ بزرگ کو تھما دیا جنہوں نے نہایت شفقت سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما تو مائیکل کو یوں احساس ہوا جیسے اس کے سارے بدن میں سرور و انبساط کی لہریں دوڑنے لگی ہوں۔ اسے اپنا وجود ہلکا ہو کر ہوا میں تیرتا محسوس ہونے لگا۔

اچانک اس کے کانوں سے شیخ گیلانی کی آواز ٹکرائی جو اس بزرگ سے درخواست کر رہا تھا:

''یا شیخ پیران پیر یا دستگیر میں اس بچے کیلئے آپ سے خصوصی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ اس نے میری بہت خدمت کی ہے۔''

اور..... پیران پیر نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ان کی اقتداء میں باقی تمام بزرگوں نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے اور مائیکل کیلئے دعا فرمائی۔

اس کے ساتھ ہی منظر غائب ہوگیا۔ مائیکل کو یوں لگا جیسے کسی نے اچانک اس کے دل پر گھونسا مار دیا ہو کیونکہ وہ اس منظر کے خاتمے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

''مبارک ہو میرے عزیز! تمہیں حضرت غوث الاعظم جیلانی محبوب سبحانی نے اپنی غلامی میں قبول فرمالیا ہے۔ آج سے تمہارا نام غلام جیلانی قادری ہوگا'' شیخ گیلانی نے کہا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں احساس تشکر سے آنسو تیر رہے تھے۔

''اللہ اکبر..... اللہ اکبر..... اللہ اکبر کبیرا۔''

ابو عمر، خلیفہ امتیاز اور باقی اہل محفل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ سب اسے گلے سے لگا کر باری باری مبارکباد دے رہے تھے اور مائیکل پر سرشاری کا ایسا عالم طاری تھا جسے وہ زندگی بھر الفاظ میں بیان نہ کر پاتا۔ اسے یاد آگیا کہ اس روز جب آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلی تو ایسے ہی ایک بزرگ شیخ گیلانی کے کمرے میں موجود تھے۔

وہ عین الیقین کی منزل سے گزرا تھا بصورت دیگر کبھی اس بات کو اس کا دماغ تسلیم نہ کرتا کہ اس طرح حالت بیداری میں اس نے حضرت غوث پاک کی زیارت کی اور ان کی محفل میں موجود درجنوں اولیائے کرام نے اسے اپنی دعاؤں سے نوازا۔

☆☆☆

شیخ گیلانی نے اپنے عمل و کردار سے دنوں میں انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور اس کمیونٹی میں موجود پندرہ بیس مسلمان اب اس کے پاس مستقل حاضری دینے لگے تھے۔ اس نے غلام جیلانی کو سختی سے تلقین کی تھی کہ وہ اپنی نوکری سے استعفیٰ نہ دے کیونکہ یہ عمل نہ تو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے نہ ہی اس کے نزدیک۔

''اللہ ہم سے یہ نہیں چاہتا کہ ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف اس کی بندگی کیلئے ہی خود کو مختص کر لیں اور اپنے دنیاوی فرائض سے غفلت برتیں۔ دین و دنیا کو ایک ساتھ اور اعتدال سے نبھانا ہی احسن ہے۔''

اس نے غلام جیلانی کو سمجھاتے ہوئے کہا جس نے اس کی مستقل خدمت گزاری کیلئے نوکری سے استعفیٰ دینے کا خیال ظاہر کیا تھا۔

''تم لوگ اللہ کے صحیح اور سچے پیغام کو لے کر نکلے ہو۔ یہ راہ سلوک کی مسافت ہے۔ کسی بھی سالک کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے اندر وہ دس صفات لازماً پیدا کرے جن کا حکم ہمیں غوث ربانی نے دیا ہے۔ دیکھو کبھی جھوٹ نہ بولنا مذاق میں بھی نہیں۔ زبان پر اگر آئے تو حرف صداقت اور کچھ نہ آئے۔ خدا کی قسم کبھی نہ کھانا جھوٹی یا سچی..... اگر سچی بھی کھاؤ گے تو عادت بن جائے گی اس طرح ہر قسم کی قسم کھانے سے مجتنب ہو جاؤ گے اور جب تم ترک حلف کے عادی ہو گئے تو انوار ایزدی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ تم پر کھل جائے گا۔ اگر وعدہ کرو تو وفا کرنا ورنہ قطعاً وعدہ نہ کرنا کیونکہ اسے پورا نہ کرنا بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ مخلوق خداوندی میں سے کسی پر بھی لعنت نہ کرنا۔ کوشش کرو تمہارے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ صفت ابرار و صدیقین کے اخلاق میں سے ہے۔ اگر چہ تمہارے ساتھ زیادتی بھی ہو جائے تو بھی مخلوق خداوندی میں سے کسی کو بددعا نہ

دینا۔ ظلم کرنے والے سے قطع تعلق بھی نہ کرنا اور اس کے کردار کا اس سے انتقام نہ لینا۔ بس اپنا قول وفعل اس کے قول وفعل کے مطابق نہ کرنا۔ اہل قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر، شرک یا نفاق کی گواہی نہ دینا۔ اس طرح رحمت خداوندی کے نزدیک ہو جاؤ گے اور اللہ کے مقرب ٹھہرو گے۔ اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں کی چیزیں دیکھنے سے محفوظ رکھنا اور اپنے اعضاء و جوارح کو معاصی سے بچائے رکھنا۔ مخلوق خداوندی میں سے کوئی چھوٹا ہے یا بڑا اس پر اپنا بوجھ نہ ڈالنا خواہ یہ بوجھ کم ہو یا زیادہ۔ خود کسی پر بوجھ بننے کے بجائے مخلوق کی سب چیزوں کا بوجھ خود اٹھانا خواہ تمہیں اس کی احتیاج ہو یا نہ ہو۔ یہ خصلت عابدین کی عزت اور متقین کا شرف ہے۔ یہی وہ خصلت ہے جو تمہیں امر بالمعروف کی توثیق اور نہی عن المنکر کی طاقت عطا کرے گی..... سالک! کسی سے حرص وطمع نہ رکھنا۔ لالچ سے نفس کو بچائے رکھنا، اس سے عزت ملے گی۔ یہ خالص استغناء بادشاہی کی علامت، عمدہ فخر، روشن یقین اور شفا بخش توکل ہے اور اللہ پر یہی توکل تم پر زہد کا دروازہ کھول دے گا۔ تواضع کی خصلت اختیار کرو۔ اس سے رفعت عطا ہوگی۔ مخلوق خدا میں عزت بڑھے گی اور اللہ کے ہاں منصب سب اطاعتوں کی اصل ان کا فرع اور کمال یہی مومنانہ خصلت ہے۔ تواضع یہ ہے کہ جسے ملو خود کو اس سے کمتر اور اسے بہتر جانو۔ خواہ وہ تم میں بڑا ہو یا چھوٹا۔ خواہ علم میں باکمال ہے یا جاہل مطلق۔ الا یہ کہ اگر وہ کافر بھی ہو تو گمان کرنا کہ مجھے علم نہیں شاید یہ ایمان لے آئے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو۔"

شیخ علی گیلانی کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ کو اس کے عقیدت مند حرز جان بنا رہے تھے۔ اس نے دنوں میں ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ اس روز جب وہ اسلامک سنٹر میں اپنے دارالسلام تحریک کے ساتھیوں کو "فتوحات محمدیہ" پڑھنے کی تلقین کر رہے تھے کوئی ایک بھی ان کی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھا کیونکہ اس تحریک کے روح رواں کا حکم تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے پیروکار کسی اور مسلمان کی لکھی کوئی کتاب یا تحریر نہیں پڑھیں گے خواہ اس کا تعلق ان کے اپنے عقیدے یا مسلک سے کیوں نہ ہو۔

غلام جیلانی، ابوعمر، خلیفہ امتیاز اور اس کے دو تین ساتھی اپنے ساتھیوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ وہ خدانخواستہ انہیں "فتوحات محمدیہ" کتاب مطالعہ کیلئے نہیں دے رہے بلکہ دین اسلام پر ان کا اعتماد اور یقین مزید پختہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کوئی ان کی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ لوگ انہیں برا بھلا کہہ رہے تھے کہ وہ دارالسلام تحریک کے شیخ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

"آزمائش اللہ کی سنت ہے"

شیخ گیلانی نے اس روز عشاء کی نماز کے بعد مختصر خطاب میں ان سے کہا۔ "تم سالک ہو تم پر ایسی کئی آزمائشیں آئیں گی۔ اگر ثابت قدم رہے تو اللہ کی مدد تمہارے شامل حال رہے گی۔ صرف ایک بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا کہ تم حق پر ہو اور اللہ کا وعدہ ہے کہ حق ہی غالب ہوگا۔"

اگلے روز جب خلیفہ امتیاز نے انہیں کہا کہ آج ہم اسلامک سنٹر کے بجائے رات کو فرداً فرداً لوگوں سے ملیں گے تو سب نے اس پر اتفاق کیا اور اس رات انہیں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی جب محمد عبدالعلیم نے جو اس تحریک میں بڑا اہم رول ادا کر رہا تھا، فتوحات محمدیہ پڑھنے کیلئے رکھ لی اور کچھ اور مسلمانوں نے بھی کتابیں چوری چھپے پڑھنے کا وعدہ کر لیا۔

جن حالات سے وہ گزر رہے تھے اس میں ان کے نزدیک یہ بڑی اہم کامیابی تھی کیونکہ یہ بات وہ اچھی طرح جان گئے تھے کہ ایک مرتبہ جو ان کے شیخ کی تعلیمات سے آگاہ ہوا ان کی صحبت میں آ گیا پھر وہ کبھی واپس نہیں جائے گا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد ہی شیخ گیلانی نے انہیں "خلوت" کا مژدہ سنایا۔ "خلوت" کا تقاضا تھا کہ اس کیلئے ویران اور شہر کے ہنگاموں سے دور کسی جگہ کا انتخاب کیا جائے۔ بعد از خرابی بسیار ابتدائی ساتھیوں نے نیویارک کے نواح میں "مونٹی سیلو" (Monticello) کو منتخب کیا جہاں انہوں نے اپنے ایک مسلمان ساتھی کا "بنگلہ" خلوت کیلئے منتخب کیا۔ جھیل کے کنارے گھنے جنگل میں بنا یہ بنگلہ اکثر غیر آباد رہتا تھا۔ "خلوت" سے دو روز پہلے ہی اس کی صفائی کی گئی تھی۔ ہڈیوں میں اتر جانے والی صفر درجہ سنٹی گریڈ سے بہت نیچے کی سردی نے جھیل کے پانی کو منجمد کر دیا تھا۔ ان کے چاروں اطراف برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ سارا جنگل برف سے ڈھکا تھا۔ کبھی کبھی ہوا کا جھونکا آتا تو درختوں کے پتوں پر جمی برف کا کچھ حصہ زمین پر گرتا۔

اس پہلی خلوت میں ان کے علاوہ داؤد سلیمان، حسین، اسماعیل، عبدالرحیم، حاجی عبدالمنعم، نور محمد، محمود عطا، ابوعمر اور ابتدائی ساتھی شامل تھے۔ سب لوگ شام ڈھلے شیخ کی معیت میں تین چار کاروں کا قافلہ بن کر یہاں پہنچے۔ سب نے شیخ گیلانی کی اقتدار میں نماز ادا کی اور عشاء سے فراغت کے بعد شیخ نے ابوعمر کو اپنے پاس کمرے میں طلب کر لیا۔

"ابوعمر تم کیا چاہتے ہو؟"

شیخ نے جو شاید ابھی ابھی مراقبہ سے بیدار ہوا تھا، اس سے دریافت کیا۔

"اللہ کا قرب"

ابوعمر کی عقیدت مند گردن جھکی ہوئی تھی۔

''جاؤ اور سو مرتبہ سورہ اخلاص اول آخر درود شریف گیارہ مرتبہ کے ساتھ پڑھو'' شیخ نے اسے ہاتھ سے کمرے کے دروازے کی سمت رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

ابوعمر تسبیح ہاتھ میں پکڑے باہر نکل گیا اس کے بعد شیخ نے فرداً فرداً سب کو باری باری طلب کیا اور ان سے یہی سوال کرتے ہوئے انہیں مختلف قرآنی آیات کے وظائف پڑھنے کی تلقین کی۔ سب آنکھیں بند کر کے اپنے دل کی آنکھیں کھولے اللہ کے حضور میں اس کی بزرگی بیان کرتے ہوئے ایک عجیب سی سرشاری کا شکار تھے۔ ان پر بے نام سا نشہ طاری ہونے لگا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ان کے جسم تھے ہی نہیں بلکہ وہ صرف روحیں ہیں۔

نصب شب کے بعد اس نے سب کو اپنے سامنے بٹھایا اور اسم اللہ ذات کا ورد شروع ہوگیا۔ بمشکل پانچ منٹ بعد ہی وہ سب عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اللہ ان کی زبانوں سے نہیں دلوں سے نکل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سردی کا احساس دم توڑنے لگا۔ وہ سب کھلے آسمان کے نیچے ہڈیوں کا گودا منجمد کر دینے والی سردی میں بیٹھے تھے لیکن صورتحال یہ ہوگئی تھی کہ دوران ذکر انہیں اپنے بدن پر موجود کپڑے بھی اضافی بوجھ محسوس ہو رہے تھے۔

ان کی آنکھیں بند تھیں اور جسم مجسم اطاعت گزار بنے ہوئے تھے۔ اچانک انہیں یوں لگا جیسے ان کے گرد موجود درختوں سے وہی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ پہلے تو انہوں نے اسے گمان ہی جانا لیکن جلد ہی درخت بھی ان کے ساتھ ''ذکر'' میں شامل ہوگئے۔ ذکر کرنے والوں کے دلوں پر پہلے تو ہیبت نے غلبہ کیا پھر آہستہ آہستہ یہ ہیبت ایک بے نام سے سرور میں ڈھلنے لگی اور ان میں سے خصوصاً وہ لوگ جو شیخ گیلانی کے زیادہ نزدیک تھے انوارات کا مشاہدہ کرنے لگے۔

جب ''ذکر'' کی یہ محفل ختم ہوئی تو تہجد کا وقت قریباً ختم ہو رہا تھا۔ شیخ گیلانی نے انہیں تہجد پڑھنے کی تلقین کی جس کے بعد انہوں نے شیخ کی اقتدار میں نماز فجر ادا کی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد سے یوں تو اب تک کئی نمازیں ادا کی تھیں لیکن آج نماز نے انہیں جو سرور دیا وہ زندگی کا یادگار تجربہ تھا۔ اللہ کے حضور جب انہوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار آنسو ان کے گالوں سے بہہ کر ڈاڑھی میں جذب ہونے لگے۔ بیشتر سسکیاں لے کر رو رہے تھے۔ ذکر و فکر کی ان محفلوں کے چند روز تک مزے لوٹنے کے بعد وہ نیویارک کے ''بروکلین'' ایریا میں آگئے جہاں پہلے سے موجود مسلمانوں نے ان سے کرید کرید کر شیخ گیلانی کے ساتھ ہونے والے مشاہدات دریافت کرنے شروع کیے۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کو ان مشاہدات سے آگاہ کرتے تو کچھ خاموشی اختیار کرتے، کچھ تجسس ظاہر کرتے، کچھ مضحکہ اڑاتے اور کچھ شیخ گیلانی کی اس ''خلوت'' میں جانے

کے تمنائی ہوئے۔

ابوعمر اور اس کے ساتھیوں کے نظریات میں آہستہ آہستہ انقلابی تبدیلی آ رہی تھی۔ ان کے شیخ نے انہیں تعلیمات سلطان باہوؒ سے آگاہی دینا شروع کی۔ انہیں ''عین الفقر'' اور ''فتوحات محمدیہ'' کا مطالعہ کروایا اور ایک روز ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''اللہ کی بارگاہ میں ایسے حاضری دو جیسے مخلوق کا کوئی وجود ہی باقی نہیں رہا اور مخلوق کے ساتھ ایسے رہو جیسے تمہارا نفس عنقا ہے۔ حضرت محبوب سبحانی غوث ربانیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تم مخلوق کے وجود کو نظرانداز کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ رہو گے تو اسے پالو گے۔ ہر شے سے فنائیت کا مقام حاصل کرلو گے اور جب اپنے نفس کی خواہشات کے علی الرغم مخلوق کے ساتھ ہو گے تو عدل و انصاف اور حق تمہارے ساتھ ہوگا، تم انجام بد سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اللہ کی استعانت تمہیں حاصل ہو جائے گی۔ ''خلوت'' میں ہمیشہ تنہا داخل ہونا اس طرح تمہاری چشم باطن اپنے مونس و غمخواروں کا نظارہ کرنے لگے گی جو بظاہر تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہیں، وہاں تمہیں موجودات..... ماسوا کا نظارہ ہوگا۔ جب نفس تم سے ہٹ گیا تو قرب الٰہی تمہارا مقدر بن جائے گا۔ اس حال کو پہنچو گے تو تمہارا جہل تمہارا علم بن جائے گا۔ بعد قرب میں تبدیل ہوگا۔ خاموشی ''ذکر'' بن جائے گی۔ جان لو کہ عبودیت کے مقام میں خالق اور مخلوق دو ہی ہیں۔ اگر تم خالق کو اختیار کرتے ہو تو کہہ دو کہ رب دو عالم جل وعلا کے سوا میرے کوئی اور دوست نہیں۔''

اس نے انہیں کہا..... ''میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر راہ سلوک کی اس مسافت پر تمہارے قدم بقدم چلوں گا۔ میرا کام تمہاری رہنمائی اور خدمت ہے لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں۔ تمہاری ریاضت ہی تمہیں مقام عبودیت کی بلندیوں اور رفعتوں سے نوازے گی۔''

غلام جیلانی اس کے حکم پر اپنی نوکری سے لگا تھا ورنہ تو اس کا دل اب ایک لمحے کیلئے بھی شیخ گیلانی سے الگ ہونے کا متحمل نہیں ہوتا تھا۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو جن کی تعداد اب آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ اپنے دور دراز مکانات فروخت کر کے مسلمانوں کی بستی کے نزدیک مل جل کر رہنے کی ہدایت کی۔

ایک روز اس نے ابوعمر اور دوسرے ساتھیوں کو ''معمولات'' سے نوازا۔ انہیں تلقین کی وہ اس پروگرام پر عمل پیرا ہوئے تو جلد ہی اللہ تعالیٰ ان پر انوارات کی بارش کرے گا۔ ''معمولات'' کے تیسرے ہی دن ابوعمر کے باطن کی آنکھ کھل گئی۔

اسی روز رات گئے جب وہ اپنے کمرے میں اسم اللہ ذات کو اپنے شیخ کی ہدایت کے

مطابق دل پر نقش کر کے "ذکر" کر رہا تھا تو اچانک اسے اپنے کمرے کی دیواروں پر "اللہ" کا اسم مبارک چمکتا دکھائی دینے لگا۔ پہلے تو ابوعمر کی اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا اور وہ زیادہ خشوع و خضوع کے ساتھ "ذکر" میں لگ گیا لیکن گھپ اندھیرے میں اب اسم محمد ﷺ بھی دیوار پر چمکنے لگا۔ "اللہ" اور "محمد" کے الفاظ سفید اور دودھیا رنگوں میں اپنی بہار دکھا رہے تھے اور اسم محمد ﷺ دودھیا اور سبز رنگ میں چمک رہا تھا۔

ابوعمر کو یوں لگا جیسے اس کا دل دھڑکن سے بے نیاز ہو گیا ہو۔ اس کی زبان سے "اللہ" کا ذکر جاری تھا اور آنکھیں سامنے دیوار پر لگی تھیں جہاں اللہ اور ختمی مرتبت ﷺ کے نام اپنی پوری آب و تاب اور شان و شوکت سے جگمگا رہے تھے۔

یہ اس کی زندگی کی بہترین راتوں میں سے ایک رات تھی۔

صبح جب اس نے اپنے ساتھیوں سے رات کے تجربے کا ذکر کیا تو وہ یہ سن کر حیران رہ گیا کہ ان سب نے بھی ایسے ہی انوارات کا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ سب اسی کیفیت کا شکار تھے جس کیفیت سے وہ سب گزر رہے تھے۔

اگلے روز شیخ گیلانی نے انہیں اپنی نگرانی میں ذکر کروایا اور پھر الگ الگ بیٹھ کر "معمولات" دہرانے کی تلقین کی۔ ابوعمر صحن میں بیٹھا "اللہ" کا ذکر کر رہا تھا جب اچانک کل کی طرح الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے فضا میں چمکنے لگے۔ پھر ان الفاظ کے پس منظر سے "رین بو" ظاہر ہوئی جس کے رنگ پہلے پیلے پھر دودھیا سرخ بنفشی ہونے لگے۔ اس "رین بو" نے آہستہ آہستہ پس منظر میں جانا شروع کر دیا اور اس کے پیش منظر پر ایک انتہائی طاقتور اور آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی ظاہر ہونے لگی۔

ابوعمر "ھو" کا ورد کرتا اس روشنی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا جب اس روشنی کے دامن سے ایک سفید رنگ کا انتہائی خوبصورت پرندہ ظاہر ہوا جو اڑتا ہوا اس کے نزدیک پہنچا اور انسانی شکل اختیار کرنے کے بعد غائب ہو گیا۔

اس سارے عمل نے ابوعمر پر عجیب سی وحشت طاری کر دی تھی۔ اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی اور اپنی دانست میں اس صورتحال سے نجات کیلئے وہ صحن سے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں موجود آئینے کے سامنے پہنچ کر اسے یوں لگا جیسے اس کے جسم کا صرف آدھا حصہ آئینے میں دکھائی دے رہا ہو۔ پریشان ہو کر اس نے آئینے پر دوبارہ نظریں جمائیں تو جسم کا درمیانہ حصہ غائب تھا جبکہ اوپر کا دھڑ اور نچلا حصہ بڑا واضح دکھائی دے رہا تھا۔

ابوعمر کی پریشانی بڑھنے لگی اور اس نے بار بار آنکھوں کو ملتے ہوئے اسے نظر کا دھوکہ جان کر دوبارہ دیکھنا چاہا تو اسے آئینے میں اپنا جسم ہی دکھائی دینا ختم ہو گیا۔ اپنے سر کو بار بار جھٹک کر اس نے دوبارہ آئینہ دیکھا پھر وہی حال تھا۔

ابوعمر گھبراہٹ اور قدرے خوف کی کیفیت میں شیخ کے کمرے میں چلا گیا جہاں شیخ گیلانی آنکھیں بند کیے "مراقبہ" میں بیٹھا تھا۔ اس کی آمد کے چند لمحوں بعد ہی شیخ نے آنکھیں کھول دیں۔

"خیریت"

اس نے مسکراتے ہوئے ابوعمر کی طرف دیکھا۔

اس مسکراہٹ سے اسے کچھ تسلی تو ہوئی لیکن آئینے میں جسم دکھائی ہی نہ دینا ایسی بات نہیں تھی جس پر وہ آسانی سے مطمئن ہو جاتا۔ اس نے شیخ کو "معمولات" کے درمیان ہونے والے انوارات اور مشاہدات سے آگاہ کرتے ہوئے آخری بات پر تشویش ظاہر کی تو شیخ گیلانی دوبارہ مسکرایا اور اس نے ابوعمر سے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں جائے اور جس طرح شیخ گیلانی نے اسے ہدایات دی ہیں اسی طرح "معمولات" کو دہرائے۔

شیخ کی بات کو حکم جان کر وہ کمرے میں واپس آیا تو اس کی حالت نارمل ہو چکی تھی۔ ابھی تک اسے اس سارے معاملے کی سمجھ تو نہیں آئی تھی لیکن اس بات پر اس کا ایمان کی حد تک یقین ہو چلا تھا کہ شیخ گیلانی انہیں سلوک کی مسافت میں بہت دور تک لے گیا ہے اور ان محنتوں کا اب انعام قدرت کی طرف سے ملنے لگا ہے۔ کچھ ایسے ہی نوعیت کے تجربات سے غلام جیلانی اور باقی ساتھی گزر رہے تھے اور وہ ایک دوسرے تک اپنے انوار و مشاہدات پہنچا کر قلبی تسکین سی محسوس کرتے تھے۔

تین روز بعد جب چھٹی کے دن ابوعمر اپنے گھر سے باہر نکلا جہاں چاروں طرف برف کا سمندر پھیلا دکھائی دے رہا تھا تو اچانک اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی دوڑنے کا احساس ہوا۔ ابوعمر کی زبان پر اسم اللہ کا ورد جاری ہو گیا اور وہ ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار اس برف زار پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اس نے کتنا فاصلہ طے کیا اس کا اسے احساس نہیں ہوا۔ درختوں کے طویل سلسلے میں اب وہ دریائی گزرگاہ کے کنارے پر کھڑا تھا جب اچانک زمین نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

فضا میں کچھ ایسی ڈراؤنی آوازیں گونجنے لگیں جنہوں نے ابوعمر کو قدرے خوفزدہ کر دیا اور وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر "ذکر" کرنے لگا۔ جب اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے موجود درختوں کی قطار پر بڑے نمایاں الفاظ میں انتہائی چمکدار اور آنکھیں خیرہ کر دینے والی روشنی سے اسے قرآنی

آیت دکھائی "اللہ نور السمٰوات والارض"۔

ابوعمر اسی جذب و کیف کی کیفیت میں گھر لوٹ آیا۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر وہ "ذکر" کرنے لگا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اللہ نے اسے خصوصی مشن کی تبلیغ اور پرچار کیلئے منتخب کرلیا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اب شیخ گیلانی کے حلقے میں غیر مسلم بھی آنے لگے تھے۔ اس ضمن میں خصوصی کردار غلام جیلانی کا تھا جو اب شیخ گیلانی کا خصوصی مقرب بھی بن چکا تھا۔ یہ لوگ چپ چاپ شیخ اور اس کے ساتھیوں کے "ذکر" کا نظارہ کرتے اور انہیں یوں محسوس ہوتا کہ ان لوگوں کے "ذکر" کے ساتھ ساتھ سارے ماحول سے "اللہ ہو" کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ آنے والوں میں سے ہر روز کوئی نہ کوئی اسلام کی حقانیت کا ادراک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا۔ ان لوگوں کی تربیت اور اپنے طالبوں کے تزکیہ نفس کیلئے شیخ گیلانی کی ہدایت پر بروکلین کے جارج ایونیو میں موجود ابوعمر کے گھر کو ایک طرح سے مرکزی دفتر کی حیثیت حاصل ہوگئی جہاں شیخ گیلانی کی طرف سے کچھ کتابیں مطالعے کیلئے رکھ دی گئیں۔ یہاں ابوعمر اور اس کے ساتھیوں نے شیخ گیلانی کی ہدایات کے مطابق قرآن و حدیث کے درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کو "فتوحات محمدیہ" بھی پڑھانے لگے اور جلد ہی یہاں بروکلین کے علاوہ کوئینز، لونگ آئی لینڈ، جرسی سٹی، فلاڈلفیا، واشنگٹن ڈی سی، ورجینیا، ایکرون، اوہائیو، مشی گن اور کینیڈا تک سے مسلمان اور غیر مسلم آنے لگے کیونکہ یہاں آنے والے بیشتر مسلمانوں کو انوارات و مشاہدات ہوتے تھے۔

شیخ گیلانی کے موجودگی میں وہ "عین الیقین" کے مراحل طے کرنے لگے جس سے ان کے قلوب میں شیخ کی محبت روز بروز بڑھنے لگی۔ اس کے طالبین کی تعداد دونوں میں درجنوں سینکڑوں تک پہنچنے لگی اور پھر وہ وقت آیا جب اس کے ہاتھ پر "بیعت" کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں پہنچ گئی۔ یہ لوگ شیخ گیلانی کی ہدایات پر اپنے اپنے علاقے میں جا کر رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دینے لگے۔

جرسی سٹی میں نور محمد کے گھر کو شیخ گیلانی کی میزبانی کا شرف نصیب ہوگیا۔ یہاں اس کے مبلغین اکٹھے ہو کر اس سے قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرتے اور پھر اپنے اپنے علاقوں کی طرف رخت سفر باندھتے۔ ان مبلغین نے شیخ گیلانی کے مریدین کے تزکیہ نفس اور نومسلموں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ بڑے منظم طریقے سے سنبھال رکھا تھا۔ دن رات کی مختلف کلاسوں کا اہتمام ہوگیا جن میں عورتوں اور مردوں کو الگ الگ اسلامی تعلیمات اور تصوف سے بہرہ ور کرنے کا سلسلہ جاری ہوا۔

☆☆☆

ابوعمر اور اس کے ساتھیوں کا ذوق شوق دیدنی تھا۔ انہوں نے اپنی زندگیاں اس عظیم مشن کیلئے وقف کر دی تھیں اور جیسے جیسے وہ راہ سلوک کی مسافتیں طے کر رہے تھے ان پر انوارات کی بارش برستی جا رہی تھی۔ اس روز جب ابوعمر تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے "معمولات" کے مطابق "ذکر" میں مصروف تھا تو اچانک اسے احساس ہوا جیسے اس کا جسم ہلکا ہو کر ہوا میں اڑنے لگا ہے۔

ابوعمر مکمل ہوش و حواس میں اپنی زندگی کے حسین ترین تجربے سے گزرنے جا رہا تھا۔ اس نے برق رفتاری سے خود کو آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کرتے محسوس کیا تو اس پر خوف کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس کیفیت سے نجات کیلئے ابوعمر نے آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔ اس کے بعد چاروں قل شریف اونچی اونچی آواز میں پڑھنے لگا۔ جب وہ سورۃ الناس کی آخری آیت پر پہنچا تو اس کے جسم کو زوردار جھٹکا لگا اور اسے اپنی رفتار کسی راکٹ انجن سے بھی تیز محسوس ہوئی۔ ستاروں اور سیاروں کو وہ اپنے پیچھے چھوڑتا جا رہا تھا جو اب سفید رنگ کے بڑے بڑے جزیروں میں تبدیل ہونے لگے تھے۔

اب اس پر طاری خوف کی کیفیت مکمل ختم ہو چکی تھی البتہ حیرت بڑھنے لگی تھی۔ اسے احساس ہونے لگا جیسے اس نے ہزاروں لاکھوں میل کا سفر طے کرلیا ہو اور اس کا جسم آسمان کی وسعتیں چیرتا ہوا اسے ایک نورانی محفل میں لے آیا۔ عجیب سماں تھا.....

اس کے چاروں طرف انوارات کی بارش برس رہی تھی۔ ایک پاکیزہ اور دودھیا روشنی نے سارے ماحول کا احاطہ کر رکھا تھا اور ابوعمر سرور کائنات فخر موجودات سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ کے سامنے موجود تھا۔ جمال محمدی ﷺ کی تاب لانا اس کیلئے ممکن نہیں تھا لیکن اس کا سارا جسم آنکھ میں تبدیل ہو کر روئے محمدی ﷺ پر مرتکز تھا۔

ابوعمر نے دیکھا ختمی مرتبت ﷺ کے دائیں بائیں اور پیچھے ہزاروں کی تعداد تا حد نگاہ نوری نفوس موجود ہیں۔ ان میں سے بیشتر نے سبز رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ان کے چہروں کے گرد نور کے ہالے دکھائی دے رہے تھے جب کہ سرور کونین ﷺ کے پورے جسم مبارک کے گرد نور کا ہالہ احاطہ کیے ہوئے تھا۔

نبی کریم ﷺ کے دائیں ہاتھ پر جو لوگ موجود تھے ان میں اس کے شیخ علی گیلانی کا چہرہ نمایاں تھا جو نبی کریم ﷺ کے قدموں میں بیٹھے تھے۔ اسے بتایا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے اردگرد جو لوگ نورانی ہالوں کے ساتھ موجود ہیں وہ سب انبیائے کرام اور رسول ہیں جو وقتاً فوقتاً دنیا میں آئے۔ ان کے علاوہ اس محفل میں تمام جید اولیائے کرام تشریف فرما ہیں۔

ابوعمر کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ جمال محمدی ﷺ کی تاب لانا اس کیلئے ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد رہا کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے نزدیک آنے کا اشارہ کیا اور شیخ علی گیلانی کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے ہوئے اسے کچھ فرمایا جو ابوعمر کو یاد نہ رہا۔

یہ کیفیت کب تک رہی اس کا بھی اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس کے تو دل و جان پر ایک ہی جذبہ غالب تھا کہ وہ جمال محمدی ﷺ کا نظارہ کر رہا تھا اور یہ سعادت اس کی زندگی کا حاصل ہے۔

اس مشاہدے نے اس کی قلبی کیفیات کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اب بے اختیار اس کی زبان پر سوتے جاگتے ''اللہ'' اور ''ھو'' کا ورد جاری رہنے لگا۔ اس نظارے کے بعد اسے اپنے اصل کی طرف لوٹنے میں تین چار دن لگ گئے۔ اس دوران وہ جب بھی عالم ہوش میں آتا نبی کریم ﷺ کی دید کی دولت سے مالا مال ہونے کا تذکرہ درود و سلام کے ساتھ کرتے ہوئے سسکیاں لے کر رونے لگتا۔ جیسے ہی شیخ گیلانی کے چہرے پر اس کی نظر پڑتی اس پر رقت طاری ہو جاتی۔ اسے عالم ہوش میں لوٹنے کے بعد اس کے ساتھیوں نے بتایا کہ شیخ گیلانی نے اس کے دل پر مسلسل دو روز تک ضرب لگا کر اس کے قلب کو نارمل کیا اور وہ عالم ہوش میں واپس لوٹا تھا۔

اب اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد رہ گیا تھا کہ وہ اپنی ساری زندگی اپنے شیخ کی خدمت اور اس کے مشن کو آگے بڑھانے میں وقف کر دے۔ وہ ہر لحہ اپنے شیخ کے نزدیک گزارنے کا متمنی تھا لیکن شیخ گیلانی کی طرف سے اسے جو فرائض سونپے گئے ان سے پہلو تہی بھی اس کیلئے ناممکن تھی۔ جب کبھی اسے کچھ دیر کیلئے اپنے شیخ سے الگ رہنا پڑتا تو اس کی دلی کیفیت بڑی عجیب ہو جاتی۔ ایک بے نام سی یاسیت اس کے دل و دماغ کا احاطہ کر لیتی۔

لیکن..... جب وہ شیخ گیلانی سے کچھ گھنٹوں کی دوری پر اس کے فراق کی آگ میں جل رہا ہوتا اور اس پر ماہی بے آب کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی تو وہ ''ذکر'' میں معروف ہو جاتا اور حیرت انگیز طور پر اس ''ذکر'' کے دوران شیخ گیلانی کو اپنے نزدیک پاتا جو اسے شفقت سے دیکھتے ہوئے مسکراتے اور اپنے ''معمولات'' کو جاری رکھنے کی تلقین کرنے کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔

یہ صرف ابوعمر کا حال نہیں تھا اس کے بہت سے دوسرے ساتھی بھی ایسی ہی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ اس کے درجنوں ساتھی حلفاً یہ بات کہہ چکے تھے کہ حالت بیداری میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور ان کا شیخ نبی کریم ﷺ کے قدموں میں

ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

شیخ گیلانی کے طالبین کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی تھی۔ اس کے مبلغین امریکہ کے مختلف شہروں میں مسلمانوں کی مساجد میں جاتے اور انہیں نیویارک آنے کی دعوت دیتے۔ وہ نہ کسی سے تعرض کرتے نہ ہی بحث مباحثہ میں الجھتے کیونکہ ان کے شیخ کا حکم تھا ''امرا سے خودداری اور وقار کے ساتھ ملو لیکن فقراً سے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ۔ عاجزی اور اخلاص کو اپنا شعار کر لو گے تو دیدار الٰہی ممکن ہو جائے گا۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے چارگی ظاہر کرو، اپنے بھائیوں کے حقوق کو اس لیے نظر انداز نہ کرنا کہ وہ تمہارے مقرب ہیں۔ تواضع، حسن ادب اور سخاوت کو شعار بنا لو۔ نفس کشی کے ذریعے تمہیں دائمی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ یاد رکھو اللہ کے نزدیک معیار تمہارے اعمال اور تمہارا اخلاق ہے۔''

یہی تھا وہ سبق جو اس کے مبلغین اپنے ساتھیوں کو اور سالکین کو پڑھایا کرتے تھے۔ وہ کسی سے مباحثہ نہ کرتے۔ کسی کو برا نہ کہتے۔ اگر کوئی ان سے زیادتی بھی کرتا تو اس پر صبر اختیار کرتے کیونکہ شیخ گیلانی نے انہیں بتایا تھا:

''فقر و تصوف مجاہدہ ہے اہل فقر خالق و مالک کے سوا ہر شے سے بے نیاز اور لاتعلق ہوتے ہیں۔ اپنے سے چھوٹے پر حملہ نامردی اور بڑے پر حملہ بے حیائی جبکہ برابر والے پر بداخلاقی ہے۔

اگلی خلوت کیلئے شیخ گیلانی نے ''سن ڈاؤن ویلی'' کا انتخاب کیا۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا جس کے دامن میں دریا بہہ رہا تھا اور نیویارک کے اپ سٹیٹ میں واقع اس علاقے میں پہنچ کر انسان مکمل آسودگی محسوس کرتا ہے۔ شیخ گیلانی کے حکم پر دریا کے کنارے خیمے گاڑ دیئے گئے اور اس کے طالبوں نے ان خیموں میں قیام کیا۔

ان میں خواتین بھی شامل تھیں اور درجنوں کی تعداد میں وہ نومسلم بھی جو غلام جیلانی کی قیادت میں یہاں آئے تھے۔ اس روز جب رات کے دوسرے پہر ''ذکر'' شروع ہوا تو اس ''ذکر'' سے ساری وادی گونجنے لگی۔ دریا کی لہروں سے پہاڑوں کی چوٹیوں تک ''اللہ'' اور ''ھو'' کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

شیخ گیلانی نے یہاں کچھ عرصہ قیام کا ارادہ کیا۔ اس دوران اس کے ذکر کی فضیلت کی کہانیاں مسلمانوں میں پھیلیں تو لوگ ''سن ڈاؤن ویلی'' میں آکر اس کے بیعت ہونے لگے۔ کچھ دنوں بعد یہ قافلہ نیویارک واپس لوٹ آیا۔

اگلی مرتبہ شیخ گیلانی نے کینیڈا کا قصد کیا۔ نیویارک سے اپنے کچھ طالبوں کے ساتھ وہ ٹورنٹو پہنچ گیا جہاں پہلے سے مبلغین نے لوگوں کو اس کی تعلیمات سے آگاہ کیا ہوا تھا۔ یہاں مسلمانوں نے اپنی ایک ''جماعت'' بنا رکھی تھی۔ اس ساری ''جماعت'' نے شیخ گیلانی کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور کچھ عرصہ یہاں قیام کر کے اس نے انہیں قرآن و حدیث اور تصوف سے متعلق تعلیمات سے بہرہ ور کیا۔ اجتماعی زندگی کا شعور بیدار کیا۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا پابند بنایا اور ایک جگہ مل کر رہنے کی تلقین کی۔ یہاں سے وہ پھر نیویارک واپس لوٹ آیا جہاں اس کی آمد سے پہلے ہی ڈیٹرائٹ، اکرون واشنگٹن ڈی سی، جارجیا، ورجینیا، فلاڈلفیا، برلنگٹن، نیوجرسی ٹرنٹن، اٹلانٹک سٹی، ریڈنگ، ڈیلاویئر اور دوسرے مقامات سے مسلمان اور غیر مسلم جمع تھے۔ ان لوگوں نے شیخ گیلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ نومسلموں نے اسلام کی حقانیت کا اقرار کر کے کلمہ طیبہ پڑھا۔

شیخ گیلانی نے ان سب لوگوں کیلئے مختلف تربیتی کورس جاری کیے ہوئے تھے، ان میں خواتین بھی تھیں، بچے، نوجوان اور بوڑھے بھی۔ سب کی یہی خواہش تھی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ شیخ

گیلانی کا قرب حاصل رہے اور اس بلڈنگ کے برآمدوں، تہ خانوں، کمروں اور لان میں سوتے تھے جہاں رات کو شیخ گیلانی کا قیام ہوتا۔ وہ سب اس کے نزدیک رہ کر برکات حاصل کرنے کے متمنی تھے۔

شیخ گیلانی انہیں بچوں کی طرح عزیز جانتا تھا۔ وہ ہر ''سالک'' کے پاس جاکر اس کی ضروریات کا جائزہ لیتا۔ ان کے قیام و طعام اور خوراک کا بندوبست کرتا اور ہر روز عصر کی نماز کے بعد سوال و جواب کی طویل نشست میں ان کے ذہنوں میں شکوک بیدار کرنے والے ہر سوال کا بڑی خندہ پیشانی سے جواب دیتا۔ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں ان کے مسائل کا حل بتاتا۔ بیماروں کی ''قرآنک تھراپی'' کرتا اور درجنوں مریض یہاں صحت یاب ہونے لگے۔

اگلی ''خلوت'' کیلئے شیخ گیلانی نے ''ہنٹر ماؤنٹین'' (Hunter Mountain) کا انتخاب کیا جہاں ایک روز پہلے ابوعمر، نور محمد اور حافظ عبدالصمد نے پہنچ کر ایک ''ہوٹل'' بک کروایا۔ شام گئے تک وہاں مختلف شہروں سے طالبوں کی جماعتیں پہنچنے لگیں۔ شیخ گیلانی ہر جماعت سے اپنے کمرے میں فرداً فرداً ملاقات کر کے انہیں کچھ نصیحتوں سے نوازتا اور انہیں بتاتا کہ اگر انہوں نے اپنے دل میں کھوٹ رکھ کر اس ''خلوت'' میں شرکت کی تو انہیں فائدے کے بجائے الٹا سخت نقصان کا احتمال ہوگا۔ اس نے طالبوں سے کہا کہ اگر وہ اپنے دلوں میں ذرہ بھر بھی شکوک رکھتے ہیں تو واپس چلے جائیں کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ انہیں کسی نقصان کا احتمال رہے لیکن اس کی باتوں میں ایسا جادو تھا اور وہ قرآن حدیث کے اسباق ایسے دل پذیر پیرائے میں بیان کر رہا تھا کہ تمام ''طالب'' اس کی معیت کے دیوانے ہوئے جاتے تھے۔

یہ سردیوں کے دن تھے..... ہنٹر ماؤنٹین برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور فضا میں میلوں تک سناٹا طاری رہتا تھا۔ شیخ گیلانی نے اگلی شام تمام ''سالکین'' کے ساتھ اس بنگلے کا رخ کیا جہاں اس نے ''ذکر'' کرنا تھا۔ اس رات جب ''ذکر'' شروع ہوا تو وہاں موجود بیشتر ''طالب'' جو اس سے پہلے صرف تماشائی کی حیثیت سے یہاں آئے تھے ''طالب صادق'' بن گئے۔ انہوں نے سسکیاں لے کر روتے ہوئے شیخ گیلانی کو اپنے دلوں میں پیدا ہونے والی انقلابی تبدیلی سے آگاہ کیا اور راہ سلوک کی مسافت اس کی سربراہی میں طے کرنے کا عہد دہرایا۔

اس نے اپنے مرشد اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کی تعلیمات ان کے سامنے دہراتے ہوئے کہا: ''اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا ورنہ تمہیں ہر شے سے خوف آئے گا۔ اس کی اطاعت کرو تمہارے لیے کافی ہے۔ ظاہری شریعت کی پیروی کرو، اپنے ظاہر کو ایسا بنالو جیسا کہ حکم دیا

گیا ہے۔ باطن کی اصلاح اللہ تعالیٰ خود کریں گے۔ سینے کو بغض سے پاک رکھو۔ نفس کی سخاوت اور چہرے کی بشاشت کا اہتمام کرو۔ مصرف میں آنے والی چیزوں کو خرچ کرو لیکن اسراف سے بچنا۔ اپنے بھائیوں سے حسن سلوک کرو۔ فقر اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں غنی کردے گا۔ دنیاوی منفعت کو اپنا شعار نہ بنانا۔ ایثار کرو، جو لوگ ''سالکین'' میں سے نہیں ہیں ان کی صحبت سے اجتناب کرو لیکن دین و دنیا کے کاموں میں ایک فقر یہ ہے کہ مخلوق سے احتیاج کا تصور بھی تمہارے نزدیک نہ پھٹکے۔ تصوف کا تعلق قیل و قال سے نہیں بلکہ بھوک سے ہے۔ اپنی پسندیدہ اور محبوب چیزوں کو چھوڑنے سے ہے۔ فقر کا آغاز علم سے نہیں بلکہ نرمی سے ہونا چاہیے کیونکہ علم باعث دہشت ہوگا اور نرمی انس پیدا کرے گی۔''

☆☆☆

اب وہ وقت آگیا تھا جس کیلئے شیخ گیلانی گزشتہ ڈیڑھ سال سے ان لوگوں کی تربیت کر رہا تھا۔ اس روز اس نے اپنے تمام طالبین کو اپنے پاس جارجیا یونیورسٹی میں جمع کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا:

''سالکو! وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں ہجرت اختیار کرنے کی ہدایت کرو۔ میرے عزیزو! تم جس راہ سلوک کے مسافر ہو اس کیلئے تنہائی اور پاکیزگی بے حد ضروری ہے جو یہاں عنقا ہے۔ یہاں کی آلودگی تمہاری آنے والی نسلوں کیلئے ستم قاتل ہے۔ تمہیں اپنے اہل و عیال کی تربیت ان خطوط پر کرنی ہے جن پر آقائے نامدار ﷺ نے ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے۔ میرے پیارو! اب وقت آگیا ہے کہ تم اس انتہائی غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور غیر پاکیزہ ماحول کو خیرباد کہہ کر جنگل اور پہاڑوں کا رخ کرو۔ وہاں اپنی الگ بستیاں آباد کرو جہاں اللہ کے دن کو مکمل اپنے اور اپنے گھر والوں پر نافذ کرو۔ جہاں تنہائی میں تمہیں ''خلوت'' کی نعمت میسر آئے اور تم ''ذکر'' کی فضیلتوں سے مکمل فیضیاب ہو سکو۔ میں جانتا ہوں یہ تمہارے لیے بہت تکلیف دہ مرحلہ ہے۔ اپنے پیاروں کی جدائی کا تصور بھی محال ہے۔ تم سالوں سے یہاں رہتے آرہے ہو لیکن اب اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے ہجرت کر جاؤ۔''

یہ امتحان کی گھڑی تھی۔

آزمائش کا جان لیوا مرحلہ آگیا تھا۔

اب معلوم ہوتا کہ کون طالب صادق ہے اور کون صرف دودھ پینے والا مجنوں۔ پہلی سعادت ٹریننگ کے ایک گروپ کے حصے میں آئی۔ عورتوں بچوں اور بڑوں کا قافلہ اپنے مرشد علی الگیلانی کے حکم پر مہاجرت اختیار کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے گھر، مال، اسباب اونے پونے داموں فروخت کر دیئے۔ انہیں نیویارک سے کیلیفورنیا کی طرف مراجعت کا حکم ملا تھا۔ آنسوؤں، آہوں اور سسکیوں کے ساتھ یہ مہاجر اپنے پیاروں سے رخصت لے رہے تھے جو انہیں یہاں سے جانے پر لعن طعن کر رہے تھے۔ خرابی دماغ کا طعنہ دے رہے تھے لیکن یہ طالب صادق تھے جنہیں اللہ نے بڑے انعامات کیلئے منتخب کر لیا تھا اور وہ عازم سفر ہوئے۔

دوسرا بڑا گروپ نیویارک سے تیار ہوا۔ پانچ بڑے وہیکلز پر مشتمل راہ سلوک کے مسافروں کا یہ قافلہ جب بروکلین سے نکلنے والا تھا تو مقامی مسلمان جوان کے ساتھی تھے گھروں سے باہر نکل آئے۔ وہ انہیں جانے سے روک رہے تھے۔ لعن طعن کر رہے تھے لیکن مرشد کے عشق میں گرفتار یہ طالب صادق رکنے والے کہاں تھے۔ اشتعال انگیز باتیں کرنے والوں کے درمیان پہنچ کر ابو عمر نے انہیں روکا اور ان سے کہا کہ وہ حوصلے اور صبر کا مظاہرہ کریں اور اپنے گھروں میں جا کر ''ہجرت'' کی تیاریاں کریں کیونکہ شیخ الگیلانی کا کوئی بھی عمل ان کے ارادے سے نہیں اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اگر اللہ کو یہی منظور ہے تو پھر ہم انہیں روکنے والے کون ہیں۔

یکم رمضان کو یہ قافلہ لاس اینجلس پہنچ گیا۔

شیخ گیلانی ان کے ہمرکاب تھا۔ گرین لیف سٹریٹ میں ایک کرائے کے گھر میں ان کا قیام ہوا اور یہاں سب نے سحری افطاری کی اب ان کی تقلید میں نیویارک کے مختلف گروپس ادھر کا رخ کرنے لگے تھے۔ یہ لوگ درختوں کی لکڑیوں سے عارضی طور پر بنائے گئے گرین ہاؤسوں میں قیام پذیر ہوئے جہاں شہد کی مکھیوں نے پہلی بار ان پر حملہ کیا لیکن شیخ گیلانی نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور دوران قیام تم نے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچانی جس کے بعد شہد کی مکھیوں نے یہاں قیام تک کبھی انہیں تنگ نہ کیا۔

سارا رمضان المبارک یہاں گزر گیا۔

عید آگئی..... سب نے شیخ گیلانی کی اقتدار میں عید نماز پڑھی، خطبہ سنا، وعظ کا لطف اٹھایا اور شیخ نے انہیں مبارکباد دی کہ انہوں نے دنیا کی سب سے طویل مہاجرت کی ہے جو اللہ کے نزدیک انتہائی مقبول ہے۔ اس نے انہیں خوشخبری دی کہ اب ان کی آزمائش مکمل ہو چکی ہے

اور جلد اللہ کی طرف سے انعام انہیں ملنے والا ہے۔

اسی دوران ان لوگوں نے نزدیکی شہروں میں مختلف نوکریاں شروع کر دی تھیں وہ سب اپنی کمائی اکٹھی کر کے لنگر کا اہتمام کرتے اور آپس میں مل کر ایک کنبے کی طرح زندگی بسر کرتے۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب انہیں ''فریزنو'' (Fresno) جسے امریکہ کا پہلا اسلامی ٹاؤن بننے کی سعادت حاصل ہونے والی تھی منتقل کر دیا گیا جہاں انہوں نے درختوں پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی اور ''ھو'' کا نظارہ کیا۔ اسی طرح امریکن مسلمانوں کی پہلی بستی ''بلد اللہ'' (Baladullah) کا قیام عمل میں آیا۔ یہاں سینکڑوں ایکڑ زمین خرید کر ان لوگوں نے اپنی بستی آباد کی جہاں اسلامی قوانین نافذ کیے اور اسلام کو خود پر نافذ کیا۔

پاکستان کے شمال مغربی صوبہ سرحد کا نصف سے زیادہ سرحدی علاقہ افغانستان سے منسلک ہے۔ افغان جہاد کے آغاز کے ساتھ ہی یہ سارا علاقہ جہادی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا لیکن جہادی سرگرمیوں سے زیادہ عالمی سازشوں نے یہاں ڈیرہ جما لیا تھا۔ شاید ہی دنیا کی کوئی ایسی قابل ذکر انٹیلی جنس ایجنسی تھی جس نے اپنے ایجنٹ اس علاقے میں داخل نہ کیے ہوں۔ اس کیلئے انہیں کچھ زیادہ تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔

افغان جہاد کے آغاز کے ساتھ ہی جو طوفان بدتمیزی یہاں در آیا تھا اس کے بعد اس ایریا میں کسی جاسوس یا تخریب کار کو اپنے لیے کوئی cover تلاش کرنا قطعاً مشکل کام نہیں تھا۔ سی آئی اے جو بہت عرصہ پہلے سے اس محاذ پر سرگرم تھی نے پاکستانی سرحدی علاقوں میں مجاہدین کی تربیت کیلئے باقاعدہ ٹریننگ کیمپ قائم کیے ہوئے تھے جہاں اسلحہ، ڈالر اور منشیات ہر وقت بھاری مقدار میں موجود رہتے تھے۔ امریکنوں کو تاریخ نے پہلی مرتبہ اپنے سب سے بڑے حریف روس کو زک پہنچانے اور ویت نام کا بدلہ اتارنے کا موقع فراہم کیا تھا اور امریکیوں نے اس تاریخی لمحہ کو ہاتھ سے نہ جانے دینے کا عزم کر رکھا تھا۔

امریکہ کی ساری توانائیاں روس کو افغانستان میں پھنسانے کے بعد اس کے ٹکڑے ٹکڑے کروانے پر صرف ہو رہی تھیں اور امریکنوں نے دنیا کے کونے کونے سے مجاہدین (بعد میں تخریب کار) یہاں جمع کر لیے تھے۔ ان میں غایت تعداد ان مجاہدین کمانڈروں کی تھی جو مڈل ایسٹ کی حکومتوں کو کارسرکار میں مداخلت اور باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے جرم میں درکار تھے لیکن امریکہ نے انہیں کہہ دیا تھا کہ فی الوقت وہ اس چکر میں نہ پڑیں اور امریکی عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

ساری دنیا کے جاسوس اس خطے میں ''این جی اوز'' کے روپ میں سرگرم عمل تھے۔ چونکہ اس جنگ کے تمام معاملات سی آئی اے نے اپنے ہاتھوں میں رکھے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے یہ سردرد مول نہ لیا کہ پاکستانی حکومت کیلئے کس نوعیت کے خطرات پیدا ہو رہے ہیں اور اسے تخریب کاروں کی اس فوج ظفر موج کی اپنی سرزمین پر موجودگی کی کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

امریکہ کے پالیسی ساز حلقے جو ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہیں اس پر متفق تھے کہ اگر جہاد کے ''ثمرات'' میں پاکستان حصہ دار بنا ہوا ہے تو جہاد کی ''تباہ کاریوں'' کی قیمت بھی اسے ہی چکانی چاہیے۔ انہوں نے منصوبہ سازی کچھ اس طرح کی تھی کہ روس کے ٹوٹنے کے بعد جو تباہی اس خطے پر نازل ہوگی اس کے ''اثرات'' امریکہ اور یورپ تک نہ پہنچیں جس کی انہوں نے قیمت بھی ادا کی (یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ اس کے باوجود آج امریکہ اور یورپ کیلئے سب سے بڑا چیلنج یہی لوگ بن چکے ہیں اور سی آئی اے نے نفرت کی جو فصل یہاں بوئی تھی وہ امریکن ہی کاٹ رہے ہیں)۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو یہ بات ان کے لاشعور میں ہمیشہ موجود رہی کہ پاکستان امریکہ سے اپنی وفا شعاریوں کی قیمت بھی مانگے گا اس لیے پاکستان کا الجھے رہنا ہی زیادہ احسن خیال کیا گیا۔ تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اگر ایمانداری سے صورتحال کا تجزیہ کرے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ افغان جہاد کے بعد برپا ہونے والے فساد نے جو تباہی پاکستان میں مچائی وہ ایک ''طے شدہ منصوبے'' کا حصہ تھی۔

☆☆☆

حیات آباد کے اس مہاجر کیمپ تک جوزف بوڈنسکی کا آنا جانا معمول کی بات تھی۔ جوزف بوڈنسکی کا تعلق امریکہ سے تھا اور وہ یہاں مہاجرین اور مجاہدین کی مدد اور فلاح و بہبود کیلئے ''این جی او'' چلا رہا تھا۔ اگر جوزف خود کو یہاں عیسائی نہ بتاتا تو کوئی بھی اسے عیسائی ماننے کیلئے تیار نہیں تھا۔ اس کی شکل صورت، لباس، رہن سہن، کھانا پینا سب افغانوں جیسا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ یہاں محض تین چار ماہ گزارنے کے بعد ہی وہ پشتو اچھی طرح بولنے اور سمجھنے لگا تھا۔

مہاجر کیمپوں اور افغان مجاہدین کے ٹھکانوں تک اسے مکمل رسائی حاصل تھی۔ ان لوگوں کے نزدیک جوزف بوڈنسکی فرشتہ صفت انسان تھا جس کی زندگی کا واحد مقصد انسانی فلاح و بہبود اور روسی ظالمانہ حکومت کے خلاف برسرپیکار افغان مجاہدین کی ہر ممکن مدد کرنا تھا۔

وہ جس ''این جی او'' کی نمائندگی کر رہا تھا اس کا ہیڈ آفس امریکہ میں تھا اور امریکہ سے بذریعہ 'سیٹلائٹ فون'' اس کا رابطہ تھا۔ مجاہدین کو روس کے خلاف جدید ترین اسلحہ پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی جسے وہ بخوبی نبھا رہا تھا۔ تمام مجاہدین حلقوں میں اسے احترام کی نگاہ سے دیکھا جا رہا تھا۔

سی آئی اے کے پاس چونکہ اتنی مہلت تھی ہی نہیں کہ وہ یہاں موجود ''این جی اوز'' چلانے والوں کی سکریننگ کرتے پھریں نہ ہی یہ ان کا سردرد تھا۔ کوئی بھی ایسا طریقہ یا شخصیت جو کسی بھی طرح ان کے ''کاز'' میں معاون ہو ان کیلئے قابل قبول تھی۔ جہاں تک پاکستانی سکیورٹی

ایجنسیوں کا تعلق تھا وہ ''کام'' کے بے پناہ پریشر'' اور'' جہاد کو منطقی انجام تک پہنچانے'' کی جو ذمہ داریاں انہوں نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھا رکھی تھیں اس کے بعد اتنا وقت بھی باقی نہیں بچتا تھا کہ وہ اس طرف توجہ دیں۔ یوں بھی جس برق رفتاری سے امریکہ سے ڈالروں سے بھرے کریٹ آ رہے تھے انہیں وصول کر کے ''مجاہدین'' تک پہنچانا اتنا اہم مشکل کام تھا کہ اس کے بعد کسی اور کام کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی۔

پاکستان انٹیلی جنس ایجنسیوں پر کام کے پریشر کا اندازہ اور احساس ''موساد'' سے زیادہ اور کسے ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس صورتحال کا پورا فائدہ اٹھایا اور ابتدا ہی میں امریکہ میں آباد اپنے یہودی ایجنٹوں کو جو ''موساد'' کی نظر نہ آنے والی فوج کا ہمیشہ سے بازوئے شمشیر زن رہے ہیں میدان عمل میں اتار دیا۔

جوزف بوڈنسکی بھی ان میں سے ایک تھا!

آرتھوڈکس یہودی ہونے کے ناطے اسرائیل کی عظمت کیلئے مر مٹنا ہی اس کی زندگی کا اہم ترین مقصد تھا جس سے اس نے کبھی پہلو تہی نہ کی۔ اسے ''جہاد'' کے آغاز ہی میں ''این جی او'' کا کور (cover) اور ڈالروں کے بریف کیس دے کر ''موساد'' نے پشاور میں داخل کر دیا تھا اور جوزف ڈنسکی کا کمال یہ تھا کہ وہ دنوں میں مجاہدین کی محبوب شخصیت بن گیا۔ اکثر اس کے ہاتھ میں انگریزی زبان میں ترجمہ ہوئی کوئی حدیث یا قرآن حکیم کی کتاب ہوتی۔ بوڈنسکی ان میں جہاد سے متعلق آیات نشان زد کر کے مجاہدین کو ٹوٹی پھوٹی پشتو میں سناتا اور ان کی ہمدردی اور عقیدت سمیٹ کر اپنا الو سیدھا کرتا رہتا۔ ''موساد'' کیلئے پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرح صرف دو تین ہمسایہ ممالک ہی کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہے بلکہ وہ مڈل ایسٹ سے یورپ، امریکہ سے افریقہ اور روس سے پاکستان تک ساری دنیا کو اپنا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں عام حالات میں ''موساد'' کو کبھی اس طرح کھل کر کام کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا جو انہیں جہاد افغانستان کی مہربانی سے مل گیا۔

جوزف بوڈنسکی نے یہاں خود کو عیسائی ڈکلیئر کیا ہوا تھا کیونکہ امریکن نژاد ہونے کے ناطے اس کے پاسپورٹ پر مذہب کا خانہ نہیں ہوتا۔ یوں بھی جہاد میں حصہ لینے والے اس کے پاسپورٹ سے زیادہ اس کی جیب پر نظر رکھتے تھے کیونکہ انہیں بھی اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ جہادی ثمرات سے مالا مال ہونے کا موقع شاید تاریخ انہیں دوبارہ کبھی نہ دے اور دولت کی جو فراوانی انہیں یہاں میسر تھی وہ دوبارہ کبھی دیکھنے کو نہ ملے۔ جوزف بوڈنسکی شاید واحد ایسا امریکن سوشل ورکر تھا جس کو مجاہدین کے تمام گروپوں میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ پشاور میں ہر مجاہد گروپ کا آفس

قائم تھا یہ لوگ سوائے ایک دوسرے کے باقی سب پر اعتبار کرلیا کرتے تھے لیکن ایک دوسرے کی اصلیت جاننے کی وجہ سے عموماً ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے تھے۔ ان مجاہد کیمپوں کے دور نزدیک آئے روز کسی نہ کسی مجاہد لیڈر کی شہادت کی خبر مل جایا کرتی تھی جسے بارود سے اڑایا جاتا یا پھر اندھی گولی کا نشانہ بننا پڑتا جو عموماً ان گروپس کی آپس کی مناقشت کا شاخسانہ ہوتا تھا لیکن..... اسے ''اسلام دشمن کارروائی'' قرار دے کر کھوہ کھاتے میں ڈال دیا جاتا۔

''موساد'' اس صورتحال کو برقرار رکھنے اور بڑھاوا دینے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی چونکہ امریکہ اور کسی حد تک پاکستانی ایجنسیوں کا مقصود بھی یہی تھا کہ ان کی طاقت منتشر رہے اس لیے وہ اسے تائید غیبی جان کر خوش ہوا کرتے تھے۔ اس بات کا تردد عموماً نہیں کیا جاتا تھا کہ یہ کھیل کون سے ''خفیہ ہاتھ'' کھیل رہے ہیں۔

☆☆☆

حیات آباد کے اس مہاجر کیمپ میں مکانوں کی دیواریں مٹی سے بنائی گئی تھیں جن پر ترپال یا پھر لکڑیوں اور گھاس پھونس کی چھتیں ڈال کر گزارہ کیا جا رہا تھا۔ یہاں بجلی موجود تھی جو عموماً غائب رہتی لیکن رات کو بالخصوص اس کا کم ہی استعمال ہوتا تھا کیونکہ یہاں مختلف گروپ کے مجاہدین کمانڈروں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اور وہ اپنی شناخت پوشیدہ رکھنا پسند کرتے تھے۔

عام حالات میں کسی کو تلاش کرنا کارِ دارد تھا لیکن اس روز جوزف بوڈنسکی حیرت انگیز طور پر اس کیمپ کی درجنوں گلیوں سے گزرتا اس کچے مکان کے سامنے پہنچ گیا جو قریباً اس کیمپ کے وسط میں موجود تھا۔

لکڑی کے دروازے کو کھٹکھٹانے پر اندر سے جو مجاہد برآمد ہوا اس کے کندھے سے کلاشنکوف لٹکی تھی اور ہاتھ میں ٹارچ کے ذریعے اس نے بوڈنسکی کے چہرے پر روشنی ڈالی اور اسے پہچانتے ہوئے ''یا شیخ'' کا نعرہ بلند کیا۔

وہ لوگ جوزف بوڈنسکی کو ''شیخ'' ہی سمجھا کرتے تھے کیونکہ جب بھی اس کی آمد ہوتی وہ شیخ کی طرح ان پر زبانی اور عملی انعامات کی بارش ضرور کرتا تھا۔

جوزف بوڈنسکی نے اپنے ہاتھ میں پکڑے کینوس بیگ سے جس کے بوجھ سے اس کا بازو دیکھنے لگا تھا چاکلیٹ اور سگرٹوں کے ڈبے کا ایک ایک پیکٹ نکالا اور ''سلام علیکم'' کا زوردار نعرہ لگاتے ہوئے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شکرا شکرا یا شیخ''

مجاہد نے اس کے ہاتھوں سے تحائف جھپٹتے ہوئے کہا اور درباری انداز میں جھک کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

جوزف ڈنسکی اندر داخل ہوا تو صحن کے ایک کونے میں برآمدے سے ملحقہ کمرہ سے روشنی چھن کر باہر آتی دکھائی دی جس سے اسے احساس ہوگیا کہ اس کا مہمان اندر موجود ہے۔ برآمدے کے باہر دو اور مسلح مجاہدوں نے اس کا استقبال کیا جو بوڈنسکی سے زیادہ اس کے بیگ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

جوزف بوڈنسکی یہاں بھی ''سلام علیکم'' کا نعرہ لگاتا کمرے میں گھس گیا جہاں نادر شاہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ نادر شاہ اس کا ساتھی باری باری گرمجوشی سے جوزف ڈنسکی سے بغلگیر ہوئے۔ پھر تینوں فرش پر بچھے قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ رہے۔

یہ شمالی اتحاد کے مجاہد تھے۔ احمد شاہ مسعود نے پنج شیر وادی پر اپنا قبضہ برقرار رکھ کر وہاں روسی فوج کو ناکوں چنے چبوائے تھے یا نہیں؟ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہوگا لیکن حیرت انگیز طور پر یہودی پریس نے اسے ابھی سے نمایاں کوریج دینی شروع کردی تھی۔ گلبدین حکمت یار، رسول سیاف، حقانی اور ان جیسے درجنوں کمانڈروں کو جو طویل عرصے سے مصروف جہاد تھے یکسر نظر انداز کر کے ''ٹائم''، ''نیوز ویک'' اور امریکن پریس نے احمد شاہ مسعود کو ہیرو بنا کر پیش کرنا شروع کردیا تھا جس کا ایک خاص پس منظر تھا۔

''موساد'' نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ جلد یا بدیر روس کو شکست ہوجائے گی اور اس کے بعد افغانستان کا نقشہ کیا ہونا چاہیے؟

اگر یہاں مصروف جہاد سب مجاہد فارغ ہوگئے تو وہ فلسطین کا رخ کرتے اور قبلہ اول کو آزاد کروانے کیلئے جان کی بازی لگا دیتے۔ اسرائیلی حکومت کی شدید خواہش تھی کہ یہ طوفان ادھر کا رخ کرنے کے بجائے یہیں مصروف جہاد رہے اور افغانستان کے بعد اگلا میدان جہاد اسرائیل کے بجائے پاکستان بنے۔

ان کی نگاہ انتخاب نے احمد شاہ مسعود کا انتخاب یوں ہی نہیں کیا تھا۔

احمد شاہ مسعود بزاز یرک اور بہادر کمانڈر ہونے کے علاوہ فارسی بولنے والے مجاہدین کا سب سے مضبوط کمانڈر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے جس علاقے کو اپنا مسکن بنا رکھا تھا وہ سنٹرل ایشیا کی گزرگاہ تھی۔ پنج شیر کے غار سے گزر کر ہی قافلے سنٹرل ایشیا تک رسائی حاصل کرسکتے تھے۔ اگر پشتو بولنے والے مجاہدین یہاں قابض ہوجاتے تو پاکستان کے قدرتی حلیف ہونے کے ناطے وہ پاکستانی

تجارتی قافلوں کیلئے اس گزرگاہ کو کھول دیتے اور پاکستان کو واقعی جہاد میں دی گئی قربانیوں کے ثمرات حاصل ہو جاتے جبکہ بھارت اور اسرائیل دونوں یہ نہیں چاہتے تھے اور اس مرحلے پر ''را'' اور ''موساد'' مل کر احمد شاہ مسعود کی پوزیشن اتنی مضبوط کرنا چاہتے تھے کہ وہ آنے والے دنوں میں پاکستانی حمایت یافتہ مجاہدین کیلئے مستقل سردرد بنا رہے اور دونوں حکومتیں اس کے ذریعے اپنے گھناؤنے مقاصد کو آسانی سے بروئے کار لا سکیں۔

جوزف بوڈنسکی نے اس منصوبے پر بڑی کامیابی سے عمل کیا تھا۔

افغانستان میں گزشتہ 50 سال سے سرگرم عمل بھارتی انٹیلی جنس ایک معاہدے کے تحت اس کی معاون تھی اور اب وہ لوگ اس پوزیشن میں آ گئے تھے کہ احمد شاہ مسعود کو مستقبل میں ''اپنا آدمی'' ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔

بوڈنسکی نے بیگ سے سگریٹ، چاکلیٹ اور ڈالروں کے بنڈل نکال کر ان کے سامنے رکھے اور قہوے کی وہ پیالی اٹھا کر منہ سے لگا لی جو ابھی ابھی ایک خادم ان کیلئے وہاں رکھ گیا تھا۔

''خان شکریہ ادا کر رہا تھا.....'' نادر خان نے احمد شاہ مسعود کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔

''اس میں شکریہ والی کوئی بات نہیں میرے دوست، یہ ہمارا فرض ہے۔ ہم ایمانداری سے سمجھتے ہیں کہ افغانستان پر اگر کسی کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہے تو وہ صرف شمالی اتحاد ہے کیونکہ سب سے زیادہ قربانیاں بھی آپ نے دی ہیں اور روس کو شکست دینے میں سب سے مضبوط اور اہم کردار بھی آپ لوگوں کا ہے۔ محض اس بنیاد پر کہ پشتو بولنے والوں کی تعداد زیادہ ہے انہیں حکومت کا حق نہیں دیا جا سکتا.....''

بوڈنسکی نے تام چینی کی چینک سے دوبارہ اپنی پیالی بھرتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا لیکن حیرت کی بات ہے کہ امریکی حکومت اس بات کو کیوں نہیں سمجھتی..... وہ ابھی تک سات جماعتی اتحاد سے کیوں چمٹے ہوئے ہیں.....''

نادر شاہ الجھن کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

''میرے دوست! میں یہاں حکومت امریکہ نہیں بلکہ امریکن عوام کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ میرا فرض ہے کہ جو لوگ ہمیں لاکھوں ڈالر مجاہدین کی امداد کیلئے دیتے ہیں ان کے جذبات اور خیالات نہ صرف آپ تک پہنچاؤں بلکہ ان کے مشن کو بھی آگے بڑھاؤں۔ میں کسی انٹیلی جنس ایجنسی کا نمائندہ نہیں نہ ہی میرا تعلق کسی مجاہد گروپ سے ہے۔ میرے لیے تم سب لوگ قابل احترام ہو لیکن انصاف کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا..... امریکن عوام سمجھتے ہیں کہ یہ متعصب لوگ ہیں ان کا جدید

زندگی سے کوئی تعلق نہیں نہ ہی یہ ترقی کرنا چاہتے ہیں لیکن شمالی اتحاد کے روابط مغربی دنیا سے بہت گہرے ہیں اور آپ ماڈریٹ بھی ہیں۔ اس لیے ہم اس خطے میں آپ کی حکومت چاہتے ہیں اور مستقبل میں بھی ایسا ہی ہوگا۔''

اس نے حسب معمول بڑے مدبرانہ، مشفقانہ اور دوستانہ انداز میں احمد شاہ مسعود کے نزدیکی ساتھی کو الو بناتے ہوئے کہا۔

چند روز پہلے احمد شاہ مسعود نے ان سے جدید اسلحے کی فرمائش کی تھی اور اسلحہ کی جو لسٹ انہیں فراہم کی تھی وہ سارا اسلحہ ''را'' اور ''موساد'' نے ازبکستان کے راستے بلیک مارکیٹ سے خرید کر انہیں پنج شیر میں پہنچا دیا تھا۔ وہ اس ''ڈیل'' سے سی آئی اے اور آئی ایس آئی کو بھی بے خبر رکھنا چاہتے تھے۔

احمد شاہ مسعود نے اس ''ڈیل'' کی تکمیل پر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔ ''موساد'' نے خاص سازش کے تحت بھارتی حکومت کو آگے کیا ہوا تھا اسے اب بھی اس بات کا خوف تھا کہ کہیں احمد شاہ مسعود اس معاملے میں یہودیوں کی شمولیت پر مشکوک نہ ہو جائے اور ان کی ساری محنت ہی اکارت چلی جائے۔

احمد شاہ مسعود کو ملنے والا سارا اسلحہ ''موساد'' نے روسی افواج کے بھگوڑے جرنیلوں سے ہی خریدا تھا جو روس کی شکست و ریخت کو یقین جان کر اپنا مستقبل یورپ کے بینکوں میں محفوظ کرنے پر ساری توانائیاں صرف کر رہے تھے اور یہ ''موساد'' کیلئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

لیکن..... احمد شاہ مسعود اور شمالی اتحاد کے باقی کمانڈروں کیلئے یہ ناقابل یقین تحفہ تھا جس کی مدد سے وہ افغانستان کی کسی بھی حکومت کو ناکوں چنے چبوا سکتے تھے اور اب وہ اس پوزیشن میں آ چکے تھے کہ افغانستان میں قائم ہونے والی کسی بھی حکومت کیلئے چیلنج بن سکیں۔

اپنے مشن کی کامیاب تکمیل پر کامیابی سے سرشار جوزف بوڈنسکی جب اپنے آفس میں واپس پہنچا تو ایک اہم پیغام اس کا منتظر تھا۔

''واشنگٹن سے فوراً رابطہ کرو''

پیغام پڑھ کر وہ مسکرایا کیونکہ واشنگٹن کے جو انگریزی ہجے لکھے گئے تھے وہی اس کا خاص کوڈ تھا جس کا مطلب تھا کہ اسے ''موساد'' کی انتہائی اہم شخصیت سے بات کرنی ہے۔

اس نے بڑے اطمینان سے اپنے سیٹلائٹ فون کے ذریعے واشنگٹن میں اپنی این جی او کے مین آفس کا نمبر ملایا اور دوسرے ہی لمحے وہ لائن پر آفس میں موجود ''ڈائریکٹر صاحب'' سے بات

کر رہا تھا۔

''ویل ڈن! شاباش! اب تم واپسی کی تیاری کرو''

دوسری طرف سے انتہائی مختصر بات کر کے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

جوزف بوڈنسکی حیران تھا کہ اسے اچانک واپس بلانے کا فیصلہ کیوں کر لیا گیا ہے جبکہ وہ یہاں بڑی کامیابی سے ''موساد'' کے اہداف حاصل کر رہا ہے اور صرف احمد شاہ مسعود تک رسائی اور اس کی ہمسوائی ہی اتنا بڑا کارنامہ تھا جس کی اہمیت سے کوئی عقل کا اندھا بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

''ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی'' اس کے دل و دماغ نے رہنمائی کی۔

جوزف بوڈنسکی جانتا تھا کہ جن لوگوں نے اسے یہاں بھیجا ہے اور جس حساس نوعیت کا وہ کام کر رہا ہے اس کے بعد اسے نظر انداز کرنا تو ممکن نہیں اور اس بات کا بھی اسے یقین تھا کہ حفاظتی نقطہ نظر سے اس کی نگرانی بڑی سختی سے کی جا رہی ہوگی اور اسے واپس بلانا بھی اس کے حق میں اچھا فیصلہ ہوگا۔

☆☆☆

واشنگٹن سے جو فیصلہ اس تک پہنچا تھا وہ امریکہ کے بجائے اسرائیل میں کیا گیا تھا۔ تل ابیب کے مضافاتی علاقے میں موجود ''موساد'' کے ہیڈ کوارٹر کے ایک انتہائی اہم آپریشنل روم میں کرنل اولیور کوہان اپنے سامنے دھری دو اہم فائلوں کا تیسری مرتبہ جائزہ لے رہا تھا۔ ایک فائل امریکہ سے آنے والی ایک اہم رپورٹ تھی اور دوسری پاکستان میں موجود بھارت کے ہائی کمیشن سے دہلی میں ''را'' کیلئے بھیجی گئی ایک اہم رپورٹ۔ یہ دونوں رپورٹس اس کے سامنے دھری تھیں اور اسے آج ہی ان پر اہم فیصلہ لینا تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے کرنل اولیور کوہان نے پش بٹن دبایا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی خوبصورت سیکرٹری وہاں موجود تھی۔

''فائل نمبر ایکس۔69 لے آؤ''

اس نے مختصر حکم دیا۔

اور..... سیکرٹری الٹے قدموں پر گھوم گئی۔

اسے تو اس بات کا علم نہیں تھا کہ ایکس۔69 فائل کیا ہے؟ لیکن اس بات کا اسے یقین تھا کہ اس کی حفاظت میں رکھی گئی تین سو فائلوں کے تمام ٹائٹل اور ان میں موجود اہم دستاویزات

کرنل اولیور کوہان کو زبانی حفظ ہیں۔ کمبخت نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔

سیکرٹری کو فائل ''ایکس۔69'' افغانستان والے حصے میں مل گئی جو اس نے چند منٹ بعد کرنل اولیور کوہان کی میز پر پہنچا دی۔

''نو فون.....''

کرنل نے فائل پکڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر صرف دو الفاظ کہے اور سیکرٹری دوبارہ اپنی جگہ پر واپس پہنچ گئی۔

جب کرنل اولیور کوہان کی طرف سے ''نو فون'' کا حکم ملے تو وہ سوائے چھ اہم ترین شخصیات کے اور کوئی فون اس تک منتقل نہیں کرتی تھی خواہ اس کی نوعیت کیسی ہی خطرناک کیوں نہ ہو۔

کرنل کوہان نے فائل کی ورق گردانی شروع کی جس میں ''را'' اور ''موساد'' کے مشترکہ پراجیکٹ ''احمد شاہ مسعود'' کو پھانسنے اور الو بنانے کی مکمل کہانی لکھی تھی اور اس تازہ ترین اسلحہ کی کھیپ کا تذکرہ بھی موجود تھا جس کے ذریعے احمد شاہ مسعود کو مستقبل میں مکمل تحفظ فراہم کر دیا گیا تھا۔

فائل ایک طرف رکھ کر اس نے اپنا سگار سلگایا اور دھویں کے مرغولے بنا کر کچھ سوچتے ہوئے اپنے سامنے دھری دو فائل اٹھائی جو ''را'' کی طرف بھیجی گئی تھی۔ اس فائل میں موجود رپورٹ کے مندرجات کا اس نے دوبارہ سنجیدگی سے جائزہ لینا شروع کیا۔

یہ انڈین ہائی کمیشن اسلام آباد میں موجود ''را'' (under cover) آفیسر کی رپورٹ تھی جس میں ایک انتہائی قابل اعتماد سورس (source) کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ جہاد کیلئے آنے والے ''حماس'' کے ایک گروپ لیڈر نے ''امریکن این جی او'' کے انچارج جوزف بوڈنسکی کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ یہ شخص انہیں مشکوک محسوس ہوا ہے۔ اپنی ایک نجی محفل میں اس نے عرب دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرتے ہوئے جوزف بوڈنسکی کی شخصیت کو مشکوک بتایا اور اس کا آزادانہ گھومنا پھرنا اور مجاہدین خصوصاً شمالی اتحاد کے مجاہدین سے انتہائی نزدیکی تعلق ان لوگوں کیلئے رشک کا باعث بنا تھا۔

اس ''سورس'' نے یقین ظاہر کیا تھا کہ اگلے چند روز میں یہ لوگ جوزف بوڈنسکی کو مار ڈالیں گے کیونکہ وہ یہ جان چکے ہیں کہ جوزف بوڈنسکی عیسائی نہیں بلکہ یہودی ہے اور اس نے اپنے آپ کو یہاں عیسائی بتایا ہوا ہے۔

کرنل اولیور کوہان بوڈنسکی کا ذاتی دوست تھا۔ دونوں کا تعلق پولینڈ سے تھا اور وہ بھاگ کر امریکہ پہنچے تھے۔ جوزف بوڈنسکی نے امریکہ آباد ہونے اور کرنل کوہان نے اپنے خوابوں کی

سرزمین اسرائیل کا انتخاب کیا تھا۔ اس نے فوج میں کمیشن لیا جہاں سے وہ ''موساد'' میں چلا گیا اور اب یہاں اہم خدمات انجام دے رہا تھا۔

''موساد'' کیلئے جوزف بوڈنسکی کی خدمات ایک پیشہ ور ''موساد'' کا انٹیلی جنس آفیسر ہونے کے ناطے کرنل کوہان کے نزدیک کوئی ایسا معیار نہیں تھا کہ جس کی بنا پر وہ جوزف بوڈنسکی کی جان بخشی کا فیصلہ کرتا کیونکہ ''موساد'' کا اصول تھا کہ کسی بھی ایجنٹ کے مشکوک ہونے کے بعد فوراً بعد اس سے ''نجات'' حاصل کر لی جائے اس کے بعد وہ ان کیلئے سوائے مسائل کے اور کچھ پیدا نہیں کر سکتا۔

لیکن..... وہ لوگ امریکہ میں جس اہم پراجیکٹ پر کام کر رہے تھے اس میں جوزف بوڈنسکی ان کیلئے ناگزیر تھا۔

''موساد'' نے مستقبل میں ہونے والی عالمی دہشت گردی کو کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ سی آئی اے کے برعکس ان لوگوں کو اس بات کا یقین تھا کہ ایک مرتبہ روس کا شیرازہ بکھرنے کے بعد جہاں دنیا سے ''بیلنس آف پاور'' ختم ہو جائے گا وہاں مسلمان مجاہدین کے حوصلے بھی بڑھ جائیں گے اور وہ روس تک محدود نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد جہاد کا یہ طوفان اسرائیل بھارت اور امریکہ کا رخ کرے گا کیونکہ تینوں ممالک ایک ہی مشن پر کام کر رہے تھے۔

امریکنوں نے افغانوں اور عرب مجاہدین کو جدید ترین ہتھیار فراہم کر کے روس سے تو اپنا حساب برابر کر لیا تھا لیکن ''موساد'' کے نزدیک اپنے لیے لاینحل مسائل بھی کھڑے کر لیے تھے کیونکہ بارود کا جتنا جدید ترین استعمال ان مجاہدین کو آ گیا تھا اس کے بعد ان سے کوئی بھی توقع کی جا سکتی تھی۔

''موساد'' جانتی تھی کہ اس وقت ''سی آئی اے'' کا پرائم ٹارگٹ روس ہے اور وہ روس کے چکر میں اپنے ملک میں پیدا ہونے والے سکیورٹی تھریٹ (security threat) کو نظر انداز کر رہی ہے۔ جو ان مسلمان گروپس کی شکل میں جنم لے رہے تھے جو امریکہ میں اپنی شناخت بطور مسلمان قائم رکھنے کیلئے انتہا پسندی کی طرف مائل تھے اور ان کے درجنوں ساتھی افغانستان میں تربیت حاصل کر چکے تھے۔ ''موساد'' ان مسلمانوں کو اپنے لیے بڑا خطرہ سمجھتی تھی کیونکہ یہ لوگ جدید دنیاوی تعلیم کے حامل بھی تھے اور اسلام سے ان کی کومٹ منٹ بھی ناقابل تردید تھی۔

امریکہ میں موجود مختلف مسلم گروپس سے متعلق ''موساد'' کے پاس ''اپ ٹو ڈیٹ'' اطلاعات موجود رہتی تھیں اور کرنل اولیور کوہان کے سامنے جو دوسری فائل دھری تھی وہ شیخ گیلانی سے متعلق تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ وہ تیزی سے امریکی مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کر رہا ہے گو کہ

اس کی طرف سے ابھی تک جہادی حوالے سے کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی کیونکہ وہ خود صوفی تھا اور اس کے پیروکار بھی مکمل صوفی تھے جن کی زندگی کا مقصد بندگی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

لیکن..... اس رپورٹ میں چونکا دینے والی دو باتیں تھیں۔ ایک تو اس کے مریدوں کے انوار و مشاہدات اور دوسرے اس کی طرف سے اپنے طالبین کو شہروں سے دور مضافات میں اکٹھا کر کے ان کی نئی بستیاں آباد کرنا اور وہاں ان سے اسلام کے شعائر کی مکمل پابندی کروانا۔

کرنل کوہان جانتا تھا کہ یہ مسلمان اگر اس طرح منظم ہونے لگے تو ان کیلئے بڑا مسئلہ پیدا کریں گے۔ اس کے مشکوک اور مسلم دشمن دماغ نے اس کو یہی راہ دکھائی تھی کہ ضرور یہ کوئی خطرناک گروہ ہے جو امریکہ کے اندر ہی اندر کسی خفیہ اسلامی انقلاب کے لیے صف بندی کر رہا ہے۔

اس مرحلے پر ہی ان کیلئے لازم تھا کہ وہ اس گروپ کو ابھی سے قابو کر لیں اور پاکستان سے یہاں آنے والے شیخ گیلانی کو جس سے متعلق پاکستان سے حاصل کردہ معلومات میں بھی یہ بتایا گیا تھا کہ اس نے سب سے پہلے جہاد افغانستان کے متعلق فتویٰ جاری کیا تھا اور اس کی تحریک پر ہی وہاں سینکڑوں مسلمانوں نے اس جہاد میں مال و جان سے حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

یہ بات اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ افغانستان کے جہاد پر اپنے پیروکاروں کو لگا کر شیخ گیلانی امریکہ میں کیا کر رہا ہے۔

اس مرحلے پر امریکہ میں جوزف بوڈنسکی کی ضرورت کا اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ پاکستان میں اس کی جان کو یوں بھی خطرہ لاحق تھا اور اس نے اپنا مشن بھی قریباً مکمل کر لیا تھا اب وہاں کے معاملات ''را'' آسانی سے سنبھال سکتی تھی۔ اس نے فوراً جوزف بوڈنسکی کو امریکہ پہنچ کر شیخ گیلانی کی سرکوبی کا حکم دیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ شیخ گیلانی کیلئے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ یہاں سے جان بچا کر پاکستان چلا جائے یا پھر اسے امریکہ ہی میں ختم کر دیا جائے۔

☆☆☆

جوزف بوڈنسکی تیسرے روز جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ پر کھڑا تھا۔

اس نے یہاں سے اپنے گھر جانے کے بجائے واشنگٹن میں اپنی ''این جی او'' کے ہیڈ آفس کا رخ کیا جہاں ایک ''اہم دوست'' دو گھنٹے پہلے تل ابیب سے آنے والی ایک فلائٹ کے ذریعے سے اس سے ملاقات کرنے پہنچا تھا۔

بوڈنسکی اپنے آفس پہنچا تو کرنل اولیور کوہان کو اپنا منتظر پایا۔ دونوں نے گرم جوشی سے

معانقہ کیا اور اس کمرے میں چلے گئے جسے بطور خاص اس طرح تیار کیا گیا تھا کہ یہاں کسی بھی طرح کی نقب لگانا ممکن ہی نہیں تھا۔ ناں تو یہاں سے کوئی آواز باہر جاتی تھی نہ شیشوں کے باہر سے کوئی اندر جھانک سکتا تھا البتہ اندر والے کو باہر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ اس کمرے میں ایسے انتظامات موجود تھے کہ یہاں سے فون پر ہونے والی گفتگو راستے میں کہیں بھی نہ "بگ" ہوتی تھی نہ ہی اس کو ریکارڈ کیا جاسکتا تھا۔

کرنل کوہان نے اپنے تحفظات میں پڑے بغیر نئے مشن سے آگاہ کرتے ہوئے شیخ گیلانی سے متعلق حاصل تمام معلومات کا ڈیٹا فراہم کر دیا تھا۔ اس نے بوڈنسکی سے کہا تھا کہ یہ اس کیلئے چیلنج کیس ہے اور اس چیلنج پر بہر صورت پورے اترنا ہے۔

کرنل کوہان جو عام شہری کی حیثیت سے سفر کر رہا تھا یہاں سے اکیلا باہر نکلا اپنے اس میزبان کے گھر چلا گیا جہاں اسے آج رات قیام کرنا تھا۔ اگلے روز شامل کی پرواز سے وہ لندن واپس جا رہا تھا۔ ایک "معروف بزنس مین" کی حیثیت سے اس کا یہ سفر بڑا کامیاب تھا۔

☆☆☆

جوزف بوڈنسکی اگلے روز گیلانی کے مرکز پر پہنچ گیا۔

جرسی سٹی میں موجود اس مرکز میں طالبوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ یہاں درجنوں غیر مسلم بھی روزانہ آتے کوئی "قرآنک تھراپی" کروانا چاہتا تھا کوئی اسلام میں دلچسپی ظاہر کرتا، کسی کو تصوف سے شغف تھا۔ شیخ گیلانی کے دروازے سب کے لئے کھلے تھے وہ یہاں کوئی دہشت گرد تنظیم تو نہیں بنا رہا تھا کہ کسی سے خوفزدہ ہوتا۔

جوزف بوڈنسکی جس نے امریکہ آمد کے فوراً بعد اپنے چہرے پر موجود ڈاڑھی کو منڈوا دیا تھا اور اب مکمل کلین شیو ہو چکا تھا اپنا حلیہ اتنا تبدیل کرنے کے بعد یہاں پہنچا کہ عام حالت میں اس کا کوئی نزدیکی جاننے والا ہی اسے پہچان سکتا تھا۔ اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر لیا تھا۔

شیخ گیلانی کی خانقاہ پر وہ تین دن اور راتیں موجود رہا۔ اس دوران اس نے شیخ گیلانی کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیا تھا اسے بظاہر تو کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دی تھی جو فوری خطرے کا باعث بنے۔

لیکن..... جس تیزی سے وہ امریکی معاشرے خصوصاً افریقن امریکن مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کر رہا تھا اور جتنی عقیدت اس نے ان مسلمانوں میں اس کیلئے دیکھی تھی اس سے بوڈنسکی کے شیطانی ذہن نے بھی یہی رائے قائم کی کہ یہ شخص کسی بھی مرحلے پر اگر اپنے پیروکاروں کو جلتی آگ میں کودنے کا حکم دے تو وہ بلا حیل وحجت اس کی تکمیل کریں گے۔

نومسلموں کی بڑھتی ہوئی تعداد جوزف بوڈنسکی کے نزدیک خطرناک حیثیت اختیار کرنے لگی تھی۔ اس کی موجودگی میں گیارہ غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا تھا جن میں تین سفید فام مسلمان بھی تھے۔ اس نے شیخ گیلانی سے اس دوران ایک طالب علم کی حیثیت سے تین چار ملاقاتیں کر کے اس بات کا بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ شیخ گیلانی کوئی عام شخصیت نہیں ہے۔

پشاور میں اپنے قیام کے دوران اس نے درجنوں مسلمان سکالروں، مجاہدوں اور عالموں سے ملاقاتیں کی تھیں لیکن اس شخص کو اس نے سب سے الگ پایا۔ خدا جانے اس کی شخصیت میں ایسا کیا سحر تھا کہ اس کے ساتھ چند منٹ تک گفتگو کرنے والا اس کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا تھا۔

وہ اپنے سامعین کے سوالوں کے جوابات پر بڑی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے دیتا تھا اور بعض تلخ سوالات پر ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں آتا تھا وہ ہر وقت نارمل دکھائی دیتا تھا۔ ایک ایسا انسان جسے اپنے اردگرد کے ماحول سے صرف اتنی ہی دلچسپی تھی کہ وہ خود اس کا ایک حصہ ہے۔

☆☆☆

اگلے روز وہ چپ چاپ وہاں سے غائب ہو گیا۔ اب اسے اپنے شیطانی کھیل کا آغاز کرنا تھا۔ وہ صرف "موساد" کا ایجنٹ ہی نہیں ایک نظریاتی یہودی بھی تھا جس کے نزدیک مسلمانوں کا کسی بھی حیثیت سے دنیا میں مضبوط ہونا ناقابل معافی جرم تھا۔

جوزف بوڈنسکی کی روانگی کے قریباً ایک ہفتہ بعد ایک روز کیلے فورنیا کے شہر لاس اینجلس میں موجود ایف بی آئی کے سب ہیڈ کوارٹر میں ایک اہم فائل موصول ہوئی اس نوعیت کی فائلیں اور اطلاعات انہیں ملتی رہتی تھیں لیکن اس فائل پر بڑی محنت سے کام کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے مرکزی "بلد اللہ" کی ایک خفیہ فلم بنائی گئی تھی جس میں یہاں مسلمانوں کو مکانات تعمیر کرتے، اسلامی شعائر ادا کرتے، عورتوں کو "حجاب" میں مردوں کو شرعی انداز میں دکھایا گیا تھا۔

"بلد اللہ" میں موجود ایک چھوٹے سے گراؤنڈ میں کچھ مسلمان نوجوان ایکسرسائز کر رہے تھے۔ شاید وہ مارشل آرٹس کی مشق کر رہے ہوں گے لیکن ان کی فلم اس انداز سے تیار کی گئی تھی کہ یہ مشق کوئی "جنگی مشق" دکھائی دے۔

اس فلم میں مسلمانوں کو خالی ہاتھ اور لاٹھی سے لڑنے اور حملہ روکنے کی تربیت دیتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔

اس نوعیت کے تربیتی مراکز امریکہ کے گلی کوچوں میں ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے

لیکن فلم بنانے والے کا کمال یہ تھا کہ اس نے اس میں مکمل سنسنی خیزی پیدا کردی تھی۔ ''بلد اللہ'' میں اسلام ڈسپلن قائم کرنے کیلئے عورتیں اور مردوں کو جتنی بھی مشقیں کروائی جاتی تھیں ان سب کو جنگی تربیتی مشقیں قرار دے کر یہ کہا گیا تھا کہ اس مقام پر جس کا نام مسلمانوں کے اس ''cult'' نے ''بلد اللہ'' رکھا ہے کسی غیر مسلم کو داخلے کی اجازت نہیں اور فلم جان جوکھوں میں ڈال کر بنائی گئی ہے۔

اس فلم کے ساتھ ٹائپ شدہ تحریر میں ان مسلمانوں کے خطرناک عزائم کی نشاندہی کرنے کے بعد یہ بتایا گیا تھا کہ ان کا مرشد شیخ علی گیلانی ایک تربیت یافتہ مجاہد کمانڈر ہے جس نے افغان جہاد میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شیخ گیلانی کا وہ ''فتح نامہ'' منسلک تھا جو اس نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں شائع کروا کر دنیا میں تقسیم کیا تھا جس میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے روس کے ٹوٹنے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خوشخبری دی گئی تھی اور شیخ گیلانی کی طرف سے حکومت پاکستان کو تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر افغان جہاد میں بھرپور حصہ لینے اور روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی نوید دی گئی تھی۔

افغان جہاد میں برسرپیکار روسی بارہ کمانڈروں کے نام اور پشاور میں ان کے ایڈریس دینے کے بعد بتایا گیا تھا کہ شیخ گیلانی کے ان لوگوں سے براہ راست روابط ہیں اور وہ امریکہ میں بھی جہاد کے جراثیم پھیلانے کے مشن پر آیا ہے۔ اس کی جماعت کے مسلمان افغان جہاد میں حصہ لیتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

رپورٹ میں بعض ایسی مضحکہ خیز باتیں درج تھیں جن کا سچ سے دور دور تک کوئی علاقہ ہی نہیں تھا لیکن جس انداز سے یہ رپورٹ تیار کی گئی اس کے بعد ایف بی آئی والوں کا نارمل رہنا ممکن نہیں تھا۔

رپورٹ بھیجنے والے نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا تھا کہ شیخ گیلانی کے مخالف ایک مسلمان گروپ سے تعلق رکھتا ہے اور شیخ گیلانی کا ''طالب'' بھی رہ چکا ہے اس نے جلد ہی اس بات کا اندازہ لگالیا تھا کہ شیخ گیلانی تصوف کی آڑ میں دراصل امریکہ میں افریقن مسلم کے ذریعے انارکی پھیلانے کے مشن پر آیا ہے کیونکہ وہ خود ایک امریکن مسلم ہے اور اسے اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے۔ اس محبت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ تمام معلومات خود جمع کر کے ایف بی آئی تک پہنچائے۔

اس نے لکھا کہ فی الوقت وہ اپنا صحیح نام اور ایڈریس نہیں دے سکتا بصورت دیگر شیخ گیلانی کے پیروکار اسے قتل کردیں گے کیونکہ ابھی وہ شیخ گیلانی کے پیروکاروں ہی میں شامل ہے۔ البتہ اس نے یہ ضرور لکھا تھا کہ ''جذبہ حب الوطنی کے تقاضوں'' کے پیش نظر وہ اپنی جان پر کھیل کر

ایف بی آئی تک ایسے ثبوت پہنچاتا رہے گا۔ جب وہ لوگ اپنا کام مکمل کرلیں اور شیخ گیلانی اور اس کے پیروکاروں کو گرفتار کرلیں گے تو وہ بھی منظر عام پر آکر ان کے خلاف گواہی دے گا لیکن فی الوقت اس کے منظر عام پر آنے سے شیخ گیلانی اور اس کے ساتھی ہوشیار ہوجائیں گے اور عین ممکن ہے وہ ایسے ثبوت ہی غائب کردیں جن کے ذریعے انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

مارشل آرنلڈ اپنے سامنے رکھے ٹی وی مانیٹر پر فلم بار بار چلا کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایف بی آئی کے وہ ماہرین بھی موجود تھے جو کسی بھی چالاکی کو پکڑنے میں کمال رکھتے ہیں۔ فلم دیکھنے کے بعد ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ فلم کے تمام سین اصلی ہیں اور بعد میں کچھ شامل نہیں کیا گیا۔ فلم بنانے والے کا کمال یہی تھا کہ اس نے ایک صحیح چیز کو غلط بنا کر پیش کردیا تھا۔

مارشل آرنلڈ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اٹھ کر اپنے میز پر آگیا۔ اب وہ فزیونو میں اپنے آفس سے رابطہ قائم کررہا تھا۔ اسے شیخ گیلانی کے متعلق معلومات درکار تھیں اس کے بعد ہی وہ کوئی قدم اٹھا سکتا تھا۔

☆☆☆

صبح کے سات بجے تھے جب غلام جیلانی ''بلد اللہ'' سے اپنے کام پر جانے کیلئے کار میں نکلا۔ اس کا مکان حال ہی میں مکمل ہوا تھا جہاں وہ اپنی بیوی ہادیہ کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ ہادیہ افریقن امریکن مسلم تھی اور اس کے والد نے اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔ وہ ''بلد اللہ'' ہی کے اسلامک سنٹر میں مسلمان بچوں اور بچیوں کو قرآن پاک و حدیث کی تعلیم دیا کرتی تھی اور شام کو سپیشل کوچنگ کرتی تھی۔ دونوں میاں بیوی مطمئن اور بڑی روح پرور زندگی گزار رہے تھے۔

غلام جیلانی نے کیلے فورنیا میں اکاؤنٹینٹ کی جاب تلاش کرلی تھی اور اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ مغرب کی نماز ''بلد اللہ'' میں ادا کرے۔ شیخ گیلانی کی آمد یہاں اکثر ہوتی تھی عموماً وہ سفر ہی میں رہتے تھے اور آج کل نیویارک کی اپ سٹیٹ میں ایک اور اسلامی بستی اسلامبرگ کے نام سے تیار کرنے میں کوشاں تھے۔

''بلد اللہ'' سے ہائی وے تک آنے کیلئے اسے قریباً چار کلومیٹر کا وہ راستہ طے کرنا پڑتا تھا جسے ان لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت تعمیر کیا تھا۔ اس وقت وہ اسی راستے سے سفر کرتا اب اس ذیلی سڑک پر پہنچ چکا تھا جس سے گھوم کر اس ہائی وے پر جانا تھا جہاں سے قریباً ایک گھنٹہ کی ڈرائیو (drive) کے بعد اس کا آفس آتا ہے۔

غلام جیلانی نے اپنی گاڑی کے ٹیپ ریکارڈر میں سلطان باہوؒ کے کلام کی کیسٹ لگا رکھی تھی جس کے ساتھ ساتھ اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا گیا تھا۔ سڑک قدرے سنسان ہونے کے سبب وہ اردگرد کے ماحول سے قدرے بے نیاز تھا۔

اچانک ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی جنگی میدان میں پہنچ گیا ہو۔ اس کے سر پر ہیلی کاپٹر منڈلانے لگا تھا..... جس کے کھلے دروازے پر ایک گن بردار مارشل پوزیشن لیے بیٹھا تھا۔ ہیلی کاپٹر اس کی کار کے بالکل سامنے آیا تو اسے ایف بی آئی کے بڑے بڑے الفاظ دکھائی دیئے۔

اس کے ساتھ ہی اس کے دائیں اور بائیں دو برق رفتار گاڑیاں آگئیں جن کے سائرن مسلسل چیخ رہے تھے۔ شاید یہ سب لوگ کسی کونے کھدرے میں چھپ کر اس کا انتظار کر رہے تھے اور اب اس کے سر پر اچانک ہی مسلط ہو گئے تھے۔

غلام جیلانی کو خوف سے زیادہ حیرت اور حیرت سے زیادہ غصہ آرہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ ان لوگوں کو اچانک کیا ہو گیا۔ وہ کوئی مجرم نہیں، کوئی مفرور نہیں، پھر یہ لوگ آخر کیا کرنے جا رہے ہیں۔

''گاڑی روک کر باہر نکل آؤ''

ہیلی کاپٹر سے آواز سنائی دی۔

غلام جیلانی نے سڑک کنارے گاڑی روکی تو دونوں نے اسے اس طرح گھیر لیا جیسے ایک لمحے کی غفلت پر وہ انہیں دھماکے سے اڑا دے گا۔ ان سے دس بارہ ایف بی آئی کے مسلح ایجنٹ اس کی طرف بندوقیں اور پستولیں تانے کھڑے تھے جن میں سے ایک نے اس کے ماتھے کو نشانہ بناتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے ایک کارڈ کی جھلک اسے دکھائی۔

''ایف بی آئی..... ہاتھ اوپر اٹھاؤ''

اس نے چیخ کر کہا۔

غلام جیلانی نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

''اپنا منہ کار کی طرف کرو''

دوسرا حکم ملا اور اس نے اس کی بھی تعمیل کر دی۔

''اپنی ٹانگیں کھول دو''

اگلا حکم ملا۔ غلام جیلانی نے اس پر بھی عمل کیا۔

اسکے ساتھ ہی پستول بردار آگے بڑھا۔ اس نے غلام جیلانی کو سر سے پاؤں تک دونوں

ہاتھوں سے ٹھونک بجا کر اطمینان کرنے کے بعد اسے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے لے جانے کا حکم دیا۔

اور..... غلام جیلانی کے دونوں ہاتھوں کو ہتھکڑی لگا کر اسے بازو سے پکڑ کر اپنی کار تک لے آیا۔

اب تک غلام جیلانی خاموش تھا۔

لیکن..... اس کا غصہ ناقابل برداشت ہونے لگا تھا۔ اچانک ہی شیخ گیلانی کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

''آزمائش اللہ کی سنت ہے۔ اس سے بچے رہنے کی دعا کیا کرو۔ لیکن ایسا ہو جائے تو بے قابو نہ ہونا۔ خندہ پیشانی سے حالات کا مقابلہ کرنا اور اللہ سے مدد مانگنا۔ یاد رکھو صبر اور تسلیم و رضا ہی تمہارے بہترین ہتھیار ہیں۔ صابر رہو اللہ پر شاکر رہو۔ یاد رکھنا تم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے اس پر چلتے ہوئے تم پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں گی لیکن اگر تم ثابت قدم رہے تو دنیا اور آخرت دونوں میں ایسے ایسے انعامات سے نوازے جاؤ گے کہ جن کا تم گمان بھی نہیں کر سکتے۔''

شیخ گیلانی کی زبان سے نکلے الفاظ اس کے کانوں میں رس گھولنے لگے۔ وہ مسکرایا اور چپ چاپ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

مارشل آرنلڈ جو خود اس سارے آپریشن کی نگرانی کر رہا تھا بطور خاص اس کی حرکات اور چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے نزدیک یہ زندگی کا حیرت انگیز تجربہ تھا حرکات اور چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے نزدیک یہ زندگی کا حیرت انگیز تجربہ تھا کہ اتنے بڑے اور خطرناک ''کلٹ'' (Cult) کے ممبر پر ذرا سی گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی تھی۔

''کہیں مجھ سے غلطی تو نہیں ہو گئی''

اچانک ہی مارشل آرنلڈ کا ضمیر جاگا۔ وہ کیتھولک عیسائی تھا اور ایک مذہبی گھرانے سے تعلق نے ایف بی آئی میں رہنے کے باوجود اس کو ابنارمل انسان نہیں بننے دیا تھا۔

''میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ پھر ابھی کوئی رائے کیسے قائم کی جا سکتی ہے''

اس نے خود کو جواب دے کر مطمئن کیا۔

دونوں گاڑیاں برق رفتاری سے اپنی منزل کی طرف چل دیں جبکہ غلام جیلانی کی کار کی دو ایجنٹوں نے اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد مطمئن ہو کر خود سنبھالی اور اب وہ بھی اسے سیف ہاؤس کی طرف لے جا رہے تھے جہاں اسے لے جایا گیا تھا۔

غلام جیلانی پچھلی سیٹ پر مطمئن بیٹھا آنکھیں بند کیے "ذکر" میں مشغول تھا جب کار ایک جھٹکے سے رکی۔ بلڈنگ میں موجود مسلح گارڈز نے اسے گھیرے میں لے لیا اور ایک جلوس کی شکل میں اس کمرے تک پہنچ گئے جہاں اس سے تفتیش کی جانی تھی۔ اس کی ہتھکڑی کھول کر ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ درمیان میں ایک میز تھی جس کے سامنے کرسیوں پر مارشل آرنلڈ اور اس کا ماتحت بیٹھے تھے۔ درمیان ایک ٹیپ ریکارڈ رکھا تھا۔

غلام جیلانی مستقل "ذکر" میں مصروف تھا اور اس کے دل سے تمام وہم، خدشے اور خوف نکل چکے تھے۔ وہ ایسا مطمئن دکھائی دے رہا تھا جیسے یہ سب کوئی کھیل تماشا ہو۔ درود شریف پڑھ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکا اور انہیں اپنے چہرے پر پھیر کر ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان سے مخاطب ہوا۔

"تم لوگ جو کوئی بھی ہو۔ میں تمہیں اس حرکت سے معاف کرتا ہوں کیونکہ میرا اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ میرا نام غلام جیلانی ہے۔ میرا تعلق مسلم آف امریکہ سے ہے، ہم اپنے شیخ علی گیلانی کے "طالب" ہیں۔ انہوں نے ہماری زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔ ہم راہ گم کردہ انسان تھے وہ ہمیں راستے پر لائے۔ ہم اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے، اللہ نے ہمیں اپنا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا تھا اور ہم یہاں وحشیوں، درندوں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے۔ الحمدللہ اب ہم راہ راست پر آ گئے ہیں اور اپنی زندگیوں سے مطمئن ہیں کیونکہ ہمیں مقصد زندگی حاصل ہو گیا......"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"تم ایک دہشت گرد تنظیم کے ممبر ہو۔ تمہارا شیخ بین الاقوامی دہشت گرد ہے اور تم لوگ امریکن عوام کے قتل عام کا منصوبہ بنا رہے ہو۔ تم امریکہ پر قبضے کی تیاریاں کر رہے ہو"

آرنلڈ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کا یہودی نائب چیخا۔

آرنلڈ نے اس کی طرف ڈانٹنے والی نظروں سے دیکھا کیونکہ یہ پروٹوکول کی بھی سخت خلاف ورزی تھی کہ وہ آرنلڈ سے پہلے کچھ کہے۔

"میں تمہاری کسی بات [illegible] کرنے کے بجائے تمہارے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تمہیں بھی میری طرح ہدایت نصیب فرمائے"

غلام جیلانی نے اتنے پرسکون لہجے میں یہ بات کہی کہ ایک مرتبہ تو آرنلڈ کا نائب بھی سٹپٹا گیا۔

"دیکھو ہماری تمہاری کوئی دشمنی نہیں۔ ہم تمہارے شیخ کے بھی دشمن نہیں لیکن ہمارے پاس

ایسی اطلاعات ہیں جو یہ ثابت کرتی ہے کہ تمہارے عزائم بڑے خطرناک ہیں"

اس مرتبہ آرنلڈ نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"مجھے آپ کی بات سن کر تعجب ہوا"

غلام جیلانی نے جواب دیا۔

"تم اپنے متعلق بتاؤ تم مائیکل سے غلام جیلانی کیسے بن گئے؟"

آرنلڈ نے اپنے سامنے دھری فائل کو کھول کر اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد سوال کیا۔

اور...... جواب میں غلام جیلانی نے اسے وہ ساری کہانی سنا دی جسے وہ اب تک کئی غیر مسلموں کو سنا کر دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی سعادت حاصل کر چکا تھا۔

"ویل ڈن"

اس کی بات کے خاتمے پر پھر آرنلڈ کے نائب طنزیہ لہجے میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"شاندار کہانی ہے۔ کسی کو بھی بیوقوف بنایا جا سکتا ہے لیکن ہمیں نہیں...... سمجھے تم؟"

اس نے اچانک غصے سے چیختے ہوئے کھڑے ہو کر کہا۔

"ڈیو سٹ ڈاؤن (sit down) پلیز"

آرنلڈ کے منہ سے بے اختیار نکلا تو ڈیوڈ قدرے جھینپ کر بیٹھ گیا اس نے محسوس کیا کہ واقعی وہ اپنے بزنس رولز کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

"اگر تم چاہو تو ہمارے ان سوالوں کا جواب دو اگر نہ چاہو تو نہ دو۔ اگر تم چاہو تو اپنے وکیل بلا سکتے ہو...... اس سے مشورہ کر سکتے ہو...... ہم نے ابھی تک تمہاری کوئی بات ریکارڈ نہیں کی۔ لیکن اب تمہاری ہر بات ریکارڈ کی جائے گی جو عدالت میں تمہارے خلاف بطور ثبوت بھی پیش کی جا سکتی ہے۔"

آرنلڈ نے غلام جیلانی سے کہا۔

"مجھے کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔ آپ کے ہر سوال کا جواب میں بغیر کسی جبر و اکراہ کے دے رہا ہوں۔ آپ کے ساتھی کا چیخنا چلانا مجھے نہیں ڈرا سکتا کیونکہ ہم صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ہم نے اپنے جانوں کا سودا اللہ سے جنت کے عوض کر لیا ہے۔ اب ہم ہر خوف سے بے نیاز ہیں...... آپ سوال کریں۔"

غلام جیلانی کے اس جواب نے جیسے آرنلڈ کے پیروں تلے زمین نکال دی تھی۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ جس طرح وہ اور اس کا ماتحت امریکن قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غلام

جیلانی کو ہراساں کر رہے ہیں اس کے بعد وہ اپنے وکیل کو بلا کر ان کا ناطقہ بند کرا دے گا..... لیکن اس پر تو کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔

آرنلڈ نے ایک کونے میں دھری میز پر رکھے ٹی وی اور وی سی آر پر وہ فلم چلائی جو انہیں موصول ہوئی تھی اور جگہ جگہ فلم روک کر اس سے سوالات کرتا رہا۔ غلام جیلانی نے انہیں بتایا کہ وہ لوگ مل جل کر اسلامی طریقے سے زندگی گزارتے ہیں اور انہوں نے جو ایکسرسائز (exercise) دکھائی ہیں وہ ان کی معمول کی ورزش ہے جو وہ اپنے بچوں اور نوجوانوں کو کرواتے ہیں تاکہ وہ چاق و چوبند رہیں۔

اس نے آرنلڈ کو امریکی آئین کی مختلف دفعات کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ امریکہ میں بندوق، پستول چلانا سیکھنا کوئی جرم نہیں۔ مارشل آرٹس میں کوئی بھی شخص جتنا کمال چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ امریکہ میں ایسے ہزاروں ادارے موجود ہیں جو دن رات یہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس نے آرنلڈ کو بتایا کہ امریکہ میں چھاتہ برادری، فلائنگ جمپ، جہاز اڑانے، حتیٰ کے کمانڈو بننے کی تربیت بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور وہ لوگ صرف اسی کیسٹ کی بنیاد پر انہیں ٹارگٹ بنا رہے ہیں تو یہ غیر اخلاقی ہی نہیں غیر قانونی بات بھی ہے وہ چاہے تو ان پر مقدمہ قائم کر سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا۔

وہ گھنٹے کی مغز ماری کے بعد آرنلڈ اس بات کا قائل ہو گیا کہ ان کو کسی ٹیپ کے ذریعے ٹریپ کیا ہے اور اس نے غلام جیلانی کو گرفتار کر کے جھک ماری ہے۔

اس نے غلام جیلانی کو اپنے ہاتھ سے کافی کا مگ بنا کر دیا اور اس سے اجازت لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس کمرے میں ایف بی آئی کے ماہرین کی ایک ٹیم جس میں ان کا ماہر وکیل شامل تھا اس ساری تفتیش کی کارروائی کا مانیٹر کر رہے تھے۔

''کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟''

آرنلڈ نے ان کی طرف دیکھا۔

''بادی النظر میں تو یہ کوئی جرم دکھائی نہیں دیتا''

وکیل نے اپنی رائے پیش کی۔

دس منٹ تک وہ آپس میں بحث کرتے رہے جس کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے پاس غلام جیلانی کو حراست میں رکھنے کیلئے انتہائی ناقص شہادت اور ناکافی ثبوت ہیں اگر وہ یہ ثبوت لے کر اس کا ریمانڈ لینے کیلئے عدالت میں گئے تو عین ممکن ہے عدالت کا جج ان پر عدالت کا وقت

ضائع کرنے کی کارروائی نہ کر دے۔

''میں اسے معافی مانگ کر رہا کر رہا ہوں''

اس نے اپنے ساتھیوں سے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

کسی نے کوئی تبصرہ نہ کیا۔

آرنلڈ تفتیش والے کمرے میں واپس آ گیا۔ اب اس کیلئے سب سے مشکل مرحلہ غلام جیلانی کو مطمئن کرنا اور اس بات کی ضمانت حاصل کرنا تھا کہ وہ ایف بی آئی کو عدالت میں نہیں گھسیٹے گا۔

''میں نے آپ سے شروع ہی میں کہا تھا کہ میں آپ کو اس زیادتی پر پیشگی معاف کرتا ہوں۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے میرے ذریعے آپ تک صحیح صورتحال پہنچائی اور میں آپ کو صحیح صورتحال بتانے میں کامیاب ہوا.....''

غلام جیلانی نے جواب دیا۔

آرنلڈ کیلئے زمین نہیں پھٹتی تھی کہ وہ اس میں سما جاتا۔ اس نے غلام جیلانی کے بار بار انکار کے باوجود ایف بی آئی کے فنڈز سے اسے چیک دیا جو اس کے بزنس کا وقت ضائع کرنے اور اسے پہنچنے والی ذہنی اذیت کا ازالہ کرنے کیلئے تھا۔ انہیں تو اب تک اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ غلام جیلانی انہیں عدالت میں نہیں گھسیٹے گا۔

''آپ کے بضد ہونے پر میں اس لیے یہ چیک قبول کر رہا ہوں کہ آپ کی دل آزاری نہ ہو۔ اس کے باوجود اگر میرے شیخ نے اس کی اجازت نہ دی تو میں اسے قبول نہیں کروں گا''

اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ایک ٹائپ شدہ فارم پر کر کے وہ باہر آ گیا۔ آرنلڈ خود ایک کار میں اس کی رہنمائی ہائی وے تک کرنے آیا تھا اس نے ایک مرتبہ پھر اس سے معذرت کی تھی۔

☆☆☆

غلام جیلانی اپنے آفس پہنچا تو وہ چار گھنٹے لیٹ تھا۔ اس نے اپنے ''باس'' کو بتا دیا کہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ کس حادثے سے گزرا ہے اور اسے معمول کی کارروائی قرار دے کر چپ ہو رہا۔

شام کو جب وہ معمول کے مطابق ''بلد اللہ'' پہنچا تو اطلاع ملی کہ شیخ گیلانی وہاں موجود ہیں۔ غلام جیلانی اطلاع ملتے ہی شیخ کی خدمت میں پہنچ گیا۔

''اللہ اکبر..... اللہ نے ہمارا کیس پیش کرنے کیلئے کیسے بہترین آدمی کا انتخاب کیا۔ شاید کوئی اور اس طرح مطمئن نہ کر پاتا''

شیخ گیلانی نے اٹھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تو غلام جیلانی کی حیرت دوچند ہوگئی۔ لیکن پھر اسے اپنے شیخ ہی کی بات یاد آگئی جس نے انہیں کہا تھا کہ مرشد جب اپنے ''طالب'' کا ہاتھ پکڑتا ہے تو پھر اسے کسی بھی مرحلے پر نظر انداز نہیں کرتا۔ طالب کے ساتھ وہ سائے کی طرح محافظت کرتا ہے۔ رہنمائی کرتا ہے۔ اسے مشکل سے نکالتا ہے اور اس کے مسائل کو حل کرتا ہے۔ اپنے ساتھ اسے بارگاہ محمد ﷺ میں حاضری کرواتا ہے تو ہی وہ مرشد خالص ہے ورنہ فراڈ ہے.....''

اور آج شیخ گیلانی نے اسے ثابت کر دیا تھا۔

اسے یاد آگیا جب ایف بی آئی والے اسے ہتھکڑی لگا رہے تھے تو شیخ گیلانی اس کے سامنے مسکرا رہا تھا اور وہ اسے سبق یاد دلا رہا تھا جو اس نے ابتدا ہی میں دیا تھا۔

ڈیوڈ گھر پہنچا تو ایک سرپرائز اس کیلئے موجود تھا۔ اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا تھا اور دنیا میں اس کے علاوہ صرف ایک آدمی کو اس کی اجازت تھی کہ وہ جب چاہے بغیر اجازت اس کے گھر میں داخل ہو جائے لیکن اس مرتبہ مہمان نے چونکہ اسے فون کرنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی اس لیے احتیاطاً اس نے اپنا پستول پوزیشن میں کرلیا اور بڑے محتاط قدموں سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

اپنی دانست میں وہ بہت محتاط اور سمارٹ بن رہا تھا لیکن اچانک ہی اسے اپنی پشت سے جوزف بوڈنسکی کی آواز سنائی دی۔

''کبھی بھول بھی جایا کرو یار کہ تم ایف بی آئی میں کام کرتے ہو۔''

ڈیوڈ پھرتی سے گھوما تو سامنے جوزف بوڈنسکی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ دونوں آج ڈیڑھ سال بعد اچانک آمنے سامنے مل رہے تھے۔ ان دوران گو کہ مہینے میں ایک آدھ مرتبہ اسے بوڈنسکی کا فون ضرور مل جایا کرتا تھا جس میں وہ اس کی صرف خیر خیریت دریافت کرتا اور بس.....

لیکن..... آج اس طرح بغیر اطلاع کے اس کی آمد؟

''ضرور دال میں کچھ کالا ہے''

ڈیوڈ کے دل نے کہا۔

''ہیں..... ہیں..... بھئی وہ ڈاڑھی مونچھیں..... ایک دم صفا چٹ''

ڈیوڈ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بے تکلفی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''وہ کام ختم ہوگیا میرے دوست! اب نئی مہم آن کھڑی ہوئی ہے''

اس نے ڈیوڈ کا ہاتھ پکڑ کر سٹنگ روم کی طرف جاتے ہوئے کہا جہاں کافی کا ایک مگ پہلے سے موجود تھا شاید وہ پہلے سے کافی پی رہا تھا۔:

''میرا خیال ہے تم اپنے لیے کافی خود ہی تیار کرلو.....''

جوزف بوڈنسکی نے بڑی بے تکلفی سے ڈیوڈ سے کہا۔

''نو پرابلم''

ڈیوڈ نے اپنے جسم سے ہولسٹر اور پستول کا بوجھ الگ کر کے ایک کونے میں دھری میز پر رکھ دیا۔

''کیسی چل رہی ہے نوکری؟''

اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے جوزف بوڈنسکی نے پوچھا۔

''معمول کے مطابق..... وہی اک چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو ہی اب ہے''

ڈیوڈ قدرے مزاحیہ موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

دونوں کی دوستی دس سال پرانی تھی۔

ان دنوں وہ نیا نیا ایف بی آئی میں آیا تھا اور ایک شادی کی تقریب میں شامل تھا جو بوڈنسکی اور اس کے مشترکہ دوست تھے۔ اس دوست نے ہی اس کا جوزف بوڈنسکی سے تعارف کروایا تھا جس نے پہلی ہی نظر میں اسے ''موساد'' کیلئے منتخب کر لیا تھا۔

جوزف بوڈنسکی کو اس پر زیادہ محنت کرنے کی ضرورت اس لیے بھی پیش نہ آئی تھی کہ دنیا کا ہر یہودی پہلے ہی سے پچاس فیصد سے زیادہ اسرائیلی ایجنٹ ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں رہنے کے باوجود اس کی ہمدردیاں ہمیشہ اسرائیل کے ساتھ رہتی ہیں اور وہ ''عظیم اسرائیل'' کی ترقی میں اپنا حصہ دامے درمے قدمے سخنے ضرور ڈالتا ہے۔

جوزف بوڈنسکی اسے تین چار ملاقاتوں ہی میں راہ پر لے آیا۔ اس نے ڈیوڈ کو باور کروا دیا تھا کہ دنیا کے کسی بھی ملک کا شہری ہونے کے باوجود ایک یہودی کی حیثیت سے وہ سب سے پہلے اسرائیل کا وفادار ہے۔ یہ کوئی سیاسی فلسفہ نہیں بلکہ اس کی مذہبی تعلیمات ہیں۔

اور..... ڈیوڈ اس سے زیادہ پرجوش انداز میں اس کے خیالات کی وکالت کرنے لگا۔

جوزف بوڈنسکی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ عظیم اسرائیل کی خدمات کے سلسلے میں وہ کبھی کبھی اسے زحمت دیا کرے گا۔ اس دوران وہ ہر سال باقاعدگی سے اسرائیل جانے لگا جہاں وہ جاتا تو اپنی پرائیویٹ حیثیت سے تھا لیکن وہاں ''موساد'' کا مہمان ہوتا تھا۔ اسے ''موساد'' کی طرف سے زبردست پروٹوکول کے ساتھ ساتھ ہر مرتبہ ''برین واشنگ'' کیلئے نیا ذہنی انجکشن بھی لگا دیا جاتا تھا۔

جوزف بوڈنسکی اس کا بے تکلف دوست بن چکا تھا۔ وہ ڈیوڈ کے ذریعے ایف بی آئی کو کئی مرتبہ ''مس گائیڈ'' کر چکے تھے۔ کسی بھی عربی نژاد مسلمان کو مشکوک بنانے کیلئے اس کے خلاف جعلی ثبوت تیار کرنا اور اسے ایف بی آئی میں موجود متعلقہ لوگوں تک پہنچانا ہی دراصل ان دونوں کا مشن

تھا۔ اب تک جوزف بوڈنسکی ایسے درجنوں فلسطینی نوجوانوں کو مشکوک بنا کر ان کیلئے مسائل کھڑے کر چکا تھا جو کسی نہ کسی طرح اسرائیل سے اپنی جان بچا کر امریکہ میں آ جاتے تھے یا پھر جن پر انہیں اس بات کا معمولی سا بھی شک گزرتا کہ وہ فلسطینی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں کوئی بھی کردار ادا کر رہے ہیں یا مستقبل قریب میں اس کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ڈیوڈ کو ان خدمات کا بڑا معاوضہ بھی ملتا تھا اور ''موساد'' نے اپنے ''طریق واردات'' کے عین مطابق اس کا ایک غیر ملکی اکاؤنٹ بھی کھلوا دیا تھا۔

یہ ''موساد'' کا اپنے ایجنٹ کو زندگی کے آخری سانس تک قابو رکھنے کیلئے بڑا ہی شاندار حربہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ جس ایجنٹ کا غیر ملکی اکاؤنٹ کھل جاتا وہ پھر ساری زندگی ''موساد'' کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے طریق کار (Modus operandi) کے مطابق ''موساد'' ہمیشہ by way of deception کا اصول اپناتی تھی۔

اس حقیقت کا ادراک رکھنے کے باوجود کہ کوئی بھی یہودی النسل اسرائیل سے غداری کا تصور نہیں کر سکتا اور وہ اپنی بساط بھر کوشش کے ساتھ مرتے دم تک اسرائیل کی خدمت میں بھی جتا رہے گا، ''موساد'' نے کبھی اپنی Mods Operandi کو فراموش نہیں کیا تھا۔ ان کے نزدیک سوائے اپنی ذات کے دنیا کا وہ شخص جس میں ان کے بیوی، بچے، والدین اور دوست احباب شامل تھے ہمیشہ مشکوک رہتے تھے اور انہیں اس بات کی تربیت دی جاتی تھی کہ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھیں، ان کی طرف سے کسی بھی غیر معمولی سلوک یا حرکت کیلئے ہمیشہ تیار رہیں۔

امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں میں شاید ہی کوئی ایسا خوش قسمت یہودی آفیسر تھا جو ''موساد'' کیلئے براہ راست یا بلاواسطہ خدمات انجام نہ دے رہا ہو۔ لیکن کچھ لوگ ان کے بطور خاص منظور نظر تھے ان میں سے ایک ڈیوڈ بھی تھا۔

ڈیوڈ کی بیوی بیروت میں پیدا ہوئی اور اس نے اپنی جوانی کا خاصا حصہ اسرائیل میں گزارا تھا۔ وہ امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے آئی اور ڈیوڈ کی بیوی بن گئی۔

اس بات کا ڈیوڈ کو آج تک علم نہیں ہو سکا تھا کہ نتالیا سے اس کی پہلی ملاقات سے شادی تک سب کچھ ''موساد'' کی پلاننگ کا حصہ تھا۔

نتالیا دراصل ''موساد'' کی طرف سے ڈیوڈ پر ایک مستقل چیک (check) تھا۔ وہ اپنی حیثیت میں ''موساد'' کیلئے کیا خدمات انجام دے رہی تھی' اس کا ڈیوڈ کو کبھی اندازہ نہ ہو سکا۔ ایف بی آئی کا ایجنٹ ہونے کے باوجود وہ اس بات کی کبھی بھنک بھی نہ پا سکا کہ اس کی بیوی

کون ہے؟

''کیا بنا فریزنو والی بستی کا؟''

اچانک ہی جوزف نے اس سے دریافت کیا تو ڈیوڈ کا ماتھا ٹھنکا۔

''تو وہ.....''

''ہاں وہ ہماری ہی موو (move) تھی''

جوزف نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''لیکن بظاہر تو ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا''

ڈیوڈ نے کہا۔

''تم لوگوں نے ابھی ثبوت والی جگہ چیک کہاں کی ہے۔ ایک شخص کو گرفتار کرنے سے تو ثبوت نہیں ملا کرتا ناں.....''

بوڈنسکی نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''بہر حال اس مرتبہ وہ تو بچ گئے''

ڈیوڈ نے کہا۔

''لیکن آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ وہ شیخ گیلانی بہت بڑا دہشت گرد ہے۔ میں نے پاکستان میں اس کے متعلق تحقیق کی تھی۔ اس نے سب سے پہلے افغانستان کے جہاد کا فتویٰ جاری کیا تھا۔''

بوڈنسکی نے کہا۔

اگر ایسی بات ہے تو وہ کبھی نہیں بچ پائے گا''

ڈیوڈ نے خیال ظاہر کیا۔

''ہاں! لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم ایف بی آئی کو اس کام پر لگائے رکھیں''

بوڈنسکی نے کہا۔

دونوں اس کی بیوی کی آمد تک باتوں میں مصروف رہے۔ دونوں گدھے یہ سمجھتے تھے کہ ڈیوڈ کی بیوی کو ان کی سرگرمیوں کا علم نہیں اور اس سے یہ کام چھپا کر ہی کرنا ہے۔ اگلے روز علی اصباح جوزف بوڈنسکی وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

شیخ گیلانی کی ہدایت پر غلام جیلانی نے یہ واقعہ اور کسی کے سامنے ابھی تک نہیں دہرایا تھا۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ شیخ گیلانی کے طالبین میں تشویش پیدا ہو یا وہ کسی بات پر اشتعال میں آئیں۔ ان لوگوں کے ''معمولات'' جاری تھے اور ''ذکر'' کی برکات و فیوض سے بہرہ ور ہو رہے تھے۔

اس روز شیخ نے رات کو انہیں کھلے میدان میں ذکر کروایا تو اس میں کچھ نئے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ چونکہ یہاں دوسرے شہروں سے ''طالبوں'' کا آنا جانا لگا رہتا تھا اس لیے شیخ گیلانی یا اس کے پیروکار نے کبھی اس بات کا تردد یا تجسس نہیں کیا تھا۔

''تہجد'' اور ''ذکر'' کے بعد سب نے معمول کے مطابق صبح کی نماز ادا کی اور اب ان میں ''لنگر'' تقسیم ہونا تھا جب اچانک وہاں ایک طوفان بدتمیزی در آیا۔

اچانک ہی تین چار کاریں ہوٹر بجاتیں وہاں پہنچ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی آسمان پر ہیلی کاپٹر لہرانے لگا۔ ایک مرتبہ پھر ایف بی آئی کے درجنوں ایجنٹ وہاں آ گئے تھے۔ اس مرتبہ ٹیم کی کمان آرنلڈ کے بجائے کوئی اور مارشل کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے جیسے ہی شیخ گیلانی کی طرف بڑھنا چاہا ان کے درجنوں طالبیان شیخ کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

''پیچھے ہٹ جاؤ انہیں اپنا کام کرنے دو۔''

شیخ نے صورتحال کو فوراً ہی سنبھال لیا۔

چیف مارشل شیخ کے نزدیک آ گیا۔

''ہم یہاں کی تمام کھانے پینے کی چیزوں کا نمونہ لے کر انہیں لیبارٹری میں ٹیسٹ کروائیں گے۔ یہاں کی تلاشی بھی لی جائے گی۔ ہمیں شک ہے کہ تم ان لوگوں کو کوئی نشہ آور چیز دے کر انہیں حواس باختہ کر رہے ہو اور تم نے یہاں کوئی میکنیزم فٹ کر رکھا ہے جس کے ذریعے عجیب و غریب مظاہر دکھا کر ان لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہو۔''

چیف مارشل جو شکل سے ہی بڑا منہ پھٹ دکھائی دے رہا تھا شیخ گیلانی سے کہنے لگا۔ اس سے پہلے کہ اس کی باتوں سے اشتعال میں آ کر کوئی ''طالب'' غلط حرکت کرے۔، شیخ گیلانی نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''تم بااختیار ہو جو دل چاہے کر سکتے ہو اور قانون کے مطابق تمہیں یہاں کی تلاشی لینے کا بھی اختیار ہے۔ کوئی تمہارے کام میں مداخلت نہیں کرے گا۔ تم اپنا کام اطمینان سے مکمل کر سکتے ہو۔''

''آپ ان لوگوں سے کہیں کہ کارِ سرکار میں مداخلت نہ کریں''

مارشل نے گیلانی سے کہا۔

"نہیں کریں گے"

شیخ گیلانی کے منہ سے نکلا۔ اس نے ایک نظر وہاں موجود لوگوں پر ڈالی اور سب کو مطمئن رہنے کی تلقین کر کے وہیں اپنے پاس بٹھالیا۔

"امید ہے تم انہیں ناشتہ کرنے کی اجازت دے دو گے"

شیخ گیلانی نے کہا۔

"ہاں..... کیوں نہیں بس آپ ہمیں جو بھی چیز تیار ہے اس کا سیمپل حاصل کرنے دیں۔"

مارشل نے کہا۔

"کرلو....."

شیخ گیلانی بالکل نارمل دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اتنا مطمئن دکھائی دے رہا تھا کہ ایف بی آئی کی اس چھاپہ مارٹیم کے بعض ایجنٹ تو ندامت کا شکار ہو رہے تھے۔

ان لوگوں نے وہاں موجود ہر شے کا نمونہ حاصل کیا۔ ایف بی آئی کے ماہرین نے شیخ کے طالبوں کے تعمیر شدہ گھروں میں گھس کر وہاں ایک ایک برتن کی تلاشی لی۔ ٹی وی اور ریڈیو سیٹوں کو کھول کر ان کا جائزہ لیا۔ ایف بی آئی کے کچھ ماہرین نے اپنے ہاتھوں میں عجیب وغریب قسم کے ڈٹیکٹر پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس بستی کے اردگرد تقریباً ایک کلومیٹر کے ایریا میں چاروں طرف زمین کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ جن درختوں پر "اللہ اور محمد ﷺ" کے اسمائے گرامی چمکا کرتے تھے ان کا اپنے پاس موجود آلات سے جائزہ لیا اور وہاں موجود پانی اور کھانے کے سیمپل لے کر چلے گئے۔

"ان لوگوں پر تمہارا غصہ جائز نہیں۔ یہ سرکاری ملازم ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری سرگرمیاں ریاستی معاملات میں مداخلت ہیں یا ہم لوگوں کیلئے مسائل پیدا کر رہے ہیں تو انہیں حق حاصل ہے اپنا اطمینان کریں۔ یہ تم لوگوں کیلئے بہتر نہیں کہ حکومت کو تمہارے متعلق ہر طرح کی تفتیش وتحقیق کے بعد اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ تم غلط لوگ نہیں۔ تم انتشار پھیلانے والے نہیں تم تو محبتیں تقسیم کرنے والے اور مخلوق کے خیر خواہ ہو۔"

ان لوگوں کے روانہ ہوتے ہی اس نے اپنے "طالبوں" کو مطمئن کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ غصے میں آکر کوئی غلط بات اپنے منہ سے نکالیں۔ اور اب طالبین ایسے مطمئن ہو گئے جیسے یہ کوئی معمول کی کارروائی ہو۔

اس نے انہیں اپنے معمولات جاری رکھنے کی تلقین کی اور کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اسے

بتا دیا تھا کہ آزمائش شروع ہونے والی ہے۔ اب انہیں ثابت قدم رہنا ہوگا۔ اس نے اپنے لوگوں کو سختی سے تلقین کی کہ کسی بھی صورتحال پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اشتعال میں نہ آئیں اور کسی بھی حالت میں زبان اور ہاتھ دونوں پر کنٹرول رکھیں۔

"میں تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ کسی بھی زیادتی کو اللہ کی آزمائش جان کر اس پر صبر اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا۔ تم اس نبی کریم ﷺ کی امت ہو جن کے موزے خون سے بھرے تھے اور جن کے سامنے عزرائیل ﷺ کھڑے ہو کر عرض کر رہے تھے۔ "یارسول اللہ ﷺ اگر حکم دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دوں جن کے درمیان یثرب کی بستی آباد ہے تاکہ آپ بدشگون طرازی کرنے والے، ظلم وستم ڈھانے والے ملیامیٹ ہو جائیں۔ لیکن آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا عین ممکن ہے کہ ان کی آئندہ نسلوں میں کوئی ایمان لے آئے..... میں تمہیں اسوہ رسول ﷺ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں جس راستے کے مسافر ہو وہ آزمائشوں سے بھرا ہے۔ اللہ سے مدد مانگو اور صبر اختیار کرو۔ اللہ تمہارا حامی وناصر ہوگا۔"

اس کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ کا اثر اس کے طالبین کے چہرے پر نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب مطمئن اور کسی بھی اگلی آزمائش کیلئے تیار کھڑے تھے۔

اس روز شیخ گیلانی شام کے بعد اپنی اگلی منزل کی طرف چل دیا اور وہ سب اپنے معمولات میں مشغول ہو گئے۔

☆☆☆

چیف مارشل آرنلڈ اور ایف بی آئی کے سینئر افسران میٹنگ روم میں موجود تھے۔ ان کے سامنے لیبارٹری رپورٹس دھری تھیں۔ کسی بھی کھانے پینے کی شے سے کوئی نشہ آور شے دریافت نہیں ہوئی تھی۔ سب کچھ انتہائی نارمل تھا۔

"امید ہے کہ آپ حضرات کو اس بات کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میں اس آپریشن کی ضرورت کیوں نہیں سمجھتا تھا..... ہم لوگ ایک مہذب ملک کے شہری ہیں جہاں قوانین سب کیلئے برابر ہیں۔ جناب ڈپٹی صاحب! اگر کسی شرارتی وکیل کے ہاتھ یہ کیس لگ گیا تو اندازہ کر لیجیے کہ ایف بی آئی کو کتنا ہرجانہ ادا کرنا پڑے گا۔ اس کے باوجود کہ یہ لوگ کسی پھڈے میں پڑنا پسند نہیں کرتے ہمیں اس مفروضے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس ملک میں ہیومنٹ رائٹس کی تنظیموں کی ابھی تک صحیح تعداد سامنے نہیں آسکی اور کسی

ایک تنظیم کے ہاتھ یہ مسئلہ لگ گیا تو ہماری خیر نہیں"

اس نے فاتحانہ نظریں حاضرین پر ڈالتے ہوئے کہا۔

ڈپٹی ڈائریکٹر سٹیفن عجیب وغریب کیفیات کا شکار تھا۔ اس نے چیف مارشل آرنلڈ کے خلاف تادیبی کارروائی کی دھمکی دی تھی اور اس آپریشن کی کمان اس کے نائب مارشل کو سونپ کر اپنی دانست میں ایف بی آئی کے ماہرین کی ٹیم ساتھ بھیجی تھی جس سے زمین کی ساتویں تہہ میں چھپی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہ سکے جب سے اس کے سامنے شیخ گیلانی کے پیروکاروں کی فائلیں آئی تھیں جنہوں نے اپنے تجربات بیان کیے اور اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے انوارات کے مشاہدات کیے ہیں، تب سے سٹیفن شیخ گیلانی کو مکمل فراڈ سمجھ رہا تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ اس سے پہلے بھی امریکہ میں ایسے "کلٹ" آسانی سے پکڑے جا چکے ہیں جن کے پیروکاروں نے اس نوعیت کے دعوے کیے تھے لیکن اصل میں وہ سب کسی شیطانی کھیل یا سازش کا حصہ ہوتے تھے۔ اس نے فلوریڈا (cult) کے پیروکاروں کے ساتھ خونریز جنگ لڑی تھی جنہوں نے عالمی شہرت حاصل کر رکھی تھی اور اس جنگ کا اختتام اس cult کے تیس ارکان کی اجتماعی خودکشی پر ہوا تھا۔

اس واقعہ کے بعد سے تو ایف بی آئی والے بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے اور وہ مذہبی حوالے سے قائم ہونے والے کسی بھی نئے کتب فکر کی شروع سے کڑی نگرانی کرنے لگے تھے۔

شیخ گیلانی کی فائل تو اسی روز کھل گئی تھی جس روز اس نے نیوجرسی میں اپنا مشن شروع کیا تھا۔ ایف بی آئی کے مقامی سورس نے اس کی آمد اور اس کے ہاں بلیک مسلم (Black Muslims) اور غیر مسلموں کے اجتماع کی رپورٹ پہنچا دی تھی لیکن مقامی ایف بی آئی والوں نے اس کا کوئی خاص نوٹس اس لیے نہ لیا کہ ان کے نزدیک یہ کوئی خطرناک کھیل نہیں تھا۔ مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح اس ملک میں مذہبی آزادی حاصل تھی۔ یہاں مذہب کو ہر شخص کا ذاتی مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔

لیکن..... "موساد" نے اپنے طریق واردات سے ایف بی آئی کے شکوک میں بے حد اضافہ کر دیا تھا خصوصاً اس بات سے کہ شیخ گیلانی جہاد افغانستان کا محرک اور اس کے لئے اپنے ملک میں عملی کوششیں بھی کر چکا ہے اس کے معاملے کو خاصا مشکوک بنا دیا تھا۔

"آرنلڈ! کسی کا بے گناہ ثابت ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوا۔ ایک ماہر آفیسر کی حیثیت سے تم جانتے ہو ماضی میں کتنے لوگ پہلے بے گناہ ثابت ہوئے اور

بعد میں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے..... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس کے خلاف کوئی ثبوت ہمارے ہاتھ نہیں لگا تو یہ اس کی کامیابی ہے اور ہماری نالائقی..... فی الوقت میں اس رائے پر اصرار کروں گا"

ڈپٹی ڈائریکٹر سٹیفن کیلئے اپنے غصے پر قابو پانا کاردارد تھا اور وہ اپنی رائے پر ابھی تک مصر تھا۔

"Boss is always right"

آرنلڈ کو نوکری کا بہترین اصول یاد آ گیا اور اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

"Any comment" (کوئی رائے؟)

سٹیفن نے قدرے نارمل موڈ میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

سب جانتے تھے کہ ان کی اے سی آر ان کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے ہی فائنل کرنی ہوتی ہے اور یہاں کوئی اس پوزیشن میں بھی نہیں کہ آرنلڈ کی طرح سٹیفن کے منہ لگ سکے۔ وہ جانتے تھے ڈپٹی ڈائریکٹر سٹیفن کی یہ کمزوری ہے کہ ایک مرتبہ جو رائے قائم کر لے اس کو بدلنا مشکل ہو جاتا تھا۔

☆☆☆

لندن کے اس ڈیپارٹمنٹل سٹور کا شمار دنیا کے چند گنے چنے سٹورز میں ہوتا تھا۔ اس سٹور میں روزانہ دنیا بھر کے گاہک آتے اور شاپنگ کر کے چلے جاتے۔ آج جوزف بوڈنسکی ایک گاہک کی حیثیت سے یہاں آیا تھا۔

وہ اگلے ہی روز نیویارک سے ایک فلائٹ کے ذریعے ہیتھرو پہنچا تھا۔ رات ایک ہوٹل میں گزار کر وہ آج صبح ہی یہاں چلا آیا تھا۔ اپنے ہوٹل سے یہاں آنے تک اس کی آنکھیں مسلسل کسی تعاقب کرنے والے کو تلاش کرتی رہیں لیکن یہاں پہنچنے تک اسے یقین ہو گیا تھا کہ برٹش انٹیلی جنس یا تو اس کی نگرانی نہیں کر رہی یا پھر وہ لوگ اس کی توقعات سے بڑھ کر ہوشیار ہیں۔

دونوں میں سے جو بات بھی صحیح یا غلط ہو جوزف نے دونوں امکانات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ وقتی طور پر اس حوالے سے کسی بھی آمدہ حادثے کیلئے خود کو تیار رکھا تھا۔

اس کی لندن آمد کوئی نئی بات نہیں تھی۔ گزشتہ 5 سال میں وہ درجنوں مرتبہ لندن آ چکا تھا۔ اس میں اس کے ذاتی سے زیادہ "آفیشل ٹرپ" شامل تھے۔ آج بھی اس کی آمد اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

اسے دو روز پہلے لندن سے اپنے "دوست" کا فون ملا تھا جس میں "بیٹی کی شادی" پر اس

کی شرکت کی درخواست کی گئی تھی جو اس نے بڑی فراخدلی سے نہ صرف قبول کرلی بلکہ وہ بھاگا ہوا یہاں چلا آیا جبکہ امریکہ میں اس کے کئی کام ادھورے پڑے تھے۔

جوزف بوڈنسکی کی آمد بظاہر تو معمول کی کارروائی دکھائی دے رہی تھی لیکن اس کا ایک خاص پس منظر تھا۔

شیخ گیلانی کے خلاف ''موساد'' نے سازش کا جو جال بچھایا تھا اس میں انہیں ابھی تک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا جو ان کیلئے ناقابل برداشت تھا۔

''موساد'' نے شیخ گیلانی کے متعلق بعد از خرابی بسیار ایک رائے قائم کرلی تھی اور وہ اس کو بدلنے کیلئے تیار نہیں تھے کیونکہ پاکستان اور امریکہ میں موجود ان کے ایجنٹوں نے شیخ گیلانی سے متعلق کوئی بھی پازیٹو رپورٹ نہیں دی تھی۔

''موساد'' اسے صرف ایک ''صوفی'' ماننے کیلئے تیار نہیں تھی اور اب وہ بہت سنجیدگی سے اس بات کا جائزہ لے رہے تھے کہ شیخ گیلانی کے خلاف کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے جس کے بعد کم از کم اس کا امریکہ میں قیام ممکن نہ رہے۔

جوزف بوڈنسکی امریکہ میں خاصے سیاسی اثر رسوخ کا حامل تھا۔ وہ امریکی سینٹ کی طرف سے مسائل کے حوالے سے بننے والی مختلف کمیٹیوں کا ممبر اور ری پبلکن پارٹی کی دہشت گردی پر تحقیق کرنے والی ٹیم کا ایک اہم رکن بھی تھا۔

''موساد'' کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ اس کے اثر رسوخ سے فائدہ اٹھا کر اپنے حق میں فضا ہموار کر کے ضرور ''مثبت نتائج'' حاصل کر سکتے تھے اور اس ضمن میں ایک اہم منصوبہ لے کر کرنل کوہان لندن آچکا تھا جس نے اب جوزف بوڈنسکی سے ملاقات کر کے شیخ گیلانی کے خلاف ''حکمت عملی'' تیار کرنی تھی۔

دوپہر کے 12 بج رہے تھے جب سنٹرل لنڈن میں واقع اس سٹور میں ایک گاہک کی حیثیت سے جوزف بوڈنسکی داخل ہوا۔ قریباً پندرہ منٹ وہ سٹور کے مختلف فلورز پر اشیاء کا جائزہ لیتا رہا۔ بظاہر وہ شاپنگ کے شوقین کسی بھی گاہک کی طرح مختلف اشیاء کا جائزہ لینے کے بعد کوئی شے پسند آنے پر اپنے ساتھ موجود ''ٹرالی'' میں پھینک کر دوسرے حصے کی طرف چلا جاتا تھا۔

لیکن..... حقیقت میں اس کی جہاندیدہ آنکھیں اپنے دور نزدیک کے گاہکوں میں کسی مشتبہ چہرے کو تلاش کر رہی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ یہاں سٹور میں اس کی نگرانی کی جا رہی ہو۔ ابھی تک وہ

اس مفروضے پر قائم تھا لیکن، بظاہر اسے کوئی تعاقب کرنے والا یہاں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس وقت وہ تیسرے فلور کے ''گارمنٹس سیکشن'' کے جس حصے میں گھوم رہا تھا وہ سٹور کے دوسرے حصوں کے برعکس ذرا کم آباد تھا۔ یہاں روایتی قسم کے مردانہ کپڑے رکھے گئے تھے جن کے خریدار پرانے ڈیزائنوں کو پسند کرنے والے کچھ بوڑھے یا پھر بڑھاپے کی عمر کی طرف پیش رفت کرتے نوجوان ہی تھے۔

اب وہ جس حصے میں پہنچا تھا وہاں اس کے علاوہ اور کوئی بظاہر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس سیکشن کے اختتام پر سامنے جو ایک کمرہ دکھائی دے رہا تھا اس کے باہر بڑے بڑے الفاظ میں لکھا تھا ''صرف ملازمین کیلئے''!

جوزف بوڈنسکی نے ناقدانہ نظروں سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا اور اچانک اپنی ٹرالی دھکیلتا تیزی سے اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

ٹرالی کو push کرنے سے دروازہ کھلا اور جوزف کمرے میں داخل ہوگیا۔ جہاں ایک کونے میں کرنل کوہان اور اس کا ساتھی اطمینان سے کافی پیتے ہوئے ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے۔

اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر کرنل کوہان نے اس کے نام کا نعرہ لگایا اور اپنے دونوں بازو سامنے کی سمت پھیلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ اسی دوران وہاں موجود کرنل کوہان کا ساتھی ٹی وی کا سوئچ آف کرنے کے بعد ان دونوں کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''آرتھر.....''

دونوں کے الگ ہٹنے پر اس نے اپنا ہاتھ جوزف کی طرف بڑھایا جس نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے اپنا نام دہرایا تھا۔

''مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟''

کرسی سنبھالتے ہوئے جوزف نے کہا۔

''نو..... نو پرابلم''

کوہان نے مسکراہٹ اچھالی۔

''یہ برٹش بڑے چالاک لوگ ہیں۔ محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اس لیے کچھ دیر ہوگئی''

اس نے خود ہی دس منٹ دیر کی وضاحت پیش کردی۔

''نو پرابلم سر''

اس مرتبہ آرتھر نے جواب دیا۔

تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ تین گھنٹے تک ان کی میٹنگ چلتی رہی۔ اس دوران انہوں نے وہیں معمولی سا لنچ کیا اور ایک پلان پر متفق ہونے کے بعد ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔ سب سے پہلے اپنی شاپنگ ٹرالی گھسیٹتا جوزف بوڈنسکی ہی سٹور سے باہر آیا تھا۔

اسلام برگ نیویارک اسلام دل ساؤتھ کیرولینا، احمد آباد ایسٹ، ورجینیا، احمد آباد، ویسٹ، علی دل.....اور.....اور..... یہ سلسلہ پھیلتا جا رہا تھا۔ بالکل سورج کی روشنی کی طرح جو بلندیوں سے پھر میدانوں کا رخ کرتی ہے اور اپنے راستے میں آنے والے تمام اندھیروں کو روشن کرتی چلی جاتی ہے۔

رمضان المبارک کی اس شام جب اسلام دل کی خانقاہ پر شیخ گیلانی کے طالبین اپنے معمول کے مطابق اکٹھے روزہ افطار کر رہے تھے تو اچانک وہ سب چونک پڑے۔ خانقاہ کی دیواروں پر پہلے رنگ و نور کا ایک ہالا بنا چھایا پھر اچانک ''اللہ'' اور محمد ﷺ، کا روپ دھار لیا۔

سب لوگ حیرانگی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ان پر رقت طاری ہو رہی تھی اور سب اللہ کی کبریائی بیان کر رہے تھے۔ روزہ افطار کرنے کے بعد تک یہ نام وہاں چمکتے رہے۔ پوری بستی کو خبر ہو گئی اور تمام مسلمان وہاں جمع ہونے لگے۔

اگلے روز جب یہ خبر پھیلی تو ان کے ہمسایہ میں رہنے والی ایک کرسچن فیملی ''بیت النور'' اسلام دل میں آ گئی۔ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے سارا نظارہ دیکھنا چاہتے تھے۔ مقررہ وقت پر جب دیواروں پر نورانی حروف ظاہر ہوئے تو اس فیملی کے ساتھ آنے والا ایک اور نوجوان جو دراصل اس خانقاہ کو ''فراڈ'' ثابت کرنے کے مشن پر عقیدت مند بن کر آیا تھا اپنے کام میں جت گیا۔ اس نے فوراً دیوار پر چمکتے اسمائے ربانی کی تصاویر اتارنی شروع کیں۔ اس کے بعد اسمائے ربانی والی جگہ کو ایک خصوصی ڈٹیکٹر سے چیک کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنی دانست میں اسے کوئی الیکٹرونک شعبدہ کاری ثابت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا گیا جب اسے ایسے کوئی شواہد نہ ملے جن سے یہ ثابت کیا جا سکتا کہ یہ نام جعلی طریقے سے چمکائے جا رہے ہیں۔

ساری رات اس نے خانقاہ میں اسی چکر میں گزار دی۔ کچھ دیر بعد جب نام غائب ہو گئے تو اس نے دیواروں کا جائزہ لینا شروع کیا جہاں اسمائے ربانی کے نام والی جگہ جلی ہوئی تھی۔ یہ جگہ اسمائے ربانی کے جلال کی تاب نہ لا سکی اور ایسی ہو رہی تھی۔

اگلے روز اس نوجوان نے تصویروں کے پرنٹ نکلوائے تو ان میں یہ تصاویر موجود تھیں۔

جب فلم چلا کر دیکھی گئی تو بھی موجود تھے۔ اس صورتحال نے اسے گڑبڑا کر رکھ دیا اور اس نوجوان کی طرف سے یہ سارا واقعہ مقامی اخبارات میں تصاویر سمیت شائع ہو گیا۔

اس واقعہ کی اشاعت نے جیوش تنظیم ''یو ڈی ایف'' اور ''اے ڈی ایف'' کو پریشان کر دیا۔ دونوں تنظیموں سے جوزف بوڈنسکی کے گہرے روابط تھے اور یہ لوگ اس بات سے خوفزدہ ہو رہے تھے کہ ''بیت النور'' میں اللہ تعالیٰ کے جگمگاتے ناموں کی زیارت کرنے کیلئے صرف مسلمان ہی نہیں عیسائیوں نے بھی جانا شروع کر دیا تھا جو اس دیوار کے نزدیک بیٹھ کر اپنی عبادت میں مصروف ہو جاتے۔

اسلام دل کی خانقاہ بیت النور مرجع خلائق تھی۔

اور یہ بات جوزف بوڈنسکی اور اس کے ساتھیوں کیلئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے بالآخر ایک خطرناک منصوبہ ترتیب دیا تھا۔

یہ بات ان کے علم میں تھی کہ شیخ گیلانی کو مسلمانوں ہی کے کچھ طبقے پسند نہیں کرتے۔ اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو ان کی طرف سے شیخ کے خلاف اکثر الزامات لگائے جاتے اور اس کی تعلیمات کو خلاف اسلام قرار دیا جاتا لیکن شیخ گیلانی نے کبھی ان لوگوں کی کسی بات کا جواب دینا گوارہ نہ کیا۔

وہ اپنے پیروکاروں سے کہا کرتا تھا کہ جو کام اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے میں اس کی ذمہ داری کیوں اٹھاؤں۔ میں نے اپنے معاملات اللہ کو سونپ دیئے ہیں اور میرے برے بھلے کا ذمہ دار وہ ہے۔ اس نے مجھے اپنے دین کی ترویج کیلئے منتخب کیا۔ وہ مجھ سے کام لے رہا ہے اور وقت آنے پر وہی میرے یہاں رہنے اور نہ رہنے کا فیصلہ بھی کرے گا۔

اس کے بعض جذباتی عقیدت مند جب اس کے خلاف غلط الزامات پر غصے کا اظہار کرتے تو شیخ گیلانی ان سے یہی کہتا کہ تمہارے لیے صبر ہی بہترین راستہ ہے کیونکہ اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ان کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو ہر مسئلے پر صابر شاکر رہنے کی تلقین کرتا اور وہ اپنے شیخ کے فرمان کو اس کا حکم مان کر خاموشی اختیار کر لیتے۔

☆☆☆

نومبر کی اس طوفانی رات فلاڈلفیا کی جامع مسجد میں فاروقی المہمل نے اپنا معمول کا درس دیا۔ وہ بڑے دیندار اور جید عالم دین تھے جن کے وعظ سننے کیلئے امریکہ کے کونے کونے سے مسلمان یہاں اکٹھے ہوا کرتے تھے۔

فاروقی نے یہاں پہلی مرتبہ خطاب نہیں کیا تھا اس سے پہلے بھی وہ درجنوں مرتبہ یہاں آ چکے تھے اور اس علاقے میں ان کے سینکڑوں عقیدت مندان کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔ سوال و جواب کی نشست سے فارغ ہو کر جب انہوں نے گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالی تو رات کے دو بج رہے تھے۔

اگلے روز چونکہ اتوار تھا اس لیے کسی کو ٹائم گزرنے کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ مولانا فاروقی نے اپنی گاڑی نکالی اور معمول کے مطابق مسجد سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہیں اس بات کا احساس نہ ہو سکا کہ ان کی کار کے آگے اور پیچھے دو کاریں ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔

رات برفیلی اور اندھیرے ہونے کے سبب گاڑی کی ہیڈ لائٹس کچھ زیادہ کام نہیں کر رہی تھیں کیونکہ سڑک پر دور دور تک برف بچھی ہوئی تھی اور بہت محتاط ہو کر ڈرائیو کرنی پڑتی تھی۔ مولانا کی گاڑی کے آگے جانے والی کار میں دو سیاہ فام نوجوان سوار تھے۔ اگر عام حالات میں وہ رات کے اس پہر پولیس کے کسی گشتی پارٹی کے ہاتھ لگ جاتے تو انہیں اندیشہ نقص امن کے تحت ضرور پولیس سٹیشن لایا جاتا کیونکہ دونوں پال اور سیمسن علاقے کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔

ڈرگز فروخت کرنا اور خصوصاً سکول کالج کے بچوں کو اس کا عادی بنانا ان کا بزنس تھا۔ دونوں سال کے زیادہ ون جیل میں کاٹتے تھے۔ دونوں پر کچھ دنوں سے زبردست کڑکی آئی ہوئی تھی جس کی وجہ سے علاقے میں پولیس کی سختی اور بروقت مال کی سپلائی نہ ہونا تھی۔

پال چھ ماہ جیل کاٹنے کے بعد رہا ہو کر معمول کے مطابق سیدھا اپنے دوست سیمسن کے پاس آیا تھا۔ جہاں اسے امید تھی کہ اس کیلئے ''بزنس'' موجود ہو گا لیکن سیمسن کی زبانی یہ سن کر اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی کہ ان کا ''باس'' پندرہ روز پہلے ایک پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے اور اس کے باقی تمام ساتھی یا تو زمین دور چلے گئے ہیں یا یہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔

سیمسن نے اسے بتایا کہ وہ بھی بھلے دنوں کی جمع پونجی کے سہارے زندگی گھسیٹ رہا ہے لیکن یہی عالم رہا تو اگلے آٹھ دس روز کے بعد فاقوں کی نوبت آ جائے گی۔ پال پریشان تھا اس کی پریشانی دور کرنے اور رہائی کا جشن منانے کیلئے دونوں اس ''بار'' میں گئے تھے جہاں کا ''ڈسکو'' اس علاقے میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ آدھی رات تک دونوں شراب کے نشے میں دھت ڈسکو سے لطف اندوز ہوتے رہے اور جب ڈسکو والوں کی طرف سے ''بار'' بند ہونے کا اعلان ہوا تو انہوں نے باہر کا رخ کیا۔

☆☆☆

دونوں لڑکھڑاتے قدموں سے کار پارکنگ کی طرف جا رہے تھے جہاں سمسن کی کھٹارہ گاڑی کھڑی تھی۔

ابھی وہ گاڑی کے نزدیک ہی پہنچے تھے کہ پشت سے ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔

''پال.....سمسن''

ان کے کانوں سے نامانوس آواز ٹکرائی۔

دونوں چونک کر واپس مڑے۔ ان کے سامنے ایک قیمتی کار کے دروازے سے ٹیک لگائے ایک ناٹے قد کا گورا کھڑا تھا۔ جس کے دو ہٹے کٹے ساتھی اس کی حفاظت کیلئے کار کی دوسری طرف موجود تھے۔

پال اور سمسن کوئی شریف شہری نہیں تھے نہ ہی یہ سچوایشن ان کیلئے خلاف توقع تھی۔ ان کی دنیا میں ایسے واقعات روزانہ کا معمول تھا۔

''یس'' سمسن نے مڑ کر دیکھا۔

''بہت کڑکی چل رہی ہے آج کل''

ناٹے قد کے گورے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تم کون ہو؟''

پال نے مداخلت کی۔

''ابھی تک تو تمہارا دوست اور بہی خواہ بھی ہوں''

جواب ملا۔

''کیا چاہتے ہو؟''

سمسن نے پوچھا۔

مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے اپنے لہجے کی شوخی برقرار رکھی۔

''لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں''

پال نے جواب دیا۔

''پال تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو۔ تمہارا تو بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے۔ کیا ایک بڑی ل کے ذریعے تم اس قرض سے نجات نہیں چاہو گے؟''

اس نے پال کو براہ راست مخاطب کیا۔

''کام کی بات کرو۔ میرے پاس فضول باتیں سننے کیلئے وقت نہیں ہے''

پال نے بے نیازی کے انداز میں کہا۔

''شاباش! اس کا مطلب ہے تم بزنس چاہتے ہو''

ناٹے قد کا گورا مسکرایا۔

''اور کیا جھک مار رہے ہیں ہم''

اس مرتبہ سمسن نے غصے سے کہا۔

''اے! اپنے آپ پر قابو رکھو..... ورنہ یاد رکھنا بھون کے رکھ دوں گا''

اچانک ہی ناٹے قد والے کے پیچھے کھڑے لمبے تڑنگے نوجوان نے اس کی طرف گن سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ دونوں پیشہ ور کھلاڑی تھے انہوں نے اس بات کا اندازہ تو کر لیا کہ یہ عام قسم کے لفنگے نہیں بلکہ کسی ''مافیا'' کے لوگ ہیں۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ بزنس کی بات کرو''

پال نے سر جھٹک کر کہا۔

''آؤ ہمارے ساتھ''

ناٹے قد والے نے دوسری طرف کھڑی لیموزین کی طرف اشارہ کیا۔

دونوں نے مشتبہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن دونوں اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ یہ کمبخت ان سے جو بھی کام لینا چاہتے ہیں وہ لے کر ہی رہیں گے۔ شاید انہیں اس بات کا علم تھا کہ ان کا ''باس'' پولیس مقابلے میں مارا جا چکا ہے اور دونوں اب ''بے وارث'' ہونے کی وجہ سے کسی بھی مخالف گروپ کی گولیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆

دونوں چپ چاپ لیموزین کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دونوں گن بردار آخری سیٹ پر اور ناٹے قد والا سب سے آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کافی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ بالآخر سمسن نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

''ہم لوگ آخر کہاں جا رہے ہیں۔''

''چند منٹ اور صبر کر لو..... سب معلوم ہو جائے گا''

جواب ملا۔

قریباً مزید ایک گھنٹے کے انتہائی اعصاب شکن سفر کے بعد اس سفر کا اختتام ہائی وے

کنارے بنے ایک ہوٹل پر ہوا۔ شاید یہ ان کا کوئی اڈہ تھا۔

رات دوپہر بیت چکی تھی اور دور دور تک اکا دکا گاڑیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ سب ہوٹل کے ایک تہہ خانے میں جسے بڑی نفاست سے سجایا گیا تھا پہنچ گئے۔ جہاں ان کی تواضع دوبارہ مہنگی شراب سے کی گئی۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک زبردست آفر ہے..... ایک لاکھ ڈالر کی آفر" ناٹے قد والے نے اچانک ہی اپنا جام میز کے کونے پر رکھ کر انہیں مخاطب کیا۔

"ہاں ایک لاکھ..... پورے ایک لاکھ۔ آدھے اب اور آدھے کام مکمل ہونے پر۔"

اس نے ایک کونے میں دھرا بریف کیس کھول کر دونوں کو نوٹوں کی جھلک دکھائی تو دونوں کی رال ٹپکنے لگی۔

"بزنس بتاؤ بزنس..... ایک لاکھ کیلئے تو ہم جہنم میں چھلانگ لگا سکتے ہیں"

پال نے قدرے جوش سے کہا۔

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

☆☆☆

تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد ناٹے قد والے نے ایک تصویر نکال کر انہیں دکھائی۔ یہ کسی مسلمان عالم دین کی تصویر تھی۔

"کون ہے یہ؟"

پال نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ایک مسلمان مولوی ہے"

نفرت بھرا جواب ملا۔

پال اگلی بات سمجھ تو گیا تھا لیکن وہ اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

"ہمیں کیا کرنا ہے؟"

سیمسن نے پوچھا۔

"ظاہر ہے اسے قتل کرنا ہے"

سفاک لہجے میں جواب دیا گیا۔

"لیکن....."

"لیکن ویکن کو چھوڑو۔ تم دونوں جانتے ہو سام کو تمہاری کتنی شدت سے تلاش ہے۔ ہم

چاہیں تو اسے فون کر کے یہاں بلا لیں اور تم دونوں کو بطور تحفہ اسے پیش کر کے اپنا کام مفت میں کروا لیں گے..... میری بات سمجھ گئے ناں۔"

اس نے پال کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو دونوں کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ واقعی ان کے "باس" کی موت کے بعد سام ڈرگ بزنس کا بے تاج بادشاہ تھا اور دونوں ماضی میں اسے دھوکہ دے کر بھاگے تھے۔ وہ ان دونوں کو حاصل کرنے کی کوئی بھی قیمت ان لوگوں کو دینے کیلئے تیار ہوتا۔

"برے پھنسے....."

پال زیر لب بڑبڑایا۔

"لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم کام مکمل ہونے پر ہماری بھی چھٹی نہیں کروا دو گے۔"

اسے اپنی طرف متوجہ پا کر سیمسن نے پوچھ لیا۔

اس سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے گھور کر غصے سے دونوں کی طرف اس طرح دیکھا جیسے انہیں اگلا سوال کرنے پر کچا ہی چبا جائے گا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... ہم تیار ہیں"

دونوں نے بیک زبان کہا۔

☆☆☆

انہیں 50 ہزار ڈالر ایڈوانس ملے تھے جو ان کیلئے فی الوقت 50 ملین ڈالر سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔

اگلے روز دونوں کو ایک جگہ طلب کرنے کے بعد اسے ناٹے قد والے نے انہیں فاروقی کی ایک فلم چلا کر دکھائی جس میں وہ مسجد میں خطاب کر رہا تھا۔ دوسری فلم اس کے مسجد سے گھر تک کار میں سفر کر کے آنے اور واپس جانے کی تھی۔ ان لوگوں نے جس طرح اپنا "ہوم ورک" کیا ہوا تھا اس سے تو انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے یہ کسی "مافیا" نہیں بلکہ انٹیلی جنس ایجنسی کے لوگ ہوں گے۔

دونوں کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر اس نے بار بار اس راستے کا چکر لگوایا جہاں سے مولانا فاروقی کے آنے اور جانے کے امکانات تھے۔ اس کے بعد انہیں تمام پلاننگ سے آگاہ کیا۔ اس نے دونوں کو اچھی طرح باور کروا دیا تھا کہ وہ اسے دھوکہ نہیں دیں گے اور نہ ہی اپنا کام مکمل کرنے سے پہلے یہاں سے نکل سکتے ہیں، انہیں اب یہ مشن مکمل کرنا ہی تھا۔

بالآخر تین روز بعد وہ دن آ گیا۔

دونوں کو کار میں بیٹھا کر انہیں ایک "واکی ٹاکی" دے دیا گیا جس کے ذریعے وہ لوگ ان سے بات کر سکتے تھے، انہیں ہدایت دے سکتے تھے۔ انہیں 50 میل کی سپیڈ سے مولانا فاروقی کی گاڑی کے آگے گاڑی چلانے کا حکم ملا تھا جبکہ ان کے پچھلی والی گاڑی میں وہ شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ خود موجود تھا۔

پہلے سے طے شدہ پلاننگ کے مطابق جب فاروقی اس موڑ پر پہنچا جہاں سے اسے اپنے گھر کے سامنے جانے والی سڑک پر گھومنا تھا وہاں "واکی ٹاکی" پر ہدایات ملنے کے بعد دونوں کار کا بونٹ اٹھائے اس کے منتظر تھے۔

فاروقی کی گاڑی کو دیکھ کر انہوں نے "طے شدہ منصوبے" کے مطابق انہیں ہاتھ سے مدد کیلئے رکنے کا اشارہ کیا۔

خدا ترس فاروقی نے اس اندھیری اور ہڈیوں کا گودا منجمد کر دینے والی سرد رات میں انہیں بے یار و مددگار دیکھ کر کار روکی تھی کہ شاید ان کے کسی کام آ سکے۔ اس نے کار دونوں کے نزدیک روکی اور کھڑکی کا شیشہ کھول کر ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا۔

اچانک ہی دونوں نے اپنے پاس موجود پستولوں سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور پل جھپکتے میں درجنوں گولیاں ان کے جسم سے پار کر دیں۔

مولانا فاروقی وہیں شہید ہو گئے۔

دونوں تیز رفتاری سے وہاں سے نکل گئے جبکہ پیچھے آنے والی کار پہلے ہی دوسرا راستے پر گھوم گئی تھی۔

☆☆☆

دونوں ہدایات اور طے شدہ منصوبے کے مطابق وہاں سے قریباً 70 میل دور اس مضافاتی علاقے میں پہنچ گئے تھے جو پہلے سے مخصوص کر دیا گیا تھا اور اب گاڑی میں بیٹھے اس شخص کے منتظر تھے جس نے انہیں باقی رقم دینی تھی۔ یہ رقم لے کر انہوں نے ہمیشہ کیلئے اس شہر کو خیرباد کہہ جانا تھا۔ دونوں کیلئے پہلے سے نزدیکی ایئرپورٹ لاس اینجلس جانے والی فلائٹ کے ٹکٹ بک تھے۔ یہاں سے ایئرپورٹ پون گھنٹے کی دوری پر موجود تھا جبکہ قریباً سوا گھنٹہ بعد انہیں پرواز کر کے لاس اینجلس پہنچنا تھا۔

دونوں کیلئے اس طرح کسی کو قتل کرنے کا یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ اپنی مجرمانہ زندگی میں

انہوں نے ایک دوسرے گروہ کے خلاف ایسے کئی قاتلانہ حملوں میں حصہ لیا تھا اور دونوں کو کبھی اس بات کا اندازہ نہیں ہوا تھا کہ ان کی چلائی گئی گولیوں سے کتنے لوگ مرے تھے۔

لیکن..... آج نجانے کیوں دونوں ہی کچھ گھبراہٹ کا شکار دکھائی دے رہے تھے۔

"میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔ ابھی تک یہ لوگ کیوں نہیں پہنچے"

پال نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

"حوصلہ رکھو یار..... آ جائیں گے"

سیمسن نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر بظاہر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"لیکن..... انہیں دیر نہیں ہو گئی کیا؟"

پال نے اگلا سوال کر دیا۔

"اوہو! دیکھ نہیں رہے۔ موسم کتنا خراب ہو رہا ہے۔ کار سے باہر منہ نہیں نکالا جا سکتا اور تمہیں..... آ جائیں گے۔ راستے میں ہوں گے۔"

سیمسن نے چڑ کر کہا۔

"یار مجھے تو دال میں کالا لگتا ہے"

پال نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے..... بھلا کبھی ایسے بھی ہوا ہے ہمارے بزنس میں"

سیمسن نے جواب دیا۔

پال خاموش رہا۔

لیکن..... دو تین منٹ بعد پھر اس نے سیمسن کی طرف دیکھا۔

"یار میری بات مانو اور یہاں سے نکل چلو....."

اس نے کہا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم..... 50 ہزار ڈالر کا معاملہ ہے..... اور تم جانتے ہو نئے شہر میں پاؤں جمانے کیلئے کتنوں پیسوں کی ضرورت ہو گی..... کبھی گئے ہو ایل اے (لاس اینجلس)۔

سیمسن نے اسے قریباً ڈانٹ دیا۔

لیکن..... تین چار منٹ بعد سیمسن پر بھی یہی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"اب تو مجھے بھی شک ہونے لگا ہے..... ہمیں یہاں پندرہ منٹ ہو گئے۔ پولیس کی کوئی پٹرول اس طرف آ گئی تو مصیبت بن جائے گی....."

اس نے کہا۔

''چلو..... نکلو یہاں سے''

پال نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

سمیسن نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور کار کو ڈرائیو پوزیشن دے کر آگے بڑھایا۔

ابھی بمشکل انہوں نے 50 گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا۔

کار میں پہلے سے نصب ریموٹ کنٹرول بم پھٹ گیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے اسے نزدیک سے ''کمانڈ'' دی ہو۔ دھماکہ اتنا زوردار تھا کہ کار کئی فٹ فضا میں اچھلی اور زمین پر گری تو کار سمیت سواروں کے پرخچے اڑ چکے تھے۔

ان کی لاشوں سے ان کی شناخت ناممکن ہوگئی تھی اور کار کے پرزے جوڑنے کے بعد پولیس سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہ کرسکتی تھی کہ یہ چوری کی کار تھی جس کی رپورٹ چند گھنٹے پہلے ہی فلاڈلفیا کے نزدیکی شہر ''ڈیلاویئر'' میں درج کروائی گئی تھی۔ جس سے ایک بات تو فوراً سامنے آجاتی کہ کار سوار فلاڈلفیا کے بجائے ''ڈیلاویئر'' سے آرہے تھے اور ان کا رخ ''لونگ وڈ گارڈن'' کی طرف تھا۔

پولیس کی تفتیش کو الجھانے اور گمراہ کرنے کے لئے اس کے علاوہ بھی کئی جعلی شہادتوں کا اہتمام پہلے سے موجود تھا۔

☆☆☆

فلاڈلفیا کے علاقے اور یگن کے نزدیک موجود اس مسجد کو شیخ گیلانی کے پیروکاروں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

اتوار کی صبح کی وجہ سے فجر کے بعد یہاں ''ذکر'' ہو رہا تھا جس کا سلسلہ سورج طلوع ہونے کے بعد تک جاری رہا۔ درود سلام سے فراغت کے بعد سب نے حسب معمول ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور آپس میں بیٹھ کر ''لنگر'' کھانے کے بعد اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف روانہ ہونے لگے۔

خلیفہ حسین معمول کے مطابق پارکنگ کی طرف جا رہا تھا جب اچانک دس بارہ سفید پوشوں نے اسے اس طرح جکڑا جیسے وہ کوئی بہت بڑا دہشت گرد اور انہیں ایک عرصے سے کئی خطرناک کارروائیوں میں مطلوب رہا ہو۔

''کیا بات ہے؟ کیوں گرفتار کر رہے ہو مجھے؟''

اس نے چیخ کر پوچھا۔

لیکن..... اس کے دونوں ہاتھ سختی سے مروڑ کر کمر کے پیچھے ہتھکڑی میں باندھنے کے بعد سفید پوشوں کے اعلیٰ افسر نے کہا۔

''تمہیں فاروقی کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جا رہا ہے۔ تمہارے منہ سے کہا گیا کوئی بھی لفظ تمہارے خلاف عدالتی کارروائی کا حصہ بن سکتا ہے۔''

افسر معمول کی قانون زبان بول رہا تھا اور خلیفہ حسن پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہفتہ کی رات فاروقی کا وعظ ضرور سنا تھا اور یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے اس سے پہلے فاروقی سے تین چار ملاقاتیں بھی کی تھیں۔ وہ ان کا بے حد احترام کرتا تھا کیونکہ فاروقی کے وہی نظریات تھے جن کا پرچار شیخ گیلانی کیا کرتا تھا۔

دو سفید پوشوں نے اسے کار کے کھلے دروازے میں پچھلی سیٹ پر دھکیلا اور کار برق رفتاری سے ہوٹر بجاتی اپنی منزل کی طرف بھاگنے لگی۔ مسجد سے آٹھ دس مسلمان جو کسی ناگہانی صورتحال کے تحت یہاں پہنچے تھے ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ پولیس خلیفہ حسین کو کس جرم میں پکڑ لے گئی ہے؟

کسی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔

❁

نیوجرسی کا یہ مضافاتی علاقہ عام امریکیوں کی دسترس سے باہر تھا۔ یہاں کا کوئی بھی مکین ایسا نہیں تھا جو حکومت کو سالانہ کئی ملین ڈالر ٹیکس ادا نہ کرتا ہو۔ اس علاقے میں رہنے والوں کی امارت کے قصے اکثر پریس کے ذریعے منظر عام پر آتے رہتے تھے۔ ہفتہ کی شام اس علاقے میں ہمیشہ اپنی تمام رنگینوں کے ساتھ اترتی تھی۔ قریبا ہر دوسرے گھر میں ''پارٹی'' کا اہتمام کیا جاتا جہاں وی آئی پی شرکت کرتے تھے۔ ان کی وی آئی پی میں ہر طبقہ زندگی کے امیر ترین اور اہم ترین لوگ شامل تھے۔ ایسے لوگ جو رموز مملکت میں برابر کے حصہ دار ہوں۔

آج بھی کانگریس کی سینٹ کمیٹی کے وائس چیئرمین کے ہاں ''پارٹی'' چل رہی تھی جہاں شہر کی چیدہ شخصیات جمع تھیں۔ ان میں جوزف بوڈنسکی بھی شامل تھا جو بنگلے کے بڑے لان کے ایک کونے میں پندرہ بیس لوگوں کے ایک گروپ کے ساتھ جام شراب سے دل بہلاتے ہوئے انہیں اپنے افغانستان کے تجربات سنا رہا تھا۔ اچانک ہی اس کی نظر لان کی طرف سے آنے والے راستے سے پھسلتی اپنے بائیں طرف ایک حرافہ سے خوش گپیوں میں مصروف ٹیڈ مارکر پر پڑی۔

''معاف کیجئے''

اس نے اپنے ہمہ تن گوش سامعین سے معذرت کی اور اس طرف بڑھا۔ ناٹے قد والے ٹیڈ مارکر نے جو اگلے ہی روز پال اور سیمسن کے ذریعے ایک بڑا کارنامہ انجام دے چکا تھا اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنی بغل میں کھڑی حرافہ سے ایکسکیوز (excuse) کرتے ہوئے ہاتھ میں جام پکڑے اس کی طرف بڑھا۔

دونوں بے تکلفی سے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے تھے۔ دونوں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے جام ٹکرائے اور ٹیڈ مارکر کے کارنامے پر ایک دوسرے کو داد دے کر اپنے حلق میں انڈیل لیے۔

''ویل ڈن ٹیڈ...... شاندار...... زبردست...... کمال کر دیا تم نے تو''

خوشی سے بے قابو ہوتے جوزف بوڈنسکی نے کہا۔

''اصل میں تو یہ آپ ہی کا کارنامہ ہے''

ٹیڈ نے جو عام حالت میں شاید اپنے مخاطب کی پوری بات سننے کی زحمت بھی گوارا نہ کرتا

ہوگا جوزف سے کہا۔

''مان گئے تمہیں ٹیڈ...... مان گئے''

جوزف بوڈنسکی نے بڑے توصیفی لہجے میں کہا۔

''یہ تو معمولی بات تھی باس...... آپ کہیں تو ان کے ''گورو گھنٹال'' کو بھی......''

اس نے اپنی بات نامکمل چھوڑ کر گلے پر ہاتھ سے چھری پھیرنے کا تاثر دیتے ہوئے کہا۔

جوزف بوڈنسکی قہقہہ لگا کر ہنسا پھر یکدم سنجیدہ ہوگیا۔

''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں۔ یہ کار خیر ہم امریکیوں سے انجام دلائیں گے......''

اس نے بڑے سرد لہجے میں کہا۔

''جیسے آپ کی مرضی باس! میں تو کہتا تھا لگے ہاتھوں یہ کام بھی نمٹاتا جاؤں''

ٹیڈ نے دوبارہ چاپلوسی اختیار کی۔

''بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے سے زیادہ بہتر ہے انہیں دھواں دے کر اڑا دیا جائے۔ ہمیں تو درخت خالی کروانا ہے میرے دوست...... پھر ہم انہیں کوئی نیا ''شہید'' کیوں دیں۔ تم ان لوگوں کی نفسیات ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔ انہیں تو انسپائریشن (inspiration) کے لئے کچھ ملنا چاہئے۔ قیامت کھڑی کر دیں گے...... اور اس مرحلے پر ہم امریکیوں کو اپنے پیچھے لگانے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے......''

جوزف بوڈنسکی نے آخری فقرہ اس کی طرف جھکتے ہوئے قدرے آہستگی سے ادا کیا تھا۔

''ٹھیک ہے...... تمہارا اپنا انداز ہے کام کرنے کا۔ میرا تو طریقہ یہی ہے کہ مسئلہ جڑ سے ہی ختم کر دو۔ درخت کی ٹہنیاں کاٹنے سے درخت گرا نہیں کرتے مسٹر جوزف......''

ٹیڈ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''ہاں اپنا اپنا طریقہ ہے......''

جوزف نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''اب کیا حکم ہے ہمارے لئے......''

ٹیڈ نے اگلا سوال کیا۔

''فی الوقت تو یہاں سے کہیں دور نکل جاؤ۔ ایک ماہ کے لئے کم از کم......''

جوزف نے بظاہر مسکراتے ہوئے لیکن بڑے سرد لہجے میں کہا۔

کوئی اور ٹیڈ مارکر سے یہ بات کہتا تو وہ گھونسہ مار کر اس کا جبڑا توڑ دیتا لیکن یہاں سوائے

ایک زبردستی کی مسکراہٹ کے اور کوئی ردعمل اس کی طرف سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔ شاید وہ اس سے پہلے جوزف بوڈنسکی کو آزما چکا تھا۔

''او کے Enjoy yourself'' (مزے کرو)

کہتے ہوئے جوزف جس طرف سے آیا تھا اسی طرف واپس لوٹ گیا۔ ٹیڈ نے بھی یہی عمل دہرایا تھا۔

جوزف بوڈنسکی کو امید تھی کہ اس کے ایجنٹوں نے دس روز کی محنت شاقہ کے بعد جو منصوبہ تیار کیا تھا اور جس طرح اس کی شاندار ٹائمنگ کی تھی اس کے بعد توقع کے مطابق نتائج حاصل نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس نے شیخ گیلانی کو ''موساد'' سے زیادہ اپنا ذاتی مسئلہ بنا لیا تھا۔ وہ ایک متعصب یہودی تھا جس کیلئے امریکہ میں شیخ گیلانی جیسے لوگوں کا وجود ناقابل برداشت تھا۔ بمشکل دو سال میں اس کے پیروکاروں کی تعداد سینکڑوں سے ہزاروں اور اب لاکھوں میں چلی گئی تھی جن میں نومسلموں کی تعداد ان کی توقعات سے زیادہ تھی۔ جس تیزی سے وہ ''صوفی ازم'' کو پھیلا رہا تھا اس کے اثرات سے امریکہ کا بچ جانا بظاہر ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔

شیخ گیلانی کے خلاف اس کی متعدد چالیں اب تک ناکام ہو چکی تھیں اور اب وہ کوئی ایسی چال نہیں چلنا چاہتا تھا جو ناکام ہو۔ اس نے اپنی دانست میں اس مرتبہ شیخ پر براہ راست ہاتھ ڈالنے کے بجائے اسے گھیر کر پھنسانے کی پلاننگ کی تھی اور اس کا پہلا مرحلہ کامیابی سے طے پا گیا تھا۔

☆☆☆

خلیفہ حسین کے سامنے تین مستعد افسر بیٹھے تھے جو اس سے مسلسل سوالات کر کے اسے دراصل گڑبڑانے کی کوشش کر رہے تھے اور انہیں امید تھی کہ اس طرح شاید خلیفہ حسین کے منہ سے وہ سچ نکل آئے گا جو وہ اگلوانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''تم اگر چاہو تو اپنے وکیل کی مدد حاصل کر سکتے ہو''

انہوں نے اپنی دانست میں اسے بڑی فراخدلانہ پیشکش کی تھی۔

''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تم لوگ یقیناً کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہو یا پھر ماضی کی طرح ہمارے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہے لیکن ہمارا ایمان ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہ ہوتے اور ماضی کی طرح یہ سازش بھی ناکام ہو جائے گی۔''

اس نے بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا کیونکہ اسے اب کچھ کچھ معاملات کی سمجھ آنے لگی تھی۔

انہیں علی الصبح مسجد میں فاروقی صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی تھی جو اس کیلئے کسی ذہنی دھچکے سے کم نہیں تھی کیونکہ فاروقی جیسا روشن ضمیر اور انتہائی مہربان عالم دین اس نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بڑی فراخدلی سے ان کی باتیں سنتا اور اس کے شیخ علی گیلانی کا دل سے احترام کرتا تھا۔ اس نے گزشتہ دنوں خلیفہ حسین سے بطور خاص یہ کہا تھا کہ وہ پہلی فرصت میں اس کی اپنے شیخ سے ملاقات کرائے اور جب بھی وہ فلاڈلفیا میں کسی ''خلوت'' کا اہتمام کریں تو اسے ضرور شمولیت کا موقع دیا جائے۔

اگلے ہفتے شیخ گیلانی نے چونکہ نیو جرسی آنا تھا اور نیو جرسی آمد کے موقع پر وہ اکثر نیویارک اور فلاڈلفیا بھی جایا کرتے تھے اس لیے اسے امید تھی کہ ضرور شیخ سے اس کی ملاقات ہو جائے گی جس کے بعد وہ شیخ کا ''طالب'' بن جائے گا کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ ایک مرتبہ شیخ گیلانی کی خلوت میں آنے والا ان سے الگ ہونے کا تصور بھی کرے۔ وہ دل میں اس کامیابی پر خوش تھا اور اپنے ساتھیوں کو بڑے فخر سے فاروقی کی تعریف کرتے ہوئے یہ واقعات سنایا کرتا تھا کہ اچانک یہ پتا ان پر آن پڑی۔ اسے فاروقی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

☆☆☆

''ماسٹر حسین نے اس ماہ کی تین گیارہ سولہ اور اٹھارہ تاریخ کو فاروقی سے اس کے گھر پر ملاقاتیں کی ہیں''

پولیس آفیسر نے اس سے پوچھا۔

''تاریخوں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ کوئی طے شدہ پروگرام کے مطابق نہیں ہوئیں البتہ میں نے پچھلے ماہ میں نہیں گزشتہ تین چار ماہ میں مرحوم سے درجنوں ملاقاتیں کی ہیں''

اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔

''کیوں؟''

دوسرے پولیس آفیسر نے اپنی دانست میں بڑا اہم سوال کیا تھا۔

''وہ عالم دین تھے اور بطور مسلمان میں ان سے اکتساب کرنا چاہتا تھا''

جواب ملا۔

''لیکن تم لوگ تو اپنے شیخ کے علاوہ اور کسی کو نہیں مانتے''

پولیس آفیسر نے اگلا حملہ کیا۔

''اس سے بڑا اور بے ہودہ الزام ہمارے شیخ پر اور کوئی نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ کسی نے

فرقے کے بانی نہیں بلکہ بزرگان دین کا تسلسل ہیں۔ وہ ہمارے امام اور مرشد ہیں لیکن انہوں نے ہمیں یہ کبھی نہیں کہا کہ ہم اپنے علاوہ اور کسی کو مسلمان بھی نہ سمجھیں۔ ان کے نزدیک وہ تمام لوگ جو اللہ کے دین مبین کیلئے کام کر رہے ہیں باعث احترام ہیں اور فاروقی صاحب ان میں سے ایک تھے"

خلیفہ حسین نے کہا۔

"کیا تم یہ نہیں چاہتے تھے کہ فاروقی تمہاری جماعت میں شامل ہو جائے؟"

پولیس آفیسر نے پھر اسے پھانسنے کا چارہ کیا۔

"ہم سب کو اپنی جماعت میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں لیکن ہماری جماعت کوئی نیا فرقہ یا مذہب نہیں بلکہ آپس میں مل جل کر اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا ایک طریقہ ہے"

اس نے جواب دیا۔

"کچھ بھی ہو بہر حال تم یہ چاہتے تھے کہ وہ تمہاری جماعت میں شامل ہو جائے جبکہ فاروقی کو یہ بات پسند نہیں تھی کیونکہ وہ تمہارے شیخ کو پسند نہیں کرتا تھا"

اگلا حملہ ہوا۔

"لاحول ولا قوۃ..... آپ کیسی غلط باتیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے میرے سامنے کبھی ایسی بات نہیں کی کیونکہ وہ تو ہمیشہ شیخ کی تعریف کرتے تھے اور ان کی "خلوت" میں شامل ہونا چاہتے تھے....."

خلیفہ حسین نے کہا۔

"ہمارے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ فاروقی تمہارے شیخ کو پسند نہیں کرتا تھا"

پولیس افسر نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے ماضی میں کبھی انہوں نے ایسی کوئی بات کی ہو لیکن میرے سامنے کبھی ایسا نہیں کہا"

خلیفہ حسین اپنی بات پر قائم رہا۔

"خلیفہ حسین تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم یہ چاہتے تھے کہ فاروقی تمہاری "جماعت نقرا" میں شامل ہو جائے۔ تم نے اس کیلئے بہت زور لگایا اور جب تم نے دیکھا کہ وہ تمہاری بات نہیں مان رہا تو اسے قتل کر دیا۔"

اچانک ہی دوسرے پولیس آفیسر نے اس کی پشت سے اس پر اعصابی حملہ کیا۔

"تم اس کے وعظ میں شامل تھے۔ تم نے گیارہ بجکر دس منٹ پر پارکنگ سے گاڑی نکالی

جبکہ گیارہ بجکر بائیس منٹ پر فاروقی پارکنگ سے نکلا۔ تم پہلے ہی سے اس راستے سے آگاہ تھے جہاں سے گزر کر اس نے گھر تک پہنچنا تھا۔ تم نے وہاں محفوظ ناکہ لگایا اور اسے مدد کیلئے رکنے کے بہانے قتل کر کے فرار ہو گئے"

ان کے تیسرے ساتھی نے اس کے دائیں پہلو سے اعصابی حملہ کیا۔

"جھوٹ، غلط، بے بنیاد، تم لوگ مفروضے قائم کر کے مجھ پر الزامات لگا رہے ہو حالانکہ یہ سب الزامات سوائے جھوٹ کے پلندے کے اور کچھ نہیں....."

اسے غصہ آنے لگا تھا۔

"کیا تم اس بات سے انکار کرو گے کہ کل رات تم نے اس کی مجلس میں شرکت نہیں کی"

پولیس افسر نے بات گھما کر اسے پھانسنا چاہا۔

"بالکل نہیں..... میں نے ان کا وعظ سنا"

خلفہ حسین نے کہا۔

"کیا یہ سچ نہیں کہ تم نے گیارہ بجکر دس منٹ پر پارکنگ سے گاڑی نکالی کیونکہ وہاں paid پارکنگ ہے اور تم اس سے انکار نہیں کر سکتے....."

دوسرا سوال ہوا۔

"یہ بھی سچ ہے لیکن اس کے بعد سب کچھ جھوٹ ہے"

خلیفہ حسین نے بڑے تیقن سے کہا۔

اچھا اس کے بعد سے صبح تک کے معمولات کیا رہے؟"

سوال کیا گیا۔

"میں پارکنگ سے سیدھا فلاڈلفیا کی مسجد میں آ گیا۔ کیونکہ عشاء کے بعد "ذکر" کی خصوصی مجلس تھی۔ یہاں میں نے "ذکر" میں شمولیت کی۔ صبح کی نماز پڑھی اور لنگر کھا کر اب گھر آرام کرنے جا رہا تھا کہ تم نے مجھے گرفتار کر لیا"

خلیفہ حسین نے بتایا۔

"تمہارے پاس ان مصروفیات کا کیا ثبوت ہے؟"

اس کی پشت سے پوچھا گیا۔

یہ ثبوت میں تمہارے بجائے عدالت کے سامنے پیش کروں گا۔ میں قانون کی رو سے تمہیں بتانے کا پابند نہیں" اچانک ہی خلیفہ حسین نے پینترہ بدل لیا۔

''ٹھیک ہے تم شاید اس طرح نہیں مانو گے۔تم سے باقاعدہ تفتیش کرنی پڑے گی''
پولیس آفیسر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔
''اب تک کیا تم لوگ میرے ساتھ مذاق کر رہے تھے''
خلیفہ حسین نے قدرے تلخی سے کہا۔
''جلد پتہ لگ جائے گا تمہیں۔ یاد رکھنا اس مرتبہ ہم تمہاری کوئی چال کامیاب نہیں ہونے دینگے اور تمہیں اپنے انجام تک پہنچا کر ہی دم لیں گے''
دائیں ہاتھ والا کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہا تھا۔
''ہاں! ہاں! لگا دینا مجھے پھانسی..... اگر میں نے قتل کیا ہے تو ضرور لگا دینا'' خلیفہ حسین نے چڑ کر کہا۔

تینوں اسے اکیلا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔اس کی خواہش پر وہاں کافی مہیا کردی گئی۔ تینوں دوسرے کمرے میں اٹارنی جنرل سے مشورہ کرتے رہے۔ انہیں جو ''ثبوت'' پہنچائے گئے تھے وہ بھی عدالت ہی میں پیش کرنا چاہتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہی انہوں نے خلیفہ حسین کو عدالت کے سامنے ریمانڈ کیلئے پیش کردیا لیکن عدالت میں خلیفہ حسین کا وکیل اور ساتھی پہلے سے موجود تھے۔خاتون جج نے اس کے وکیل کے دلائل سننے کے بعد پولیس کو ریمانڈ دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ خلیفہ حسین کے خلاف ٹھوس ثبوت کی بنیاد پر ہی ریمانڈ دے سکتی ہے۔اس نے خلیفہ حسین کو ضمانت پر رہا کرتے ہوئے اسے شہر میں رہنے کا پابند کیا اور کہا کہ وہ پولیس سے تفتیش میں ہر ممکن تعاون کرے۔

☆☆☆

اگلے روز کے اخبارات خصوصاً لوکل اخبارات کی خبروں نے ان سب کو پریشان کردیا جن میں خلیفہ حسین کی گرفتاری اور فاروقی کے قتل کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا اور اسے ایک اہم واقعہ کی طرح بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے علاوہ شیخ گیلانی کے طالبین کیلئے ''جماعت القرأ'' کا فرضی نام دے کر ان کے عقائد اور خصوصاً الگ تھلگ بستیاں آباد کر کے اسلامی طریق حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کو ایسے انداز میں بیان کیا گیا تھا جیسے یہ کوئی بہت انہونی بات ہو اور بین السطور میں ان لوگوں کو امریکی سلامتی کیلئے خطرہ قرار دیا جا رہا تھا۔

مرے پر سو درے کہ ایک بڑے اخبار نے بھی اس خبر کو خاصا نمایاں کر کے شائع کیا تھا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ یہ جماعت مستقبل میں امریکہ کیلئے خطرات پیدا کرسکتی ہے۔

شیخ گیلانی کے پیروکاروں میں ایسی خبروں سے متعلق غم و غصہ تو پیدا ہوتا تھا لیکن وہ انہیں صبر کی تلقین کرتا اور انہیں بتاتا کہ انہیں ایسی کئی آزمائشوں سے ابھی اور گزرنا ہے کیونکہ آزمائش اللہ کی سنت ہے جس سے ہمیں پناہ مانگنی چاہیے۔لیکن جب یہ گھڑی آجائے تو صبر و رضا کا پیکر بن کر اللہ سے استعانت طلب کرنا ہی ہمارا مقصد اور مشن ہونا چاہیے۔

اس نے ہزاروں افریقن امریکی مسلمانوں کو جن کی زندگیاں ویلفیئر پر چل رہی تھیں، انسانوں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور حکومتی امداد پر پلنے کے بجائے محنت سے کمانے اور انہیں اپنی حلال کمائی کے ذریعے اپنے دوسرے مسلمان ساتھیوں کی مدد کرنے کا سبق دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں وہ مسلمان جنہوں نے دو تین نسلوں سے صرف خیرات زندگی بسر کرنا اپنا شعار بنا رکھا تھا کام کاج میں جت گئے۔انہوں نے مزدوریاں تلاش کیں اور نوکریاں کر کے اپنا پیٹ پالنے لگے۔

شیخ گیلانی نے فوری طور پر تمام ایسے مسلمانوں پر پابندی عائد کردی کہ وہ بھلے بھوکے رہیں لیکن اب خیرات کی زندگی نہ گزاریں۔اس کے طالبین نے یہ محاذ بھی خود سنبھالا انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور ''مشترکہ دسترخوان'' کو رواج دیا۔جلد ہی وہ دن آگئے جب اس کے لاکھوں پیروکاروں میں سے ایک بھی ایسا نہ رہا جو حکومتی خیرات پر زندگی بسر کر رہا ہو۔

خود کمانے اور محنت کرنے سے ان میں اعتماد پیدا ہوا اور ان کی زندگیوں میں انقلابی تبدیلیاں آنے لگیں۔

اس صورت حال کو موساد کے ایجنٹ لحہ بہ لحہ مانیٹر کر رہے تھے۔انہوں نے بھی کوئی موقع ضائع نہ جانے دیا۔جب انہیں موقع ملا، ان مسلمانوں کے خلاف پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں طوفان کھڑا کردیتے لیکن اب امریکن حکومت کو اس بات کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ انہیں ورغلایا جا رہا ہے اور جان بوجھ کر ایک منصوبے کے تحت ان کی توجہ دوسری طرف مبذول کی جا رہی ہے۔

☆☆☆

شیخ گیلانی کے مرید اس سے تربیت حاصل کرنے کے بعد اب قرآنی آیات کے ذریعے دکھی اور دم توڑتی انسانیت کی خدمت کرنے لگے تھے۔ یہ لوگ مختلف ہسپتالوں میں جاتے اور ایسے مریضوں کو منتخب کرتے جو ذہنی عوارض کے باعث لاعلاج ہو چکے تھے یا پھر جنہیں جسمانی عوارض کی وجہ سے لاعلاج سمجھا جانے لگا تھا۔ ان مریضوں کا ''گیلانی میتھاڈولوجی'' (El-Gilani Methodology) کے ذریعے علاج ہونے لگا اور امریکن اخبارات میں آئے روز ناقابل علاج

مریضوں کی شفایابی کی خبریں شائع ہونے لگیں۔

شیخ گیلانی کو امریکہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں اس قرآنی طریق علاج پر لیکچر دینے کیلئے اپنے ہاں بلانے لگیں۔ اس نے ان لوگوں کو اپنے لیکچرز کے ذریعے بتایا کہ انسان کی ذہنی، نفسیاتی، روحانی اور جسمانی تباہی کی دس اہم وجوہات ہیں:

دنیاوی محبت اور دنیا پر قبضہ کرنے کی خواہش	1	Love for the word and wordly possesions
حسد	2	jealousy
انسانوں سے نفرت	3	Hatred
ظلم	4	Cruelty
مطلب پرستی	5	Selfishness
غرور	6	Aroogance
غصہ	7	Anger
شرک	8	polytheism
خود پسندی	9	Egotism

اس نے بتایا کہ یہ بیماریاں انسان کو روحانی کوڑھ لگا دیتی ہیں جن سے اس کے اعصاب متاثر ہوتے ہیں۔ دل و دماغ پر بوجھ بڑھتا ہے اور انسانی اعضاء متاثر ہونے لگتے ہیں اور یہ سلسلہ پھر ذہنی اور جسمانی عوارض کو جنم دیتا ہے۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ ذہنی عوارض کا علاج مسکن ادویات نہیں وہ تو انسانی ذہن کو ایک اور عارضے میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اس طرح بجلی کے جھٹکے انسان پر ظلم کے مترادف ہیں۔ اس نے قرآنی آیات شفا کے ذریعے ایسے مریضوں پر کام شروع کیا اور "خانقاہوں" پر مستقل درد اور اعضاء کے غیر متحرک ہوجانے کا مریضوں کا تانتا بندھنے لگا۔ ان میں سے وہ مریض جو اس کی ہدایات پر عمل کرتے شفایاب ہونے لگے جو یہاں صرف ٹیسٹ کرنے یا تماشا کرنے آتے تھے وہ اپنی نیت کا پھل کر کے بے مراد واپس جانے لگے۔

اسلام ول. کی خانقاہ "بیت النور" میں اسمائے الٰہی کے ظہور کی مختلف ٹی وی چینلو نے فلمیں بنائیں کہ انہے فراڈ ثابت کرسکیں لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایسی تصاویر ان کے سامنے آئیں جو انہوں نے زندگی میں اسے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

☆☆☆

امریکن سی بی ایس کے نمائندے جان کرائے کو شروع ہی سے اس جماعت میں بہت دلچسپی رہی تھی۔ وہ بطور خاص ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا تھا۔ خصوصاً جب خانقاہوں میں کرامات کا ظہور شروع ہوا اور ایک روز جب اس نے یہ سنا کہ شیخ گیلانی نے الیکٹرانک آلات کی تباہی، خلائی جہازوں کی تباہی اور انسان اذہان پر کنٹرول کا جنوں کو ذمہ دار قرار دیا ہے تو اس کی رگ صحافت پھڑکی اور وہ شیخ گیلانی کا انٹرویو لینے چل پڑا۔

جان کرائے شیخ گیلانی سے ملا تو اس نے پہلا سوال ہی جنوں کی مخلوق کے متعلق کیا جس کے جواب میں شیخ گیلانی نے اسے قرآن پاک کی سورۃ جن کے اقتباسات سنائے اور بتایا کہ جن بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور ہمارے کاروبار حیات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس نے جان کرائے کو بتایا کہ جنوں کو کچھ لوگ اپنے مخصوص عملیات کے ذریعے قابو میں کر لیتے ہیں اور انہیں اپنا مطیع بنا کر ان سے ناجائز اور غلط کام لیتے ہیں۔

اس نے جان کرائے کو بتایا کہ امریکہ اور دنیا کے دیگر ممالک میں انسانی اذہان کو کنٹرول کرنے کیلئے بھی جنوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور یہ نام نہاد عامل جنوں کے ذریعے انسانی دماغ پر ایسا کنٹرول کرتے ہیں کہ انسان پاگل ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی پاگلوں کا علاج اس نے قرآنی علوم کے ذریعے کیا تھا۔

اس نے جان کرائے سے کہا کہ "X-File" ایکس فائل نامی جو سیریز دنیا بھر کے ٹی وی چینلو پر دکھائی جاتی ہے اس میں (FBi) ایف بی آئی کی فائلوں سے سچی کہانیاں ہی منتخب کر کے فلمائی جاتی ہیں۔ یہ وہ کیس ہے جن کے عوامل ایف بی آئی کے نزدیک نامعلوم ہیں البتہ اس بات کا اقرار ضرور کیا جاتا ہے کہ کچھ غیر مرئی یا ماورائی قوتیں ان کے پس پردہ متحرک دکھائی دیتی ہیں۔

شیخ گیلانی نے جان کرائے کو بتایا کہ دراصل ان کے پس پردہ بھی یہی جنات ہوتے ہیں اور ایسی مخلوقات جو انسانی آنکھوں کو دکھائی نہیں دیتیں لیکن اللہ کی طرف سے خصوصی طور پر "باطنی آنکھ" پانے والے صوفیا کو دکھائی دے جاتی ہیں۔

جان کرائے نے شیخ گیلانی سے کہا کہ یہ سب افسانوی باتیں ہیں۔ اگر جنات کا کوئی وجود ہے اور وہ اسے دکھائی دیتے ہیں تو جان کرائے کو کیوں دکھائی نہیں دیتے۔

شیخ گیلانی یہ بات سن کر کچھ دیر کیلئے مراقبے میں چلا گیا اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس پر جلالی کیفیت طاری ہے:

"تم اپنی آنکھوں سے ضرور انہیں دیکھنا چاہو گے؟"

اس نے کہا۔

''ہاں.....''

جان کرائے نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تمہیں یہ سب دکھا دیا جائے گا''

شیخ گیلانی نے کہا۔

جان کرائے نے شیخ گیلانی سے ایک گھنٹہ کا انٹرویو کیا جسے CBS 60 Minute: کے نام سے ساری دنیا نے حیرت سے دیکھا۔ اس انٹرویو کے دوران شیخ گیلانی اسے قدرے سنسان پارکنگ میں لے گیا اور اس نے سامنے گھنے درختوں کے جنگل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ادھر دیکھو''

جان کرائے کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اس نے اپنی زندگی کا حیرت انگیز ترین نظارہ کیا جب اسے ایک جن کنبہ دکھائی دیا جو بہت واضح اور ان سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا اور اندھیرے کی گہری چادر میں بڑا نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ جان کرائے کے کیمرہ مین نے اپنے اعصاب بحال رکھے اور اس منظر کو سلولائیڈ کے فیتے پر اتار لیا۔ اپنے سٹل کیمرے سے اس کی تصاویر لے لیں اور ان کیلئے مزید حیرت انگیز بات یہ تھی کہ فلم میں یہ جنوں کا کنبہ بڑا نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔

یہ فلم جب سی بی ایس سے چلی تو دنیا بھر میں جہاں جہاں اسے دکھایا گیا دیکھنے والوں نے اپنے ہونٹ کاٹ لیے۔ جنوں کے کنبے کی تصاویر دنیا بھر کے انٹرنیٹ پر جاری کی گئیں اور قریباً ہر مذہب اور مکتب فکر کے ماننے والوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ جنات ہیں۔

جان کرائے نے بعد میں اپنے ایک انٹرویو میں اس حوالے سے عجیب و غریب واقعہ امریکن چینلو پر بیان کیا۔ اس نے بتایا کہ شیخ گیلانی نے اس سے کہا تھا کہ بسا اوقات جن شرارتیں کرتے ہیں اور بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ عامتہ الناس یہی سمجھتی ہے کہ یہ اندھیری اور طوفان کی وجہ سے ہوا ہے جبکہ اس کی وجوہات کچھ اور ہوتی ہیں۔

جانکرائے کا کہنا ہے کہ ایک روز امریکہ میں وہ شیخ گیلانی کے پیروکاروں کی ایک ''خانقاہ'' سے باہر نکل کر اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک تیز آندھی چلنا شروع ہوگئی۔ اس کے دماغ میں جانے کہاں سے شیخ گیلانی کی بات آگئی کہ بسا اوقات جنوں کی شرارت سے ایسے واقعات سامنے آجاتے ہیں۔ اچانک ہی اس کی نظر ایک درخت پر پڑی جس کی ایک بڑی شاخ اس طرح ٹوٹی جیسے اسے انسانی ہاتھوں نے الگ کر دیا ہو۔ جان کرائے کچھ گھبرا گیا کیونکہ یہ بڑی

سی شاخ بالکل میزائل کی طرح تیز رفتاری سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اگلے چند لمحوں میں یہ میزائل اس کے سینے کے آر پار ہو جائے گا۔

''یا شیخ گیلانی''

اچانک وہ مدد کیلئے چلایا۔

اور.....اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے جسم سے بمشکل چند فٹ کے فاصلے سے درخت کی اس میزائل نما نوکیلی شاخ نے اپنا رخ یک لخت تبدیل کیا اور زناٹے دار آواز پیدا کرتی مخالف سمت میں ایک بجلی کے کھمبے سے اس زور سے ٹکرائی کہ بجلی کا یہ پول درمیان سے دہرا ہوگیا۔

سی بی ایس کے نمائندے جان کرائے کی زبان سے نشر ہونے والے ایسے واقعات اور اس کی شیخ گیلانی کے ساتھ ''CBS 60 Minuted'' نامی فلم نے بڑی تیزی سے شہرت حاصل کی جہاں عوام میں شیخ گیلانی کا احترام بڑھا وہاں اس کے مخالفین خصوصاً یہودی لابی کو شدید خطرات لاحق ہونے لگے۔ انہوں نے اس کے خلاف اپنی تشہیری مہم اور تیز کر دی۔ آئے روز اس کے پیروکاروں کو ''جماعت الفقرا'' کا نام دے کر تنقید کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ مسلمانوں کے ناموں سے اس کے عقائد کے خلاف مضامین شائع ہونے لگے۔ اسے ایک ''صوفی'' کے بجائے بدراہ عامل اور مستقبل میں امریکہ کیلئے خطرات پیدا کرنے والا دہشت گرد قرار دیا جانے لگا۔

یہودی میڈیا نے شیخ گیلانی کے پیروکاروں کی طرف سے افغانستان کے مجبور اور بے کس مسلمانوں کے دامے، درمے، قدمے، سخنے امداد کو غلط معنی دینا شروع کیے اور ایسا تاثر دیا جانے لگا کہ شیخ گیلانی کے یہ پیروکار افغانستان جا کر جہاد کی تربیت حاصل کر رہے ہیں اور امریکہ کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

شیخ گیلانی کے پیروکاروں نے کشمیر کے مجبور و مقہور مسلمانوں سے اظہار ہمدردی اور ان کی مالی اور اخلاقی معاونت کیلئے امریکن کشمیر مسلم فرینڈز سوسائٹی بنائی تو اس کا رشتہ دہشت گردی سے جوڑنے کی کوشش کی جانے لگی۔

جوزف بوڈنسکی اس ساری مہم کو بڑے سائنٹیفک انداز میں چلا رہا تھا۔ اس نے امریکی سینٹ کی انسداد دہشت گردی کمیٹیوں کو ایسی جعلی رپورٹس تیار کر کے دیں جن کے ذریعے شیخ گیلانی اور اس کے پیروکاروں کو دہشت گرد ثابت کیا گیا اور امریکیوں کو خبردار کیا جانے لگا کہ مستقبل میں یہ لوگ امریکہ کا تخت الٹ دیں گے۔

اس نوعیت کے مضحکہ خیز الزامات کا جواب میڈیا کی سطح پر بے چارے مسلمان دیتے رہے لیکن یہودی لابی کے مضبوط تعلقات اور بے پناہ سرمائے کے آگے ان کی جوابی مہم کیا حیثیت رکھتی تھی۔

شیخ گیلانی نے اس مرحلے پر استخارہ کیا اور ایک روز اس نے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ اسے پاکستان واپسی کا حکم ہوا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں اس کے پیروکار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ انہوں نے اپنے شیخ کی ہر طرح منت سماجت کی کہ وہ امریکہ میں انہیں اکیلے چھوڑ کر نہ جائیں۔

لیکن..... وہ تو حکم کا پابند تھا۔

پہلے دربار نبوی ﷺ سے حکم ملا امریکہ چلے جاؤ وہ یہاں آ گیا۔ اب اذن رخصت عطا ہوا تھا اور وہ واپس جا رہا تھا۔ اس نے اپنے سسکیاں لیتے پیروکاروں سے کہا:

خدا کی قسم تم مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہو لیکن تم سب اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو کہ میرا قیام کبھی بھی اپنی مرضی سے نہیں رہا۔ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچایا۔ اس نے تمہیں ہدایت دی اور اپنے راستے پر لگا لیا۔ تم خوش قسمت ہو کہ بدراہ تھے، جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ اللہ نے تمہیں روشنی عطا کی۔ اس کی بندگی سے کبھی غفلت اختیار نہ کرنا۔ اپنی بستیوں کی حفاظت کرنا، اپنے معاملات اللہ پر چھوڑ دینا اور توکل اختیار کرنا۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تم جب چاہو گے مجھے اپنے قریب پاؤ گے۔"

اور وہ پاکستان لوٹ آیا۔

لیکن اس کے پیروکاروں نے اسے ہمیشہ اپنے پاس موجود پایا۔ ایسے درجنوں واقعات دیکھنے میں آئے جب وہ انہیں خانقاہ میں، راستے میں، گھروں میں دکھائی دیا۔ اس نے انہیں حالت خواب اور بیداری میں خطرات سے آگاہ کیا اور ان تک وہ خوشخبریاں پہنچائیں جو ان کا مقدر بننے والی تھیں۔ اپنی پاکستان آمد سے پہلے اس نے بطور خاص ان "طالبین" سے جنہیں قرآنی طریق علاج کی تربیت دی گئی تھی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے اس عمل کی بنیاد اخلاص کو بنائیں اور بلاتخصیص مذہب وملت ہر دکھی کی خدمت کریں۔ ان کا مریض کس مذہب، عقیدے یا علاقے اور زبان سے تعلق رکھتا ہے یہ ان کا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔

اس کی پاکستان آمد کے بعد اس کے پیروکاروں کی طرف سے جو EGM Practitioner کہلاتے تھے، سائنسی بنیادوں پر ذہنی اور جسمانی عوارض کے شکار مریضوں کا علاج جاری رہا۔ ایسے مریض جب شفایاب ہوتے تو ان میں سے بیشتر اسلام قبول کر لیتے کیونکہ ان کے دل و دماغ اسلام کی حقانیت کی گواہی دے دیا کرتے تھے۔

پروفیسر ڈکنز ایک غیر متعصب کیتھولک عیسائی اور ماہر نفسیات تھا۔ اس نے امریکہ کی بہترین یونیورسٹیوں سے دماغی امراض اور اس کے علاج کی سند حاصل کی تھی اور نیویارک ہی نہیں بلکہ امریکہ اور کینیڈا کے میڈیکل حلقوں میں اس کا بہت احترام کیا تھا۔

پروفیسر ڈکنز تک EGM سے متعلق اطلاعات پہنچ رہی تھیں اور اس کی ملاقات اب تک ایسے گیارہ مریضوں سے ہو چکی تھی جو اس طریق علاج سے فیضیاب ہونے کے بعد نارمل زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں تین ایسے مریض بھی شامل تھے جنہیں گزشتہ سات سال سے وقتاً فوقتاً بجلی کے جھٹکے دیئے جا رہے تھے۔

ان مریضوں سے تفصیلی انٹرویو کے بعد اس نے بطور خاص مسلم صوفیا کی اس سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو اسے بہت سے ایسی باتوں کا علم ہوا جو سائنس کے مروجہ معیار پر پوری اترتی تھیں لیکن جنہیں تعصب کی وجہ سے مغربی معاشرہ قبول نہیں کرتا تھا۔ ڈکنز کا اشتیاق بڑھا اور اس نے اس

طریق علاج کا عملی مشاہدہ کرنے کی ٹھانی۔ وہ اپنے ایک مریض کے ساتھ ایک روز اسلام ول کی خانقاہ پر پہنچ گیا جہاں اس کی ملاقات خلیفہ عتیق سے کروائی گئی۔ مریض کو مرگی کا عارضہ لاحق تھا۔

ڈکنز نے اپنے مریض کی ہسٹری سے بتائی تو خلیفہ عتیق نے اس سے درخواست کی کہ مریض کی نیان اسے دی جائے۔ ڈکنز نے مریض کی قمیض کے نیچے پہنی بنیان اس کے حوالے کردی۔ خلیفہ عتیق نے پہلے اس بات کی اچھی طرح تصدیق کی کہ بنیان کاٹن کی بنی ہوئی ہے اور کھینچنے سے اس کے بڑھنے کا یا کم ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اس نے پروفیسر ڈکنز کے سامنے لکڑی سے بنے ایک تختے پر بنیان کو بچھا کر اسے ہاتھوں کی مدد سے استری کرتے ہوئے سیدھا کیا اور ایک فیتے کی مدد سے اس کی پیائش کرنے کے بعد آنکھیں بند کر کے استغراق کی کیفیت میں گیا اور قرآنی آیات تلاوت کرنے لگا۔

پروفیسر ڈکنز بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا.....!

خلیفہ عتیق نے متعلقہ آیات کی تلاوت کرنے کے بعد بنیان پر پھونک ماری اور دوبارہ اس کی پیائش کرنے کے بعد ایک کاغذ پر کچھ نوٹ کیا جس کے بعد اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے وہاں پہلے سے موجود ایک دھاگہ اکٹھا کر کے مریض کے ہاتھ میں دیا اور اسے کہا کہ اسے مٹھی میں بند کرلے۔ مریض نے ایسا ہی کیا جس کے بعد اس نے دوبارہ عمل دہرایا اور اسے مٹھی کھولنے کیلئے کہا۔

ایک مرتبہ پھر اس نے دھاگے کی پیائش اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے پاس پہلے سے موجود کاغذ پر کچھ نوٹ کرلیا۔ جس کے بعد اس نے الماری سے ایک پانی کی بوتل نکالی جس پر پہلے سے متعلقہ وظائف مکمل کرنے کے بعد اسے محفوظ کیا گیا تھا۔

"یہ ہماری میڈیسن ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پروفیسر سے کہا۔

پروفیسر کی دلچسپی بڑھتی جارہی تھی اور ابھی تک اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ خلیفہ عتیق نے بوتل سے کچھ پانی اپنے ہاتھ پر ڈالا اور قرآنی آیات پڑھتے ہوئے مریض کے سر پر پانی کے چھینٹے مارے۔ یہ عمل اس نے سات مرتبہ دہرایا اور پروفیسر نے محسوس کیا کہ مریض کے جسم پر پہلی مرتبہ ہلکا زوردار دھچکا لگا جس کے بعد اس کی شدت کم ہونے لگی اور ساتویں مرتبہ جب اس پر پانی پھینکا گیا تو وہ بالکل نارمل رہا۔

خلیفہ عتیق نے وہیں بیٹھ کر ایک تعویذ لکھا۔ اسے مریض کے گلے میں ڈالنے کی تلقین کے

ساتھ کچھ پانی پڑھ کر دیا اور کہا کہ مریض کو شفا ہوگئی۔ اب وہ انشاء اللہ ہمیشہ نارمل رہے گا۔

پروفیسر ڈکنز نے اس سے کوئی سوال کرنے یا اپنا تعارف کروانے کے بجائے چپ چاپ مریض کو ساتھ لیا اور گھر آگیا۔ مریض کو اس نے اپنے ساتھ تین روز تک رکھا۔ تعویذ اس کے گلے میں ہدایات کے مطابق تیار کر کے ڈال دیا گیا۔ تین دن تک پانی مقررہ اوقات میں اسے پلایا گیا۔ ان تین دنوں میں وہ بالکل نارمل رہا اور اپنے کام پر جانے کی ضد کرتا رہا۔

لیکن..... پروفیسر کوئی خطرہ مول لینے کیلئے تیار نہیں تھا۔ اس نے مزید دس روز تک مریض کو زیر نگرانی رکھا۔ اس کا ایک اسسٹنٹ مستقل مریض سے چپکا رہا اور ان کی دلچسپی اب حیرت میں بدلنے لگی تھی کیونکہ مریض نارمل تھا اسے متعدد مرتبہ دریا کے کنارے لے جایا گیا۔ مریض تین مرتبہ پانی میں نہایا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

پروفیسر ڈکنز کے نزدیک یہ معجزہ تھا اور اب وہ اس معجزے کا پس منظر جاننے کیلئے خلیفہ عتیق سے ملنے جارہا تھا۔

☆☆☆

جب وہ دربارہ خلیفہ عتیق سے ملا تو خلیفہ عتیق کو یاد دلانے پر یاد آیا کہ وہ پہلے بھی آچکا ہے کیونکہ اس دوران اس نے بیس مریضوں کا علاج کیا تھا جن میں سے پندرہ شفایاب ہوکر واپس جاچکے تھے۔

پروفیسر ڈکنز نے اسے اپنا تعارف کروانے کے بعد اس سے تفصیل جاننا چاہی اور پوچھا کہ اس نے مریض کی بنیان اور پھر اس کے ہاتھ میں دھاگہ دے کر کچھ پڑھنے کے بعد کس طرح مرض کی تشخیص کی اور یہ کیا طریق علاج تھا۔

خلیفہ عتیق نے اسے مختصراً EGM کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ ہم مرض کی تشخیص کیلئے یہ طریقہ استعمال کرتے ہیں جہاں تک مریض کے جسم کے کپڑوں کا تعلق ہے ہم کاٹن کے کپڑے اس سے لے لیتے ہیں کہ وہ اپنی پیائش برقرار رکھتے ہیں۔ مریض کے کپڑوں پر ہمارے مرشد الشیخ گیلانی کی طرف سے تعلیم کردہ قرآنی آیات پڑھنے کے بعد ہم دوبارہ اس کی پیائش کرتے ہیں اگر پیائش برقرار ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مریض کو کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہے جس کا علاج ڈاکٹر سے کروایا جائے گا۔ اگر اس کے جسم سے اترا ہوا کپڑا دوبارہ پیائش پر کم یا زیادہ دکھائی پڑے تو ہم جان لیتے ہیں کہ اس پر غیر مرئی قوتوں نے حملہ کیا ہے۔ اس کے بعد ہم پہلے سے پیائش شدہ دھاگہ مریض کی مٹھی میں تھما کر مخصوص قرآنی آیات پڑھتے ہیں جس کے بعد دوبارہ

اس کی پیائش کی جاتی ہے۔

دوران پیائش اگر دھاگہ لمبا ہو جائے تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ مریض پر کسی جن کا سایہ ہے یا اسے جنات تنگ کر رہے ہیں۔

اگر یہ دھاگہ کم پڑ رہا ہو تو مریض پر شیطانی آنکھ (Evil eye) کا حملہ ہوتا ہے۔ اگر دھاگہ قرآنی علوم کی تلاوت کے بعد پیائش میں خاصا کم پایا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ مریض سحر کا شکار ہے، اس پر کسی نے جادو ٹونہ کروایا ہوا ہے۔ اس طرح دونوں نتائج جمع کرنے کے بعد ہم اپنے مرشد الشیخ گیلانی کا تعلیم کردہ قرآنی طریق علاج اپناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مریض کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔

پروفیسر ڈکنز نایقینی اور یقین کی درمیانی کیفیت میں پہنچا خلیفہ عتیق کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یوں تو اللہ تعالیٰ صوفی کو ایسی توفیق سے نوازتا ہے کہ وہ مریض پر ایک نظر ڈالنے کے فوراً بعد ہی اس کی بیماری کا اندازہ کر لیتا ہے لیکن ہمارے شیخ چونکہ اسے باقاعدہ سائنس کی طرح بھی پڑھایا اور سکھایا ہے اور ہم انسانی فلاح و بہبود کیلئے اس علم کو سائنسی بنیادوں پر ہی آگے بڑھانا چاہتے ہیں، یہی ہمارا مشن ہے۔''

ان دنوں برطانوی اور امریکی ٹی وی چینلز پر یوری گیلر Uri Geller کی بڑی تشہیر کی جا رہی تھی۔ خلیفہ عتیق نے اسے بتایا کہ یوری گیلرا کو دراصل شیطانی قوتوں کی آشیر داد حاصل ہے جن کے ذریعے وہ بظاہر حیرت انگیز کرتب دکھاتا ہے۔ پروفیسر ڈکنز نے یوری گیلر کے بی بی سی ٹی وی پر مظاہرے دیکھے تھے وہ اپنے ہاتھ کے اشارے سے ایک ہی وقت میں اپنے سامنے موجود درجنوں چھریاں چاقو، چمچے وغیرہ ٹیڑھے کر دیا کرتا تھا اور اس نے ٹی وی کی سکرین پر بیٹھے ہوئے اپنے ناظرین کو بتایا کہ وہ ان کے بازو پر بندھی گھڑی کا وقت وہاں بیٹھ کر کئی گھنٹے آگے پیچھے کر سکتا ہے۔ اس نے ایسا بھی کر دکھایا تھا۔

لندن یونیورسٹی کے پروفیسر جان ٹیلر نے جو پروفیسر ڈکنز کا دوست تھا اسے بتایا کہ اس کے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ اس پروگرام کو دیکھنے والے کئی کم عمر نوجوانوں نے بھی وقتی طور پر یہ قوت حاصل کر لی تھی جس کا مظاہرہ بھی انہوں نے کر دکھایا۔ خلیفہ عتیق نے اسے بتایا کہ شیطانی قوتوں کی ودیعت کردہ اس خاصیت کو ریڈیائی اور ٹی وی لہروں کے ذریعے دوسروں میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے پروفیسر ڈکنز کو یہ بتا کر حیران کر دیا کہ بہت سے جسمانی عوارض ایک وائرس کے ذریعے الیکٹرانک میڈیا سے پھیلائے جا رہے ہیں اور یہ عمل جاری رہے گا۔ اس نے بتایا کہ

صوفیا نے Evil eye یعنی شیطانی قوتوں کا ادراک ایک ہزار سال پہلے حاصل کر لیا تھا یہ ایک نظر نہ آنے والی لیکن انتہائی طاقتور انرجی ہے جو آنکھوں کے راستے باہر لائی جاتی ہے۔

خلیفہ عتیق نے اسے بتایا کہ جس طرح بھڑ کے کاٹنے سے زہر سارے جسم میں پھیل جاتا ہے اسی طرح شیطانی آنکھ کی زہرناکیوں سے دوسرے اجسام کو زہریلا کیا جا سکتا ہے۔ آدھے سر کا درد Migraines، بے خوابی Sleeplesness، درد Pain اور Bleeding شیطانی آنکھ کے ذریعے دوسرے انسانی جسم کو شکار کر سکتی ہے۔ اس نے پروفیسر ڈکنز کو بتایا کہ روسی سائنسدانوں نے evil eye پر بہت تحقیق کی ہے اور شیطانی آنکھ کے مخرج کو Bio-energy شیطانی آنکھ کے ذریعے دوسرے انسانی جسم کو شکار کر سکتی ہے۔ اس نے پروفیسر ڈکنز کو بتایا کہ روسی سائنسدانوں نے evil eye پر بہت تحقیق کی ہے اور شیطانی آنکھ کے مخرج کو Bio-energy کا نام دیا ہے۔ مسلسل تحقیق کے ذریعے روسی سائنسدانوں کو اس بات کا علم بھی ہو گیا ہے کہ شیطانی آنکھ کی مار کتنے فاصلے تک ہو سکتی ہے۔ اس نے پروفیسر ڈکنز کو اس ضمن میں ESP- Behind the iron curtain کے مطالعے کی تلقین کی۔

''میں EGM کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے شیخ سے ملنا چاہتا ہوں اس نے بے چینی اور اضطراب کے لہجے میں کہا۔

''اگلے ماہ یہاں سے طالب علموں کی ایک جماعت پاکستان EGM کی ٹریننگ کیلئے جا رہی ہے اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو ان کے ساتھ بھیج سکتے ہیں''

خلیفہ عتیق نے کہا اور پروفیسر ڈکنز تیار ہو گیا۔

☆☆☆

پاکستان کے شمال مغربی پہاڑی علاقے کے ایک دور دراز اور انسانی بستیوں سے الگ تھلگ مقام پر وہ ایک روز امریکہ سے آنے والی جماعت کے ہمراہ شیخ گیلانی کا خصوصی لیکچر سن رہا تھا۔

''آپ نے بعض لوگوں کو مافوق الفطرت قوتوں کا مالک دیکھا ہوگا جنہیں پیش آمدہ حالات کی پہلے سے خبر ہو جاتی ہے جسے مغرب میں پیراسائیکالوجی کا علم کہا جاتا ہے۔ اسی علم کی ایک اہم شاخ Extar Sensory Perception (ESP) ہے جسے ہم ماورائے الحواس پراسرار صلاحیت کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی شعوری کوشش کے بغیر لوگ ایسے حالات و واقعات، باتیں اور اشیاء کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں جو تب حواس خمسہ کے دائرے میں نہیں ہوتیں۔

ٹیلی پیتھی بھی ای سی پی ہی کی ایک شاخ ہے۔ چونکہ ای سی پی ایک غیر معمولی اور بظاہر

پراسرار صلاحیت دکھائی دیتی ہے اس لیے جہاں ماضی میں اس صلاحیت کے حامل بعض افراد محض اپنی عیاری اور ہوشیاری کی بنیاد پر عجیب وغریب قسم کے دعوے کر کے ضعیف الاعتقاد عوام کا استحصال کرتے رہے وہاں عام لوگ نہ صرف یہ کہ اس قسم کے افراد سے جلدی مرعوب ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے متعلق پھر عجیب وغریب قسم کے کرامات اور واقعات ان کی ذات سے منسوب کر کے انہیں ایک طرح سے دیوتا، ولی یا اوتار کا روپ دے ڈالتے ہیں۔

سادہ لوح لوگ جب ماضی میں ایک شخص کو ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے کسی شخص کی سرگرمیوں کے بارے میں ایسی اطلاعات دیتے سنتے جو بعد میں واقعی سچ ثابت ہوتیں تو وہ اسے فوراً خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ مان کر اس کے متعلق بڑی زبردست لیکن ٹھوس رائے قائم کر لیتے، ان کی رائے کو پھر بدلا نہیں جا سکتا کیونکہ انہیں پیراسائیکالوجی کا علم ہی نہیں۔

ای ایس پی کی ادنیٰ ترین قسم وہ ہے جسے ہم عام طور پر چھٹی حس کہتے ہیں اور یہ حس جانوروں میں بھی اکثر موجود ہوتی ہے۔ یہ حس ہمیں آنے والے خطرہ یا مصیبت سے بروقت آگاہ کرتی ہے۔ بعض اوقات ہمیں اچانک کسی ظاہر وجہ اور جواز کے بغیر کسی دوست کا خیال آتا ہے اور اگلے ہی لمحے وہی دوست ملاقات کیلئے گھر کے دروازے کی گھنٹی بجا رہا ہوتا ہے۔ ایک ساتھی نے مجھے بتایا کہ ایک بار صبح کا اخبار پڑھتے ہوئے مجھے اچانک کسی ایسے دوست کا خیال آنے لگا جسے ملے ہوئے کئی مہینے گزر چکے تھے۔ میرے دل میں سوال پیدا ہوا کہ میرا وہ دوست آجکل کہاں ہوگا اور اگلے ہی لمحے میں اخبار کا صفحہ الٹتا ہوں تو ایک کالم میں اسی دوست کے بارے خبر پڑھتا ہوں، خبر میں میرے دوست کے ایک شہر سے دوسرے شہر میں ٹرانسفر کا ذکر تھا۔ پس ای ایس پی کی ادنیٰ ترین قسم ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔

ای ایس پی کے بیشتر واقعات کسی شعوری کوشش کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات ایک شخص اپنی صلاحیت کو اس حد تک پروان چڑھا لیتا ہے کہ وہ کسی بھی ایجنٹ یا عامل کے ارسال کردہ ذہنی پیغام کو وصول کر سکتا ہے اور عامل کے ذہن میں پنہاں مفہوم کو سمجھ سکتا ہے۔ ای ایس پی کی کیفیت ہر وقت طاری نہیں رہتی۔ ای ایس پی عام طور پر اس وقت واقع ہوتی ہے جب ذہن تھوڑی دیر کیلئے آرام کی طرف مائل ہو، گرد و پیش سے اس کا رابطہ منقطع ہو، دل و دماغ کی انفعال اور خوابیدہ کیفیت ای ایس پی کے تجربے سے گزرنے کی مثالی کیفیت ہے۔

ای ایس پی کی ذیلی شاخ، ٹیلی پیتھی میں یہ ہوتا ہے کہ معمول کو اس وقت عامل کی طرف سے کوئی واضح پیغام وصول ہوتا ہے جب وہ (عامل) کسی مصیبت میں ہو یا جذباتی ہیجان

میں مبتلا ہو اور اس کا معمول کے ساتھ انتہائی قریبی جذباتی تعلق ہو۔ مثلاً ایسا اکثر پیش آتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے کسی عزیز کی یاد ستانے لگتی ہے۔ اگر وہ وقت اور تاریخ نوٹ کر لی جائے تو معلوم ہوگا کہ ٹھیک اسی وقت اور تاریخ کو اس کے عزیز نے بھی (کسی خاص وجہ سے) اسے شدت سے یاد کیا تھا۔

''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے'' کا محاورہ بھی ٹیلی پیتھی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آپ نے ''چینل فور'' پر حال ہی میں یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ایک کمسن لڑکے کو سکول سے گھر لوٹتے ہوئے اچانک محسوس ہوا (گویا کہ وہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو) کہ اس کی پیاری ماں، بظاہر مردہ حالت میں بیڈروم کے فرش پر ادھ موئی لیٹی ہوئی ہے۔ لڑکا سیدھا ڈاکٹر کی طرف دوڑا اور جب وہ ڈاکٹر کے ہمراہ گھر داخل ہوا تو واقعی اپنی ماں کو دل کے شدید دورے میں مبتلا فرش پر گرا ہوا پایا۔ عین وقت پر ڈاکٹر کے آجانے سے اس کی ماں کی جان بچ گئی۔ لیکن ٹیلی پیتھی یا ای ایس پی کے واقعات ہمیشہ اس طرح ڈرامائی نہیں ہوتے۔ عام طور پر کچھ مبہم سے اشارے موصول ہوتے ہیں جنہیں ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

بہر حال ایک بات واضح ہے کہ جس قدر فریقین کے درمیان رشتہ قریبی اور محبت کا ہوگا، پیغام اتنا ہی واضح ہوگا۔ چنانچہ ماں اور بچے کے بعد ٹیلی پیتھی کی بہترین مثال ہمیں محبت کرنے والے دو دلوں کے سلسلے میں ملتی ہیں۔ اگر محبوب کے پاؤں میں خار بھی چبھے تو عاشق کا دل شدت تکلیف سے تڑپ اٹھتا ہے۔

ای ایس پی کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ نسبتاً کم عمر افراد، بچے یا نوجوان اور عورتیں، جن کا شعور ابھی اس قدر پختہ نہیں ہوتا، اس کیفیت کو آسانی سے اپنے اوپر طاری کر سکتے ہیں جبکہ عمر رسیدہ اور انتہائی دانشور قسم کے لوگ ای ایس پی کے تجربے سے بہت کم گزرتے ہیں تاہم یہ کوئی سو فیصدی صحیح اصول نہیں ہے۔ اسی طرح ای ایس پی کی صلاحیت بعض اوقات موروثی بھی ہوتی ہے اور نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ایک اور قابل غور حقیقت یہ ہے کہ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں (جہاں اس سلسلہ میں وسیع پیمانے پر کام ہو رہا ہے) تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ جو افراد اپنی کسی قدرتی صلاحیت سے محروم ہوں یا حواس خمسہ میں سے ان کے ہاں کسی ایک حس کی کمی ہو وہ ای ایس پی کی بہتر صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہیں گویا ایک اعتبار سے قدرت ان کی تلافی کرتی ہے۔

ای ایس پی کا سائنسی اور تحقیقی بنیادوں پر مطالعہ سب سے پہلے یورپ میں شروع ہوا۔ جب ایک نامور سائنسدان سر ولیم بیرٹ نے برٹش سوسائٹی فار ایڈوانسمنٹ آف سائنس کے روبرو

اس کا مظاہرہ کیا کہ وہ اپنے معمول تک، درد، ذائقہ اور بو سونگھنے کے احساسات کسی قسم کے ظاہری اسباب کے بغیر پہنچا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں 1976ء میں سر ولیم بیرٹ نے ایک زوردار مقالہ بھی سپرد قلم کیا۔ 1890ء میں برطانیہ کی سوسائٹی فار سائچک ریسرچ (انجمن تحقیق، روحانیات) نے ملک بھر میں ایک سوالنامہ تقسیم کیا۔ پوچھے جانے والے سوالات میں سے ایک یہ تھا: ''کہ کیا حالت بیداری میں آپ نے کبھی کسی زندہ یا غیر مرئی چیز کو دیکھا یا اسے چھوتا ہوا محسوس کیا، یا کوئی آواز سنی، جبکہ اس قسم کا تاثر، جہاں تک آپ کو معلوم ہو، کسی خارجی جسمانی سبب سے رونما نہ ہوا ہو؟''

اس سوالنامے پر سترہ ہزار جوابات انجمن کو موصول ہوئے۔ دس فیصد جوابات اثبات میں تھے، ان جوابات کو تحریر کرنے والوں میں سے بیشتر نے اقرار کیا تھا کہ انہوں نے کسی زندہ چیز کا سایہ، یا مردہ شخص کی روح یا نامعلوم افراد کو دیکھا تھا۔ 1884ء میں مشہور عالم نفسیات سگمنڈ فرائڈ کے استاد فرانسیسی نفسیات دان پیری ژانت نے ای ایس پی کے کامیاب تجربات کرنے کا اعلان کیا اس نے اپنے ایک مریض کو ہپناٹائز کرنے کے بعد، کافی فاصلے سے اسے ذہنی پیغام ارسال کیے۔ مثلاً ژانت کے حکم پر مریض نے ایک چراغ روشن کیا۔ حالانکہ یہ حکم محض ذہنی مشورے کی شکل میں بھیجا گیا تھا۔ اس کے بعد کے زمانے کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ ای ایس پی کے تجربات کیلئے ہپناٹزم کو استعمال کرنا ضروری ہے۔

انگریزی ادبیات کی مشہور شخصیت گلبرٹ مرے کو ای ایس پی میں کمال حاصل تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو ایک کمرے میں بٹھا کر خود باہر چلا جاتا، اس دوران اس کی بیٹی کسی تاریخی واقعہ یا منظر کو ذہن میں لاتی۔ ایک بار اس کی بیٹی نے اپنے دل میں نپولین کا تصور کیا جیسے کہ وہ عظیم سپہ سالار ایک پہاڑی چوٹی پر کھڑا اپنے لشکر کی طرف دیکھ رہا ہو۔ گلبرٹ مرے نے جواب دیا: ''یہ ایک لڑائی کا منظر ہے، کوئی جرنیل پہاڑ پر کھڑا نیچے اپنی فوج کو دیکھ رہا ہے، مجھے گولوں کے پھٹنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔''

گلبرٹ مرے کی یہ صلاحیت افراد خانہ کے ساتھ ذہنی رابطہ تک محدود تھی جب بھی کسی اجنبی شخص نے مرے کو ای ایس پی کا مظاہرہ کرنے کی دعوت دی، مرے ناکام رہا۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر ای ایس پی عزیزوں اور پیاروں کی حد تک کارگر ہوتی ہے۔

یہ انکشاف دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سوویت یونین جیسی مذہب بیزار اور کمیونسٹ ریاست میں بھی ای ایس پی، ٹیلی پیتھی اور اس قسم کے فوق الحواس اور باطنی تجربات کی طرف توجہ

دی جارہی ہے اور بعض نئی باتیں دریافت بھی کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک قرلیان فوٹو گرافک پروسیس کی دریافت ہے جس کی بدولت تمام زندہ مادوں کے اردگرد ہالوں کی موجودگی کا پتہ چلایا گیا ہے۔ لینن گراڈ سٹیٹ یونیورسٹی میں پیرا سائیکالوجی پر ریسرچ کی ایک لیبارٹری قائم کی گئی ہے۔

روسی علمائے نفسیات، ای ایس پی کو نظریاتی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کے نقطہ نظر سے ریسرچ میں مصروف رہے۔ ای ایس پی کا ایک پراسرار پہلو وہ ہے جو مستقبل میں رونما ہونے والے اہم یا خطرناک واقعات کی پیشگی اطلاع سے تعلق رکھتا ہے۔ اصطلاح میں اس کیفیت کو ''روحانی پیش ادراک'' کہا جاتا ہے۔ یہ ادراک یا پیش خبری مختلف احوالوں سے حاصل ہوتی ہے۔ خوابوں سے، رویا سے، کشف سے، مختلف پراسرار صداؤں سے، جسمانی یا ذہنی کرب اور بے قراری سے، خواب و رؤیا کو ہزاروں سال سے، مستقبل کے واقعات و حادثات کی پیشگی اطلاع کا اہم ذریعہ مانا جاتا رہا ہے۔ حضرت یوسف کو مصر میں رونما ہونے والی بھیانک قحط سالی کی خبر (اصل واقعہ سے سات سال قبل) بادشاہ مصر کے خواب سے ہوئی تھی۔

شاہ مصر کو اپنے ملک میں پھوٹنے والے قحط کی پیشگی اطلاع کیوں ملی؟ اس لیے کہ ملک اور عوام سے جو تعلق ایک نیک حکمران کو ہوتا ہے اور کسی کو نہیں ہوتا۔ پس ذاتی تعلق یا جذباتی تعلق، کسی چیز یا شخصیات کے بارے میں ای ایس پی کی ناگزیر شرط ہے اور چونکہ انسان کو سب سے زیادہ تعلق اپنی ذات سے ہوتا ہے لہٰذا خوابوں یا دیگر فوق الحسی ذرائع سے ملنے والے اشاروں اور پیغامات کا تعلق بھی اکثر اپنی ذات کو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات و حادثات سے ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے بعد اپنا خاندان، عزیز و اقارب، اہل و عیال، دوست اور پھر اپنا ملک آتا ہے۔

1971ء میں پاکستان دولخت ہوگیا۔ مشرقی پاکستان میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ یہ ایک ''عظیم المیہ'' تھا جس میں ہزاروں خاندان اجڑ گئے، لاکھوں انسان خاک و خون میں غلطاں ہوگئے۔ اس المیہ کے متعلق ملک کا درد رکھنے والے متعدد پاکستانیوں کو خواب درد یا اور کشف کے ذریعے واضح پیش ادراک ہو چکا تھا۔ بعض افراد نے اپنے خواب اخبارات میں بھی شائع کروائے تھے۔ اسی طرح بعض مشہور شخصیات کے ساتھ پیش آنے والے کسی حادثہ کی پیش خبری بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔ کہا جاتا ہے کہ ای ایس پی کے ذریعے بے شمار امریکی شہریوں کو محسوس ہو چکا تھا کہ ان کا محبوب صدر کینیڈی قتل کر دیا جائے گا۔

اپنے قتل سے ایک شب قبل رومی ڈکٹیٹر جولیس سیزر نے خواب میں خود کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہوا دیکھا جہاں دیوتا جیوپیٹر نے اسے خوش آمدید کہا جبکہ اس کی بیوی ملکہ کالپورنیا نے

خواب میں اپنے شوہر کو لہولہان حالت میں اپنی آغوش میں لیٹا ہوا دیکھا تھا۔

ہٹلر کے مرنے سے کچھ عرصہ قبل اس کے معتمد ہملر کے ایک دوست ولہلم ولف نے جو ای ایس پی کی صلاحیت میں مشہور تھا، پیشگوئی کی تھی کہ ہٹلر 7 مئی 1945ء سے پہلے "پراسرار حالات" میں فوت ہو جائے گا۔ یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ ہٹلر نے 30 اپریل کو پراسرار حالات میں خودکشی کی یا وفات پائی۔ ہٹلر کی موت آج تک ایک معمہ بنی ہوئی ہے۔

تاریخ میں ہمیں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں بعض افراد نے اپنی موت کی صحیح تاریخ اور وقت کے متعلق پیشگی اطلاع حاصل کی۔ ایک فرانسیسی طبیب، ڈاکٹر گستاف گیلی کا ایک مریض تھا جس نے اپنی موت سے آٹھ دن پہلے بتا دیا تھا کہ وہ فلاں دن آدھی رات کو مر جائے گا۔ ٹھیک اس روز نصف شب کے وقت اس شخص نے اپنے بستر میں پہلو بدلا، دیوار پر آویزاں گھڑیال کی بارہ بجاتی ہوئی سوئیوں کی طرف اشارہ کیا اور مر گیا۔

ای ایس پی کے محقق فرانسیسی ڈاکٹر چارلس رشٹ نے ایک طالب علم کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے سکول کے زمانے میں خواب دیکھا ہے جس میں اس نے اپنی لوح مزار دیکھی جس پر اس کی موت کی تاریخ 9 جنوری 1883ء درج تھی۔ یہ خواب اس لڑکے نے 1813ء میں دیکھا۔ ٹھیک ستر سال بعد 9 جنوری 1883ء کو اس کی وفات ہوئی۔

رابرٹ مورس سینئر کا شمار امریکن آئین کے مصنفوں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک جہاز ران کمپنی کا ایجنٹ تھا۔ جب کمپنی کا جہاز میری لینڈ میں پہنچا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ جہاز کی آمد کی خوشی میں ایک گولہ چھوڑا گیا جو اسے آ کر لگا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اگلے روز اس نے جہاز پر سوار ہونے سے ہی انکار کر دیا لیکن جہاز کے کپتان کے کہنے پر وہ ایک کشتی میں سوار ہو گیا اور توپوں کی سلامی کے سگنل سے پہلے فائرنگ کی حدود سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس دوران کپتان کی ناک پر ایک مکھی آ کر بیٹھ گئی۔ کپتان نے مکھی اڑانے کیلئے ہاتھ بلند کیا جسے جہاز رانوں نے سلامی کا سگنل سمجھا اور گولہ داغ دیا۔ مورس ہلاک ہو گیا۔

قدرتی آفات کے متعلق ای ایس پی اور خوابوں وغیرہ کے ذریعے پیش ادراک کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ 1902ء میں جے ڈبلیو ڈون ایک انجینئر نے خواب میں دیکھا کہ وہ ویسٹ انڈیز کے جزیرہ مارٹینیک میں ہے جہاں ماؤنٹ پیلی سے آتش فشاں لاوا پھوٹ پڑتا ہے اور ہزاروں افراد اس کی زد میں آ کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ بعد میں اخباروں کے ذریعے اس خواب کی تصدیق ہو گئی۔

1970ء میں مشرقی پاکستان میں سمندری طوفان کی زد میں آ کر ہزاروں افراد ہلاک اور

لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ تاریخ کی اس ہولناک تباہی کے بارے میں بھی متعدد افراد کو واضح اشارے مل چکے تھے۔ کئی لوگوں نے خواب میں کئی ماہ قبل اس تباہی کی وارننگ وصول کی تھی لیکن قدرت کی طرف سے جو ہونا ہوتا ہے وہ واقع ہو کے رہتا ہے۔

قدرتی آفات کے علاوہ حادثات کے بارے میں بھی بعض ایسے لوگوں کو جن کی ای ایس پی تیز ہوتی ہے، وقت سے پہلے خبر مل جاتی ہے۔ خصوصاً ایسے حادثات کی خبر جن میں ان کا کوئی دوست یا عزیز بھی ملوث ہوتا ہو۔

لورنا ڈلٹن ایک انگریز خاتون ہے جسے ای ایس پی میں بہت شہرت حاصل ہے۔ جنوری 1970ء میں اس پر منکشف ہوا: "ایک تفریحی کیمپ..... ٹرین کا بدترین حادثہ جو مجھے یاد آیا ہے..... سینکڑوں افراد ہلاک..... خون فواروں کی طرح ہوا میں بلند ہو رہا ہے۔" اور ٹھیک ایک ہفتہ بعد ارجنٹینا کے شہر بیونس آئرس میں ایک تفریحی مقام سے لوٹنے والی ٹرین کو خوفناک حادثہ پیش آیا جب یہ ٹرین ایک دوسری ٹرین سے ٹکرا گئی۔ ڈیڑھ سو افراد اس حادثے کا شکار ہوئے۔

1967ء میں نفسی ادراک رکھنے والے برطانوی آلن ہنٹر نے ایک خواب میں دیکھا کہ نکوسیاں (قبرص) میں ایک جیٹ طیارے کو حادثہ پیش آیا ہے جس میں ایک سو چوبیس افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ چند ہفتے بعد نکوسیا میں ایک طیارے کو واقعی حادثہ پیش آیا اور اس میں سوار ایک سو چوبیس افراد موقع پر ہلاک ہوئے۔

برطانیہ کے عظیم الشان بحری جہاز ٹائی ٹینک کی 1912ء میں بربادی کے متعلق کئی افراد نے پیشگوئی کی تھی۔ یہ جہاز جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا ہے ایک آئس برگ سے ٹکرا کر ڈوب گیا اور اس میں سوار افراد بھی ہلاک ہو گئے لیکن اس کے متعلق دلچسپ ترین پیش گوئی ایک ناول "ٹائٹن کی تباہی" میں کی گئی تھی۔ یہ ناول 1898ء میں ٹائی ٹینک کے تیار ہونے سے تیرہ سال قبل لکھا گیا اس میں جس خیالی جہاز کی تباہی کا حال بیان کیا گیا تھا وہ اصلی ٹائی ٹینک جہاز سے ہو بہو ملتا تھا۔ مثلاً دونوں ایک زبردست آئس برگ سے ٹکرا کر تباہ ہوئے۔ دونوں کی رفتار ایک تھی۔ حفاظتی کشتیوں کی تعداد یکساں تھی۔ مسافروں کی گنجائش ایک جیسی تھی وغیرہ وغیرہ۔ ناول کے مصنف مورگن رابرٹسن کا تعلق بحری اور جہازراں زندگی سے تھا۔ سمندر اور جہازوں سے مضبوط جذباتی تعلق نے اسے ٹائی ٹینک جیسے ایک خیالی جہاز کی تباہی کا نقشہ کھینچنے کے قابل بنایا جو ایک حقیقی جہاز کی بربادی کی صحیح پیشگوئی ثابت ہوا۔

عام طور پر اگر کسی شخص کے دل میں ای ایس پی کی بدولت، پیش آنے والے کسی خطرے

کی گھنٹی بجتی ہے تو یہ کیفیت شعوری آگاہی کی سطح تک نہیں پہنچتی اور بہت سے لوگ بغیر کسی خاص وجہ کے محض ذہنی اور روحانی اضطراب یا اندرونی خوف یا غائبانہ وارننگ (جسے وہ سمجھ نہیں پاتے) کی بنا پر کسی ایسی ٹرین یا طیارے کی محفوظ شدہ نشست کینسل کروا دیتے ہیں جس کی قسمت میں حادثے کا شکار ہونا لکھا ہوتا ہے اور اس طرح ان کی جان بچ جاتی ہے۔ بدقسمت برطانوی بحری جہاز ٹائی ٹینک کے آخری سفر کے موقع پر یہی ہوا کہ بے شمار مسافروں نے عین جہاز کی روانگی کے وقت اپنی نشستیں منسوخ کرالی تھیں۔ پیرا سائیکالوجی کے محققین نے اندازہ لگایا ہے کہ عام پروازوں کے مقابلہ میں حادثات کا شکار ہونے والی پروازوں میں بعض اوقات چھ سو فیصد تک نشستیں منسوخ ہونے کی درخواستیں ہوائی کمپنیوں کو موصول ہوئیں۔

عالمگیر دباؤں، آفتوں اور عالمگیر جنگوں کی پیشگوئی کے سلسلے میں ای ایس پی کو مؤثر ذریعہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہاں اگر اس قسم کی کسی جنگ یا آفت میں کسی کے عزیز کو حادثہ پیش آنے والا ہو تو پھر اپنے اس عزیز کی مصیبت یا ابتلا کی حد تک ای ایس پی کا اشارہ موصول ہوسکتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ای ایس پی کا دائرہ اثر محدود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی آنے والی مصیبت، حادثہ یا موت کے بارے میں غیبی اشارے عام طور پر اس وقت زیادہ واضح اور حقیقی ثابت ہوتے ہیں جب اس نوع کے واقعہ کے پیش آنے میں ہفتہ یا دو ہفتے باقی رہ گئے ہیں۔ جیسے جیسے وقت قریب آتا جاتا ہے، ای ایس پی کے اشارے (خواب، رویا یا غیبی آوازیں) شدت پکڑتے جاتے ہیں اور تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ رونما ہوتے ہیں لیکن بعض استثنائی صورتیں بھی ہیں۔ اس کا انحصار اشارہ وصول کرنے والی شخصیت اور مستقبل کے واقعہ کے مابین جذباتی نسبت پر ہے۔ مثلاً ایک جرمن خاتون نے 1919ء میں اپنے نومولود کے بارے میں خواب دیکھا کہ وہ ریت میں اس کا جسد ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ جیسے جیسے بچہ پروان چڑھتا رہا، وہ ڈراؤنا خواب جرمن خاتون کا تعاقب کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اس پر توجہ دینا چھوڑ دیا۔ دوسری جنگ عظیم میں، پہلے خواب کے اکیس سال بعد جبکہ وہ لڑکا جوان ہوچکا تھا، اسے فرانس کے ارتکاز کیمپ میں ہلاک کردیا گیا اور ساحل سمندر کی ریت میں دفن کیا گیا۔ ہوبہو اس کی ماں کے خواب کے مطابق۔

ای ایس پی کا ایک مظہر بلاوجہ احساس خوف یا احساس مسرت بھی ہوتا ہے۔ مقام حادثہ یا جائے المیہ جس قدر قریب ہوگی، احساس اتنا ہی شدید ہوگا۔ پیرا سائیکالوجی کے محقق رائز جانسن نے ایک نوجوان آسٹریلوی خاتون کا ذکر کیا ہے جو کہ ایک تفریحی پارک میں چہل قدمی کررہی تھی۔ جیسے ہی وہ پارک کے کونے میں پہنچی اس کی حالت متغیر ہوگئی اور خوف سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ بظاہر

اچانک کیفیت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی تھی۔ ٹھیک ایک ہفتہ بعد پارک کے اسی گوشے میں ایک طیارہ انجن فیل ہونے کے باعث گر گیا اور اس کا پائلٹ انتہائی اذیت میں انتقال کرگیا۔ علاوہ ازیں یہ جاننا چاہیے کہ زمین کا ہر گوشہ انسان کی طرح حساس ہے۔ اگر کسی مقام پر یا مکان میں یا باغ میں کبھی کوئی ٹریجڈی یا دردناک واقعہ پیش آیا ہو تو وہاں سے اس ٹریجڈی یا دردناک واقعہ کی برقی لہریں برابر اٹھتی رہتی ہیں اور حساس انسانوں کو محسوس ہوتی ہیں۔ بعض اوقات یہ لہریں (واقعہ یا ٹریجڈی کی نوعیت کے مطابق) اس قدر شدید ہوتی ہیں کہ مکان میں وارد ہونے والوں کو جھٹکے سے محسوس ہوتے ہیں۔ اکثر ایسے مکانات کو "آسیب زدہ" قرار دے دیا جاتا ہے حالانکہ جو کچھ محسوس ہورہا ہوتا ہے وہ اس گوشہ زمین کی گواہی ہوتی ہے۔ ماضی کے دردناک واقعہ کے متعلق! واللہ اعلم بالصواب!!

ای ایس پی کے کمال کی انتہا یہ ہے کہ بعض لوگ نہ صرف مستقبل میں اخباروں میں چھپنے والی شہ سرخیاں پڑھ لیتے ہیں بلکہ ان اخباروں کے فوٹوں اور مضامین بھی دیکھ لیتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران آرتھر فورڈ، جسے ای ایس پی میں شہرت حاصل تھی، ہر روز صبح کو اٹھنے کے بعد جنگ میں تازہ مرنے والوں کی فہرست کو اپنے ذہن کے گوشے میں ملاحظہ کرتا۔ جب شام کے اخباروں میں یہ فہرست چھپتی تو اس میں عین وہی نام درج ہوتے جنہیں آرتھر فورڈ نے صبح اٹھتے ہی نہاں خانہ ذہن میں دیکھا تھا۔ برطانوی خاتون ماہر معاشیات لیڈر رائز ولیز اکثر کئی دن پہلے غیب سے ایسی نشریات سن لیتی جو بعد میں بی بی سی ریڈیو پر نشر ہوتی تھیں۔ بعض اوقات اسے ٹی وی کے مستقبل کے پروگرام بمعہ تصاویر پہلے سے نظر آجاتے۔

ایسے ملتے جلتے ہزاروں واقعات ہماری دنیا کا حصہ ہیں۔

وہ لوگ جو کبھی کبھی مستقبل کی پیش گوئی کردیتے ہیں۔

اچانک کسی حادثہ سے باخبر کردیتے ہیں۔

جنہیں خوابوں کے ذریعے کوئی ایسا اشارہ مل جاتا ہے جو مستقبل کا بڑا بھیانک سچ بننے والا ہوتا ہے۔

آپ کیا کہیں گے؟

ہمارا یہ ایمان خدانخواستہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگ غیب کا علم جانتے ہیں کیونکہ غیب کا علم تو خداوند تعالیٰ کی ذات کو ہے لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان میں وہ خاص قوت پیدا کردی ہے جسے جدید سائنسی اصطلاح نے ای ایس پی کا نام دیا ہے۔

جیسا کہ آج کل مغربی معاشرے میں ہورہا ہے۔ وہاں کے لوگ علم نجوم پر زیادہ عمل

کرنے لگے ہیں۔ بعض اوقات ناکامیوں کا شکار ہونے والے افراد کسی غیر محسوس اثر کو خود پر مسلط پاتے ہیں۔ لیکن ایسے حالات میں گھرے ہوئے انسانوں کو اوہام کے حصار سے تعلیم نکال لاتی ہے جبکہ تعلیم سے بے بہرہ افراد معمولی باتوں کو جادو اور ستاروں کے برے اثرات کی وجہ سے پیدا شدہ حالات سمجھتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جہالت ایک اندھیرا ہے اور علم ایک اجالا ہے۔

یہ دور علم کے حصول کا دور ہے۔ ترقی یافتہ اقوام صرف علم کی روشنی کی وجہ سے منظر عام پر آئی ہیں اور آپ کو بھی اس علم کی روشنی پھیلانی ہے۔۔۔۔"

اس نے رک کر اپنے سحر زدہ سامعین پر نظر ڈالی پھر ان سے سوالیہ انداز میں کہا:

"جانتے ہو یہ روشنی، یہ علم کون سا ہے؟ کہاں ہے؟"

ماحول پر سکوت طاری تھا۔

"وہ ہے قرآن مبین۔ جو اللہ تعالیٰ نے حتمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا۔ جو اسرار و رموز کا بے بہا خزانہ ہے۔ قرآن پاک میں موجود چھ آیات شفا ہر مرض کا علاج ہیں اگر تم "معالج" کے اس معیار پر پورا اترو جو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کا مقرر کردہ ہے۔ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو۔ اپنا محاسبہ کرو۔ قرآن کی حقانیت ثابت کرنا ہمارا کام نہیں یہ کام اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا۔ ہمارا کام اس کی تبلیغ ہے اسے ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو نہیں جانتا۔"

لیکچر کے خاتمے پر پروفیسر ڈکنز کے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے۔ اسے آج علم ہوا کہ اسلام ماضی کا نہیں آج اور مستقبل کا دین ہے اور اس کے پیروکار اور پرچارک صرف کٹھ ملا نہیں بلکہ شیخ علی گیلانی جیسے صاحب علم ہیں جو جدید و قدیم علوم پر یکساں دسترس رکھتے ہیں۔ اپنے ضمیر کی آواز پر اس نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا اور ایک روز امریکہ کے لاکھوں شہری یہ پڑھ کر حیران رہ گئے کہ مشہور پروفیسر ماہر نفسیات ڈاکٹر کارل ڈکنز نے الشیخ السید علی گیلانی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور مسلمان ہو گیا۔ جس کے بعد سے وہ بھی دوسرے طالبین کی طرح دکھی انسانیت کی خدمت کیلئے سرگرم عمل ہے۔

امریکہ میں موجود خانقاہوں سے انوار و تجلیات کا ظہور، اسلام کی تیزی سے اشاعت اور شیخ گیلانی کے پیروکاروں کی طرف سے افغانستان اور کشمیر کی مظلوم مسلمانوں کی حمایت ایسے معمولی "جرائم" نہیں تھے جنہیں یہودی میڈیا آسانی سے نظر انداز کر دیتا۔ جوزف بوڈنسکی اور اس کے ساتھیوں کی حشر سامانیاں جاری رہیں۔ وہ آئے روز کوئی نہ کوئی ایسا ایشو کھڑا کر دیتے جس سے بظاہر اس جماعت کو دنیا کی نظروں سے گرانے کا سامان کیا جاتا لیکن ایک ایک کر کے ان کی سازشیں ناکام ہوتی رہیں۔ اگر کوئی گرفتاری ہوتی تو کچھ دنوں بعد ہی سچائی سامنے آجاتی اور گرفتار باعزت رہائی پا جاتا۔ کوئی الزام لگایا جاتا تو مخالف حلقوں کی طرف سے ہی اس کی تردید بھی ہو جاتی۔

مولانا فاروقی کے قتل پر طوفان اٹھایا گیا لیکن امریکن میڈیا کے "باخبروں" نے ذاتی تحقیق و تفتیش کے بعد اسے یہودی تنظیموں UDL اور ADL کا کارنامہ قرار دیا اور حقیقت بے نقاب ہو گئی۔

جوزف بوڈنسکی نے ہمت نہ ہاری اپنے کام میں جتا رہا۔ ری پبلکن ٹاسک فورس آن ٹیررازم اینڈ ان کو نیشنل دارفیئر آف یو ایس کانگریس

(Republican Task Force on Terrorism &

Unconventional Warfare of the U.S congress)

کا ایک عہدے دار ہونے کے ناطے اس نے کمیٹی میں ایک مکمل رپورٹ دہشت گردی کے حوالے سے لکھ کر پیش کر دی۔ یہ رپورٹ جسے متنازع قرار دیا گیا اور کمیٹی نے جوزف بوڈنسکی کی "ذاتی رائے" قرار دیا اچانک کتابی شکل میں شائع کر دی گئی جس میں شیخ گیلانی کی جماعت کو "جماعت الفقرا" کا نام دے کر دہشت گردوں کا ٹولہ قرار دیا گیا۔ شیخ گیلانی کے ڈانڈے ایران سے ملا دیئے گئے اور امریکن عوام کو بظاہر یہ باور کروانے کی کوشش کی گئی کہ شیخ گیلانی اور اس کے پیروکار ان کیلئے بہت بڑا خطرہ ہیں اور امریکہ میں یہ لوگ دہشت گردی کو رواج دے رہے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے بظاہر ایسا تاثر دینے کی کوشش کی گئی جیسے ان سیدھے سادے مسلمانوں کی یہ

جماعت عنقریب بغاوت کر کے امریکہ پر قبضہ کر لے گی۔

دنیا بھر کے غیر جانبدار پریس نے اس کتاب کو "مضحکہ خیز" قرار دے کر اس امر پر حیرانگی ظاہر کی کہ ایک شخص کی ذاتی رائے کو اس طرح کتابی شکل میں شائع کرنا قطعاً قرین انصاف نہیں۔ اس کتاب میں درج معلومات اور شواہد اتنے ناقص اور بودے تھے کہ کچھ عرصہ کے بعد اسے "پراپیگنڈہ بک" قرار دے کر ایک عام درجے کی کتاب کی حیثیت دے دی گئی۔

کتاب کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد شیخ گیلانی کے پیروکاروں کی طرف سے اس کا مسکت جواب ایک کتاب شائع کر کے دیا گیا لیکن یہودی میڈیا نے اس جوابی کتاب کو کبھی اہمیت نہیں دی کیونکہ اس کے ذریعے ان کے جھوٹ کا پول کھل گیا تھا۔

☆☆☆

شیخ گیلانی کی شہرت شاید اس کے پیروکاروں تک ہی محدود رہتی لیکن اللہ تعالیٰ کبھی کبھی شر سے خیر کا پہلو نمایاں کر دیتے ہیں کہ یہی قانون قدرت بھی ہے۔ جوزف بوڈنسکی اور اس کے ساتھیوں نے شیخ گیلانی اور اس کے پیروکاروں کے خلاف مذموم پراپیگنڈہ کیا اور اسے دنیا کے کونے کونے تک پھیلایا تو اہل خیر کو بھی اس بندہ خدا کی خبر ہوئی اور بڑی بڑی دور سے خصوصاً صوفیا اکتساب کیلئے اس کے پاس آنے لگے۔

شیخ ناظم کا تعلق قبرص سے تھا اور برونائی کے سلطان کا پیر ہونے کی وجہ سے انہیں دنیا بھر میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ شیخ ناظم پاکستان آئے تو ان تک بھی شیخ گیلانی کی شہرت کے افسانے پہنچے اور وہ ایک روز اپنے پیروکاروں کے ساتھ شیخ گیلانی کے آستانے پر تشریف لے گئے۔ شیخ ناظم چونکہ "بین الاقوامیت" کے پرچارک ہیں اس لیے انہوں نے شیخ گیلانی سے اپنی گفتگو میں یہ بات کہہ دی کہ دنیا بھر کے مذاہب کا مقصود دراصل ایک ہی ہے جس سے شیخ گیلانی نے اختلاف کیا کیونکہ وہ طریقت کے ساتھ ساتھ شریعت کی بھی سختی سے پابندی کرتے تھے اور کوئی بات خلاف قرآن وسنت ان کے ہاں قابل قبول نہیں۔

شیخ ناظم نے اس بات کا برا منایا اور شیخ گیلانی سے کہا کہ انہوں نے 40 دن حضرت غوث پاکؒ کے مزار مبارک پر چلہ کشی کی ہے اور غوث پاکؒ نے ان سے ملاقات کر کے کہا تھا کہ انہیں شیخ ناظم کی "عبا" بہت پسند آئی ہے۔ وہ اپنی "عبا" حضرت غوث پاکؒ کی خدمت میں چھوڑ آئے تھے۔

اس بات پر شیخ گیلانی نے توقف کیا پھر کہنے لگے کہ میری حاضری بھی دربار غوثیہؒ میں ہوتی

رہتی ہے۔ آپ کی ایک امانت بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر اجازت ہو تو دے دوں۔

شیخ ناظم نے فوراً ہاں کہا جس پر شیخ گیلانی نے ایک الماری کا دروازہ کھولا اور وہاں سے ایک "عبا" نکال کر انہیں دی۔ یہ وہی "عبا" تھی جو بقول شیخ ناظم کے حضرت غوث پاکؒ نے پسند فرما کر رکھ لی تھی۔

شیخ ناظم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شیخ گیلانی کی طرف دیکھا اور بے اختیار کہا:

"ھذا کرامۃ..... ھذا کرامۃ" (یہ کرامت ہے۔ یہ کرامت ہے)

اس کے ساتھ ہی انہوں نے شیخ گیلانی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور وہ "عبا" لے کر اپنے سینے سے لگا لی۔

پاکستان آرمی کے ایک مایہ ناز آفیسر میجر شہادت کا بیٹا اچانک گھر سے غائب ہوا تو گھر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ میجر شہادت نے اپنے تمام تر ذرائع کے ساتھ اس کی تلاش شروع کی لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ اکلوتا بیٹا والدین سے بچھڑ جائے تو ان کے دل پر کیا قیامت ٹوٹے گی اس کا اندازہ کوئی اہل دل ہی لگا سکتا ہے۔ ماں کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اسی دوران میجر شہادت نے اپنی پریشانی کا ذکر کرنل اسرار سے کیا جنہیں شیخ گیلانی کی کرامات کا کچھ ادراک تھا۔ انہوں نے میجر شہادت کو شیخ گیلانی سے رجوع کرنے کی تلقین کی لیکن میجر صاحب ان باتوں کے قائل نہ تھے۔ بہرحال اپنے بچے کیلئے انہیں کرنل اسرار کے ساتھ شیخ گیلانی کے پاس آنا پڑا۔

شیخ نے کہا اللہ کرم کرے گا اور بچہ واپس آجائے گا لیکن تین چار روز تک کچھ نہ ہوا۔

تو ماں کی ممتا تڑپ اٹھی اور بے اختیار شیخ گیلانی کے پاس پہنچ کر رونے لگی۔

شیخ نے اسے حوصلہ دیا اور کہا بیٹی اپنے گھر جا۔ انشاء اللہ اگلے دو چار روز میں تیرا بیٹا تیرے پاس لوٹ آئے گا۔

اور..... اگلے دو دن کے بعد ایک روز میجر شہادت نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا کہ گھر کے دروازے پر ان کا بیٹا اس طرح کھڑا ہے کہ اس کا سارا جسم زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ باپ نے بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ جس نے اپنی کہانی سنائی کہ اسے کچھ لوگ بے ہوش کر کے اغوا کر کے لے گئے تھے اور انہوں نے اسے زنجیروں سے باندھ کر رکھا ہوا تھا۔ دن کو وہ مزدوری کرواتے اور رات کو انہیں پھر زنجیروں سے باندھ کر ایک کمرے میں بند کر دیتے۔

بیٹے نے بتایا کہ اسے علم نہیں اس کی زنجیر کیسے کھلی اور جہاں وہ تھا وہاں سے یہاں تک

کیسے پہنچ گیا۔ کسی نادیدہ قوت نے اسے رہا کروایا اور یہاں پہنچا دیا۔ میجر شہادت کی آنکھوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اپنے جس بیٹے کی تلاش میں اس نے زمین کا کونا کونا چھان مارا تھا وہ اس طرح اچانک رہا ہو کر اس کے سامنے آجائے گا۔

ملک کے کئی دی آئی پی اپنے بچوں کی لاینحل بیماریوں کا اس سے علاج کروانے لگے اور قرآنک اوپن یونیورسٹی کے ذریعے اسے دنیا بھر میں قرآن کے ذریعے پیچیدہ اور سمجھ میں نہ آنے والی بیماریوں کے علاج کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے پیروکاروں نے قرآنک ذریعہ علاج کو امریکہ کے کئی شہروں تک پھیلا دیا۔

امریکہ سے اس کے ''طالبین'' حصول علم کیلئے ایک جماعت ترتیب دیتے جو پاکستان آتی اور شیخ گیلانی انہیں قرآن و حدیث اور اسلامی علوم کی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے لگا۔ یہ لوگ پاکستان سے واپس جاتے تو نئے عزم اور جذبہ خدمت سے اپنے کام میں جت جاتے۔ امریکی انٹیلی جنس ایجنسیاں بڑی باریک بینی سے ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انہیں سوائے اس کے اور کوئی فرق دکھائی نہ دیتا کہ وہ نوجوان جنہوں نے کبھی محنت کر کے کمانے کا تصور نہیں کیا تھا، جن کی آمدن کا واحد ذریعہ غلط کام یا پھر سرکاری وظیفہ تھی جب اس جماعت میں داخل ہوتے ان کی زندگیوں میں ایک انقلاب آجاتا۔ وہ پرانی روش ترک کر کے ''جاب'' تلاش کرتے۔ محنت کو شعار بناتے اور فوراً وظیفہ لینا چھوڑ دیتے۔ ان کی زندگیاں ایک ڈسپلن کے تحت گزرنے لگتیں۔ ان لوگوں نے اپنے گاؤں بسا لیے، اپنی ''قاضی کورٹس'' قائم کر لیں۔ اپنے جھگڑے خود ہی نمٹانے لگے۔ انہوں نے اپنا رہن سہن، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کر لیا اور یہی بات اسلام دشمن حلقوں کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

☆☆☆

نائن الیون کے حادثے نے ساری دنیا کی سیاسی بساط الٹ کر رکھ دی۔ اس تنازع تباہ کاری کے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور بہت کچھ کہا جائے گا۔ دنیا کی غالب اکثریت نے اسے عالم اسلام خصوصاً جہادی تنظیموں کے خلاف ایک سازش قرار دیا کیونکہ امریکی حکومت نے اپنے ہی ملک میں بعد میں سامنے آنے والی درجنوں فلموں، کتابوں اور مضامین کے حقائق نظر انداز کرتے ہوئے اسے ''مسلمانوں'' کے کھاتے میں ڈال دیا۔

اس واقعہ میں حالانکہ آج تک کسی پاکستان نژاد مسلمانوں کے ملوث ہونے کی امریکہ نے کبھی خبر نہیں دی لیکن سب سے زیادہ زوردار بجلی پاکستان پر ہی گری۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا

خمیازہ افغانیوں کو بھگتنا پڑا البتہ پاکستان کو فسطائی قوتوں نے اپنا ٹارگٹ بنا لیا۔

پاکستان میں موجود جہادی تنظیموں پر پابندی اس کا شاخسانہ تھا۔ اس ساری صورتحال کو شیخ گیلانی کے دشمن بڑی باریک بینی سے مانیٹر کر رہے تھے۔ انہوں نے اس موقع کی مناسبت سے ایک شاندار چال چلی اور ایک خطرناک منصوبہ شیخ گیلانی کو پھانسنے کیلئے تیار کیا۔ ان کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح شیخ گیلانی کو بھی دوسرے سینکڑوں پاکستانیوں کی طرح امریکن اٹھا کر پاکستان سے باہر لے جائیں تاکہ یہ خطرہ ہمیشہ کیلئے دم توڑ دے۔

شیخ گیلانی نے دشمن کی چالوں کو سمجھتے ہوئے غیر ملکی اخبار نویسوں کو ملنے سے ہمیشہ احتراز برتا اور خود کو سیاسی معاملات سے الگ رکھا۔ اس نے تو کبھی باقاعدہ پیری مریدی کا سلسلہ بھی شروع نہیں کیا تھا کیونکہ وہ اپنی مرضی سے کچھ کرنے پر قادر نہیں تھا جب بھی کسی مغربی نامہ نگار نے اس سے انٹرویو کرنا چاہا تو وہ انہیں ایک ہی بات کہتا کہ امریکہ میں موجود اس کے لاکھوں پیروکاروں کو مل کر ان لوگوں سے مذاکرات کر کے ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد ان کی جو بھی رائے بنے اسے شائع کر دیا جائے تو اسے کوئی اعتراض نہیں جہاں تک اس کی ذات کا سوال ہے تو وہ نام نمود کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔

اس نے اپنا مسکن ہمیشہ پہاڑی اور غیر آبادی علاقوں کو بنایا جہاں اسے یکسوئی حاصل رہے اور اس کی توجہ کسی اور طرف نہ جائے۔

ان دنوں شیخ گیلانی کے والد بزرگوار صاحب فراش تھے جب اچانک ایک عجیب و غریب واقعہ اخبارات کی زینت بنا۔ کسی امریکی ایئر لائن میں سوار ایک نوجوان کو جہاز کے عملے نے پکڑ کر قابو کر لیا جس پر الزام تھا کہ اس نے اپنے جوتوں کے تلوے میں آتش گیر مادہ چھپا رکھا ہے جس کے ذریعے وہ جہاز کو تباہ کر دے گا۔ گو کہ یہ مضحکہ خیز بات تھی کہ جس مقدار میں اس کے پاس مادہ ہونے کا ذکر کیا گیا اس سے جہاز کو تباہ کیا جا سکے۔

شیخ گیلانی ان دنوں اپنے والد کی تیمارداری میں مصروف تھا جب کینیڈا سے فرح سٹاک مین نامی ''موساد'' کی ایک ایجنٹ اخباری نمائندے کے روپ میں اس سے ملنے آگئی۔ شیخ گیلانی عام حالات میں بھی عورتوں سے ملاقات نہیں کرتا تھا اب تو اس کے والد کی بیماری کا مسئلہ بھی تھا۔ اس نے پیغام لانے والے سے کہا کہ وہ ابھی کسی سے نہیں مل سکتا۔

فرح سٹاک مین نے اس کے نام ایک رقعہ لکھا جس میں الزام لگایا گیا تھا کہ جہاز سے گرفتار ہونے والا نوجوان رچرڈ شوئمبر اس کا مرید ہے اور اس نے گیلانی کی بیعت کی ہوئی ہے۔

گیلانی کے وہم گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی اور وہ اس سے پہلے بھی بہت سی یہودی سازشوں کا سامنا کر چکا تھا اس لیے اس نے اس رقعہ کو زیادہ اہمیت نہ دی اور یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ رقعہ لکھنے والی کوئی باقاعدہ جرنلسٹ نہیں اگر وہ جرنلسٹ ہوتی تو اس طرح کاغذ پر الزامات لکھ کر تقسیم نہ کرتی۔

فرح سٹاک مین نے یہاں سے اسلام آباد کا رخ کیا اور وہاں ایک مخصوص حلقے میں اس بات کا پراپیگنڈہ شروع کر دیا جو وہ شیخ گیلانی کو لکھ کر دے آئی تھی۔ شیخ کے وہ حاسد جو ایک عرصہ سے اس کے دسترخوان پر پل رہے تھے لیکن منافقت سے ابھی کنارہ کشی نہیں کی تھی اس موقع پر حرکت میں آئے اور انہوں نے اس یہودی کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی۔

اس دوران شیخ گیلانی کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا اور وہ والد کی تدفین سے فارغ ہو کر گڑھی حبیب اللہ لوٹ آیا جہاں اس نے مقامی غریب بچوں کیلئے ایک مدرسے کی تعمیر شروع کروائی ہوئی تھی۔ یہ مدرسہ وہ بغیر کسی بیرونی امداد کے محض اپنے وسائل سے تعمیر کروا رہا تھا تاکہ مقامی بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی کفالت بھی کر سکے۔

شیخ گڑھی حبیب اللہ میں تھا جب اچانک ایک خطرناک سازش نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ڈینیل پرل نامی ایک امریکی جرنلسٹ جو پاکستان آیا تھا، اچانک غائب ہو گیا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اس نے "غائب ہونے سے پہلے" ایک ڈائری اپنے ٹھکانے پر چھوڑ دی جس میں لکھا تھا کہ وہ شیخ گیلانی سے انٹرویو کرنے جا رہا ہے۔

ڈائری کا یہ حصہ بطور خاص پاکستان کے ایک انگریزی جرنلسٹ کو فراہم کیا گیا جس کے ساتھ ہی ایک سٹوری بھی موجود تھی۔ اگلے روز اسی جرنلسٹ کے حوالے سے چیختی چلاتی سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع کی گئی کہ شیخ گیلانی نے ڈینیل پرل کو اغوا کر لیا ہے۔

☆☆☆

پاکستانی جرنلسٹ تک اس خبر کو پہنچانے، ڈینیل پرل کی ڈائری تخلیق کرنے اور اس سارے کھیل کا پس منظر اور پیش منظر تیار کرنے کیلئے "موساد" نے زبردست پلاننگ کی تھی۔

ڈینیل پرل نے پاکستان آنے کے بعد کچھ بااثر لوگوں کے ذریعے شیخ گیلانی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ شیخ گیلانی سے انٹرویو کرنا چاہتا تھا۔ اس انٹرویو کے پس پردہ کیا

مقاصد تھے؟

آخر اسے شیخ گیلانی ہی ایک ایسا شخص کیوں نظر آیا جس سے وہ ان حالات میں انٹرویو کرنا چاہتا تھا جب کہ رموز مملکت سے اس کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ صرف ایک صوفی تھا جس سے دنیا کے کونے کونے سے لوگ ملنے اور آشیرواد حاصل کر کے اپنی قلبی اصلاح کروانے آتے تھے۔ اس نے کبھی کسی آنے والے سے ان کا نام، مذہب یا ملک نہیں پوچھا تھا کیونکہ یہ اس کا کام نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جو لوگ اس تک پہنچتے ہیں وہ کون ہیں؟ یہ اس کے جاننے والی بات نہیں اس کیلئے لازم تھا کہ انہیں وہ روحانی تسکین، بہم پہنچائے جس کو حاصل کرنے یہ لوگ دور دراز کا سفر کر کے یہاں آتے تھے اور جسے بانٹنے کا مشن دے کر اسے دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

ابھی تک اس تک یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ فرح سٹاک مین کے بعد ایک اور امریکی جرنلسٹ بھی انٹرویو کیلئے اسے ڈھونڈتا پھرتا ہے کیونکہ وہ اسلام آباد میں نہیں تھا جبکہ ڈینیل پرل کی اطلاعات کے مطابق وہ بھی اسلام آباد میں ہی تھا۔ یہ بھی عجیب و غریب اسرار تھا حالانکہ شیخ گیلانی کی آمد و رفت کبھی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ اس سے درجنوں لوگ روزانہ فیض حاصل کرنے کیلئے ملتے تھے۔

بہر حال اسلام آباد میں ڈینیل پرل کی ملاقات ایک "شیخ گیلانی" سے کروا دی گئی۔ یہ کارنامہ "موساد" کے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے انجام پایا جنہوں نے اس سازش کا تانا بانا سمیٹنا تھا۔

اس بات کا ثبوت نہیں مل سکا کہ ڈینیل پرل اس سازش کا باقاعدہ حصہ اور بطور ایجنٹ کام کر رہا تھا یا پھر اسے "کٹ آؤٹ" بنا کر استعمال کیا جا رہا تھا۔

ڈینیل نے اپنی ڈائری میں "جعلی شیخ گیلانی" سے جسے وہ اصلی ہی سمجھ رہا تھا ملاقات کا تذکرہ لکھا اور آخر میں لکھا کہ وہ اس سے تفصیلی گفتگو کل کرے گا۔ اگلے روز اس کی ڈائری ہوٹل میں رہ گئی اور وہ خود غائب ہو گیا۔

حیرت انگیز طور پر یہ بات سامنے آئی کہ ڈینیل کی ڈائری پر لکھی یہ تحریر پاکستانی اخبار نویس کو فوراً پہنچا دی گئی حالانکہ یہ نیشنل سکیورٹی کا مسئلہ تھا۔ امریکن حکومت کا دباؤ روز بروز بڑھ رہا تھا اور انٹیلی جنس کے اعلیٰ حکام اس کی تفتیش کر رہے تھے۔ خود وہ بھی حیران تھے کہ جس بات کا علم ان کے علاوہ صرف ڈینیل پرل کو تھا وہ اس پاکستانی جرنلسٹ تک کیسے پہنچ گئی۔

اخبار میں خبر چھپنے کی دیر تھی کہ میڈیا کی توپوں نے اپنا رخ شیخ گیلانی کی طرف کر لیا۔

یہی ''موساد'' کا منشا تھا۔ پاکستانی جرنلسٹ شیخ گیلانی کے ماضی کے حوالے سے یہودی پریس کی طرف سے کیا گیا سارا پراپیگنڈہ دہرانے لگے اور یہ ثابت کرنے پر تل گئے کہ یہ سارا کیا دھرا شیخ گیلانی کا ہی ہے۔

☆☆☆

گڑھی حبیب اللہ میں شیخ گیلانی کو اپنے لاہور والے گھر سے اطلاع ملی کہ یہاں تو قیامت آئی ہوئی ہے اور پولیس اسے کسی جرنلسٹ کے اغوا کے جرم میں تلاش کر رہی ہے۔ شیخ گیلانی نے اپنی ساری مصروفیات وہیں چھوڑیں اور اسلام آباد پہنچ گیا۔ جہاں اس نے خود کو پولیس کے سامنے پیش کر کے اپنا جرم دریافت کیا۔ ملک کے اعلیٰ حلقے جو اس کی سرگرمیوں کی مکمل خبر رکھتے تھے۔ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ سب ایک سازش ہے جو اس کے خلاف کی جارہی ہے۔ انہوں نے حیرت انگیز طور پر شیخ گیلانی کو گرفتار کرنے کے بجائے مشورہ دیا کہ وہ کراچی چلا جائے۔

شیخ کو حیرانگی اس بات کی تھی کہ وہ کیسا ''مطلوب ملزم'' ہے جسے گرفتاری کرنے کے بجائے کراچی جانے کا مشورہ دیا جارہا ہے کیونکہ یہ کیس وہاں درج ہوا تھا اور وہ ماضی قریب میں کبھی کراچی نہیں گیا تھا۔ قریب ترین فلائٹ کے ذریعے وہ اپنے ایک خادم کے ساتھ کراچی پہنچ گیا جہاں پولیس ہیڈکوارٹر پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ ان کا ''ملزم حاضر ہے۔''

پولیس کے اعلیٰ حکام نے جب شیخ گیلانی کو دیکھا تو ان میں سے بیشتر کی نظریں شرم سے اور کچھ احترام سے جھک گئیں۔ ان سب نے باری باری شیخ گیلانی سے معافی مانگی کہ ان کا کوئی قصور نہیں یہ آگ اخبارات کی لگائی ہوئی ہے اور وہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اس کے پیچھے کس کا ''شیطانی ذہن'' کام کر رہا ہے۔ وہ مجبور ہیں۔

شیخ گیلانی سے زیادہ ان کی مجبوری کو اور کون سمجھ سکتا تھا؟

اس نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اپنی گردن جھکائی اور مراقبہ میں چلا گیا۔ اس کیفیت کا خاتمہ قریباً پانچ منٹ بعد ہوا۔ سب لوگ احترام سے ہمہ تن گوش تھے۔

''کیا ہوا شیخ آپ.....؟''

''ہاں! میں نے اس ذات بابرکات کے حضور حاضری دی ہے جو سرور کائنات فخر موجودات اور وجہ تخلیق کائنات ہے اور میرے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے مجھے تسلی دی ہے کہ یہ آزمائش بہت قلیل مدت کیلئے ہے اور تم لوگ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔''

جب وہ بول رہا تھا تو سب پر سکوت طاری تھا۔

☆☆☆

''پیر صاحب آپ آرام فرمائیں اور ہماری مجبوری کا احساس کرتے ہوئے ہمارے ساتھ تعاون کریں۔''

اعلیٰ پولیس آفیسر نے اس سے درخواست کے انداز میں کہا۔

''میں جانتا ہوں میرے بیٹے کہ تم سب کتنے بے بس ہو۔ لیکن میں نہیں کیونکہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے..... تم جو بھی پوچھو گے میں اس کا جواب دوں گا''

اس نے کہا۔

پولیس آفیسرز نے اس سے چند سوالات کرنے کے بعد ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ انہیں ٹریپ کیا جارہا ہے۔

انہوں نے شیخ گیلانی کو آرام کی ہدایت کی اور ان کی خدمت پر مامور ہو گئے۔ ملک کے ایک بڑے وکیل نے ہائی کورٹ میں اس کی ضمانت کی درخواست کی اور پولیس نے عدالت کو بتا دیا کہ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

شیخ گیلانی ایک مرتبہ پھر یہودی سازش کا پردہ چاک کر کے واپس آ گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد پولیس نے ''اصلی ملزم'' گرفتار کر لیے جنہوں نے پولیس کے سامنے ڈینیل پرل کے قتل کا ''اعتراف'' بھی کر لیا۔ پولیس نے ایک ''سڑی لاش'' بھی ''برآمد'' کر لی جسے ڈینیل پرل کی لاش بتایا گیا اور برق رفتاری سے مقدمے کا فیصلہ کر کے انہیں سزا بھی دے دی۔

شیخ گیلانی اس آزمائش سے بھی سرخرو ہو کر نکل گیا۔ لیکن ایک بڑا سانحہ اس کا منتظر تھا۔

اس نے گڑھی حبیب اللہ میں جن ''عقیدت مندوں'' کی درخواستوں پر بچیوں کیلئے سکول کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا تھا انہوں نے سنا کہ شیخ گیلانی گرفتار ہو چکا ہے اور اخبارات کی اطلاعات کے مطابق اب اسے یہاں سے امریکہ لے جایا جارہا ہے جہاں سے اس کا جلدی واپسی کا ظاہر ہے اب کوئی امکان نہیں تھا۔

ان نام نہاد عقیدت مندوں نے اس کی وہ تمام جمع پونجی جو اس سکول کی تعمیر کیلئے کیش کی شکل میں رکھی گئی تھی چوری کر لی۔ جب شیخ گیلانی اچانک رہا ہو کر خلاف امید واپس آ گیا تو وہ پچھتائے اور معافی مانگنے لگے کہ رقم تو خرچ ہو گئی۔

شیخ گیلانی کیلئے یہ سب آزمائش تھی اس نے ان سے کچھ نہ کہا انہیں ان کے حال پر چھوڑا

اور واپس چلا آیا۔ اس نے ان سب آزمائشوں کو اللہ کی سنت جان کر قبول کیا اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ راہ سلوک کے اس مسافر کا سفر اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک مرتبہ پھر وہ کہیں دور پہاڑوں میں اپنے اللہ سے لو لگا کے بیٹھا ہے جبکہ امریکہ اور بلاد یورپ میں اس کے لاکھوں پیروکار آج بھی مختلف گروپوں کی شکل میں آتے اور اس سے فیض یاب ہو کر واپس چلے جاتے ہیں۔